معارفِ رضا

شمارہ نمبر ۲۴

۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل پاکستان

فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ

میرے فرماں بردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا (آل عمران)

معارفِ رضا

شمارہ نمبر ۲۴

۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۴ء

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل پاکستان

زیر سرپرستی
پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی

بانی
مولانا سید محمد ریاست علی قادری رحمۃ اللہ علیہ

صاحبزادہ وجاہت رسول قادری

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

علامہ شاہ تراب الحق قادری
الحاج شفیع محمد قادری
علامہ ڈاکٹر حافظ عبدالباری
منظور حسین جیلانی
حاجی عبداللطیف قادری
ریاست رسول قادری
حاجی حنیف رضوی
کے . ایم . زاھد

سرکولیشن
محمد فرحان الدین قادری
سید محمد خالد قادری

تصحیح و ترتیب
محمد جمیل قادری

کمپوزنگ
شیخ ذیشان احمد قادری

خصوصی شمارہ
100 روپے

ھدیہ فی شمارہ =/15 روپیہ، سالانہ 150 روپیہ، بیرونی ممالک =/10 ڈالر سالانہ، لائف ممبر شپ -/300 ڈالر

نوٹ: رقم دستی یا بذریعہ منی آرڈر/ بینک ڈرافٹ بنام "ماہنامہ معارف رضا" ارسال کریں، چیک قابل قبول نہیں

25 جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل) صدر، کراچی (74400)، فون: 021-7725150
فیکس: 021-7732369، ای میل: marifraza@hotmail.com

(پبلشر مجید اللہ قادری نے باہتمام حریت پرنٹنگ پریس، آئی آئی چندریگر روڈ، کراچی سے چھپوا کر دفتر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی سے شائع کیا)

آئینہ

از تبرکات کلام امام نعت گویاں
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی

دنیا میں ہر آفت سے بچانا مولیٰ عقبیٰ میں نہ کچھ رنج دکھانا مولیٰ
بیٹھوں جو دَرِ پاک پیمبر کے حضور ایمان پر اس وقت اٹھانا مولیٰ

نقصان نہ دے گا تجھے عصیاں میرا غفران میں کچھ خرچ نہ ہوگا تیرا
جس سے تجھے نقصان نہیں کردے معاف جس میں تیرا کچھ خرچ نہیں دے مولیٰ

ہوں کردوں تو گردوں کی بنا گر جائے ابرو جو کھچے تیغِ قضا گر جائے
اے صاحبِ قوسین بس اب رد نہ کرے سہمے ہوؤں سے تیرِ بلا پھر جائے

حمداً لک اے اِلٰہِ عبدالقادر اے مالک و بادشاہِ عبدالقادر
اے خاک براہِ تو سر جملہ سراں کن خاک مرا براہِ عبدالقادر

یارب بجمالِ نامِ عبدالقادر یارب بنوالِ عامِ عبدالقادر
منگر بقصور و نقص ماقادریاں بنگر بکمالِ تامِ عبدالقادر

تمہارے ذرے کے پرتو ستارہائے فلک

تمہارے ذرے کے پرتو ستارہائے فلک
تمہارے نعل کی ناقص مثل ضیائے فلک

اگرچہ چھالے ستاروں سے پڑ گئے لاکھوں
مگر تمہاری طلب میں تھکے نہ پائے فلک

سرِ فلک نہ کبھی تا بہ آستاں پہنچا
کہ ابتدائے بلندی تھی انتہائے فلک

تمہاری یاد میں گزری تھی جاگتے شب بھر
چلی نسیم ہوئے بند دیدہائے فلک

یہ ان کے جلوہ نے کیں گرمیاں شبِ اسرا
کہ جب سے چرخ میں ہیں نقرۂ و طلائے فلک

مرے غنی نے جواہر سے بھردیا دامن
گیا جو کاسۂ مہ لے کے شب گدائے فلک

خطاب حق بھی ہے درباب خلق مِن اَجلِکَ
اگر ادھر سے دمِ حمد ہے صدائے فلک

رضا یہ نعتِ نبی نے بلندیاں بخشیں
لقب زمینِ فلک کا ہوا سمائے فلک

محمد شہزاد مجددی، لاہور

اسے عشق تھا تو فقط مصطفیٰ ﷺ سے

ہے آئینہ ، رشد فضلِ خدا سے
جو صادر ہوا حرف کلکِ رضا سے

وہ قسامِ فیضانِ عشقِ رسالت
خدا کے کرم سے ، نبی کی عطا سے

محدث ، مفسر، فقیہ و مجدّد
وہ تھا بہرہ ور سب علومِ ھدیٰ سے

وہ اک عارفِ حق وہ اک شیخِ کامل
تھی وابستگی جس کو غوث الوریٰ سے

تھا اعدائے دیں کے لیے تیغِ قاطع
رعایت نہ رکھتا تھا اہلِ جفا سے

رہا عمر بھر وہ شریعت کے تابع
تھے پُر جان و دل اس کے صدق و صفا سے

غرض اس نے رکھی نہ اہلِ دول سے
اسے عشق تھا تو فقط مصطفیٰ ﷺ سے

عقائد میں اسلاف کا عکس تھا وہ
فقاہت عیاں اس کی ہر اک ادا سے

گندھا تھا خمیر اس کا عشقِ نبی ﷺ میں
تھا معمور دل اس کا ذوقِ وفا سے

وہ بحرِ معارف تھا حکمت کا پیکر
اسے ربط تھا خاص بابِ ہدیٰ سے

لکھوں تاجدارِ بریلی کی مدحت
ملے بہرہ وافر جو فکرِ رسا سے

احاطہ علومِ رضا کا کروں میں
یہ کیونکہ ہو شہزاد مجھ نا رسا سے

اپنی بات

صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری

تامعطر کنم از لطف نسیم تو مشام
شمہٗ از نفحاتِ نفسِ یار بیار

کسی دانا کا مقولہ ہے کہ نصب العین کی بلندی، عزم و عمل کی ہم آہنگی اور گفتار و کردار کا ارتباط ہی انسان کو ابدی عظمت، دائمی کرامت اور حقیقی فوز و فلاح عطا فرماتا ہے۔ گویا حیاتِ انسانی کے کارواں کو متوازن اور اعتدال (Check and Balance) میں رکھنے کیلئے یہ ایک فطری ضرورت ہے کہ انسانی زندگی کو تسلسل کے ساتھ علم و عمل اور قول و فعل کی صالح حرکی قوتوں سے مربوط و منضبط رکھا جائے تا کہ مقصدِ تخلیق اور خالق کائنات کی عطا کی ہوئی حیات کے اہداف کسی بھی لمحہ نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائیں اور عزم و عمل کی حدت و حرارت کو ایک ایسے درجۂ متوسطہ پر برقرار رکھا جاسکے جس سے حصولِ مقاصد کے ارادہ و جذبہ میں راہِ حیات کے کسی موڑ پر کبھی کوئی فرق نہ آئے۔

انسانی حیات کا تسلسل اور نظامِ حیات میں عدل و توازن یہ خالقِ کائنات اللہ بزرگ و برتر کے اوامر میں ہے، اس فطری ضرورت کی تکمیل کیلئے اللہ تبارک وتعالیٰ ہر دور میں ایسے صالح اور دانا و بینا افراد پیدا فرماتا ہے، جن کا وجود معاشرہ و معاشرت کی اصلاح و فلاح اور ترقی و کامرانی کا ضامن ہوتا ہے۔ جو نہ صرف خود پیکرِ علم و عمل اور مجسمۂ عزم و یقین ہوتے ہیں بلکہ کارزارِ حیات میں اپنے ہم نفسوں کیلئے جہدِ مسلسل کا پیغام اور حرکی قوت ثابت ہو کر ان کو اپنے مقصدِ حیات کی تکمیل کی خاطر مشغول و متحرک رکھتے ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ، خالقِ ارض و سما اپنے منشاء و مرضی سے انبیاء و رسل کی بعثتِ مبارکہ کے تحت اس فطری ضرورت کی تکمیل فرماتا رہا، لیکن جب اس نے اپنے محبوب مکرم حبیب معظم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو تاجِ خاتمیتِ رسالت و نبوت پہنا کر اس دنیا میں مبعوث فرمایا تو ان کی زبانِ حق ترجمان سے اعلان فرما دیا "اب میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا" اور "علماءِ امتی کانبیاء بنی اسرائیل" یعنی میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند میرے نواب ہوں گے۔ وہ تمہاری اصلاح و ہدایت کا فریضہ صبح قیامت تک انجام دیتے رہیں گے۔ لہٰذا خاتم النبیین شفیع المذنبین ﷺ کے تربیت یافتہ اور صحبت یافتہ نفوس قدسیہ صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) پھر ان کے فیض یافتہ تابعین پھر سلسلہ بہ سلسلہ ان کے تربیت یافتہ اور ان سے فیض یافتہ تبع تابعین اور ان کے پیروکار جو اس آیت کریمہ کے مصداق ہیں:

والذین اتبعوھم باحسان (التوبہ، ۹/۱۰۰)

الی یوم الدین سے یہ سلسلۂ اصلاحِ امت اور احیاءِ سنت و شریعت صبح قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین و ملت، امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمہ کا شمار ایسے ہی نابغۂ روزگار مصلحینِ امت میں ہوتا ہے، جن کے علمی، دینی ملی اور اصلاحی کارناموں سے معاشرے کو روشنی اور اندھے دلوں کو جلا ملی۔ امام احمد رضا کی فکر اور تعلیمات، گم کردۂ راہ کے لئے چراغِ راہ اور سالکِ راہِ حق کیلئے نشانِ منزل کا درجہ رکھتی ہیں۔ آج کے فتنہ پرور دور میں آپ کی زندگی مثالی ہے۔ لاکھوں طالبانِ راہِ معرفت نے آپ سے روشنی و ہدایت حاصل کی۔ آپ کے اعلیٰ مقامِ علم و تقویٰ اور فقر و غنا کی جید علماء، صلحاء اور اصحابِ علم و فضل نے توصیف و تحسین فرمائی ہے۔ علامہ اقبال کے جذبۂ عشقِ رسول ﷺ کے سب معترف ہیں، انہوں نے امام احمد رضا کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ ان کی تحریروں اور فتاویٰ کا گہرا مطالعہ کیا تھا، وہ آپ کے علم و تقویٰ کے معترف بھی تھے، اور ایسا لگتا ہے کہ یہ شعر آپ سے ہی متاثر ہو کر انہوں نے کہا ہے۔

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے وہ فقر جس میں بے پردہ ہے روحِ قرآنی

جب ہم امام احمد رضا کی نگارشات کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس کی سطر سطر سے ہمیں روحِ قرآنی، عشقِ رسول ﷺ کی روشنی، سیرت رسول ﷺ کی آئینہ گری، مقصدیت، وقار ومتانت، علم ویقین اور عقیدۂ عمل کی سچائی، "عَلَّمْنَاہُ مِن لَّدُنَّا" کی تعبیر "اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاء" کا عکسِ جمیل اور "وَالرَّاسِخُونَ فِی الْعِلْمِ" کی تفسیر دلپذیر جگہ جگہ نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "العطایا النبویہ" کی دولت سے فیض یافتہ اس عاشقِ رسول ﷺ کا شہرہ آج اکناف عالم میں دور دور تک پھیل رہا ہے اور بحمد للہ روز افزوں ہے۔ اور اس مردِ حق مجدد برحق کا نعرۂ حق افق تا بافق گونج رہا ہے۔ عرب وعجم فیضیاب ہو رہے ہیں۔ انفس و آفاق ان کے افکار سے کسب نور کر رہے ہیں، عالم اسلام کی انٹرنیشنل جامعات میں ان کے کثیر علوم وفنون اور ایک ہزار سے زیادہ تصانیف میں سے کسی نہ کسی پر ریسرچ ہو رہا ہے۔ ۱۵/ سے زیادہ پی. ایچ. ڈی. ہو چکی ہیں اور مزید کام جاری ہے۔ دنیائے اسلام ہی نہیں بلکہ دنیا کی کسی بھی بڑی علمی شخصیت پر گزشتہ ۲۵/ برسوں میں ۲۵/ سے زیادہ جامعات میں تحقیق ہونا اور اتنی بڑی تعداد میں عالمی جامعات کی سطح پر اسکالرز کا پی. ایچ. ڈی کے مقالات لکھنے کی طرف راغب ہونا امام احمد رضا کی وسعتِ علمی اور ان کی شخصیت کی ہمہ جہت ہونے کی بیّن دلیل ہے۔ اس پہلو سے بھی اعلیٰ حضرت کی ذات بے نظیر نظر آتی ہے۔ علمائے حرمین شریفین میں تو آپ کے علم وفضل کا ڈنکا بج ہی رہا تھا، اب جامعہ ازہر اور قاہرہ، بغداد اور دمشق کی جامعات میں بھی امام احمد رضا کی علمی اور دینی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا جا رہا ہے۔ آج سے چار سال قبل ۱۹۹۹ء میں جامعہ ازھر کے وکیل کے دفتر کے آڈیٹوریم میں تاریخ میں پہلی بار امام احمد رضا کانفرنس منعقد ہوئی اور جامعہ ازھر کی فضاء میں پہلی مرتبہ سلام رضا کے بول "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" کی مترنم گونج سنائی دی، اللہ تعالیٰ کا شکر وکرم ہے کہ یہ راقم اور علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ العالی بنفسِ نفیس مجلسِ بابرکت میں شریک تھے۔ وہاں کے معروف اخبارات وجرائد میں فاضل علماء ازھر کے امام صاحب کے دینی اور علمی خدمات اور نعتیہ عربی شاعری پر مقالات شائع ہو رہے ہیں اور اس کا سلسلہ اب لبنان، دمشق، بغداد، دبئی اور تمام دنیائے عرب تک پھیل گیا ہے۔ اور کیوں نہ ہو؟

گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستان
کیوں نہ ہو؟ کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی شخصیت کو علماء حرمین شریفین نے سید عالم ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ قرار دیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس ایک شخصیت میں کیا کیا خوبیاں اور کمالات جمع فرمائے ہیں، حیرت ہوتی ہے اور یہ اس کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ وہ ایک عظیم فقیہ، محدث، مفسر، صرفی ونحوی، شاعرِ چہار زبان، ہیئت دان، سائنسدان، محقق، ریاضی دان، مصنف، مدرس اور معلم بھی تھے، بقول ماہر رضویات قبلہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی:

"امام احمد رضا نے استاد وشاگرد دونوں کو پڑھنے پڑھانے کا سلیقہ بتایا، استاد وشاگرد کے رشتہ کو اور حسین بنایا، وقت کی قدر کرنا سکھایا، کامیاب زندگی کا ایک عظیم راز بتایا"

امام احمد رضا کی مبارک زندگی کا جائزہ لیا جائے تو اس کا ایک ایک لمحہ حضرت ماہر رضویات کے ہر لفظ کی صداقت کی گواہی دیتا نظر آتا ہے۔ اور یہ واضح حقیقت سامنے آتی ہے کہ امام احمد رضا نے مہد سے لیکر لحد تک وقت کی قدر کی اور وہ کارنامے انجام دیئے گئے کہ دنیا دیکھ دیکھ کر حیران ہوتی ہے۔

امام احمد رضا نے اپنی زندگی کے شب وروز کو کچھ اس طرح تقسیم کیا تھا کہ عبادات وضروریات وحوائج کا وقت نکال کر جو کچھ وقت بچتا تھا اس میں صرف دو گھنٹہ سونے کیلئے ہوتا اور بقیہ تمام وقت، ذکر وفکرِ آیاتِ الٰہی، فتویٰ نویسی، دینِ متین کی حمایت، تصنیف وتالیف، درس وتدریس، وعظ وتذکیر اور تربیت وتزکیۂ مریدین میں اور فلاح وصلاحِ مومنین میں صرف ہوتا۔ اللہ اللہ کیا مبارک زندگی تھی، آج امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی ۸۴/ ویں یوم وصال کے مبارک موقع پر قارئین کرام کی نذر امام صاحب کا یہی پیغام ہے، ہم بحیثیت مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں وقت کی قدر کرنا سیکھیں اس لئے کہ تاریخ عالم اس بات پر گواہ ہے کہ جس نے وقت کی قدر کی اس کی وقت نے قدر کی، اور جس نے وقت کو ضائع کیا اس کو وقت نے ضائع کیا۔ آج ہمارا المیہ یہی ہے اور اندرونی اور عالمی سطح پر ہماری بیکسی اور بے بسی کا سبب بھی یہی ہے۔ افراد اور

معاشرہ کی ہر سطح پر اس کا مظاہرہ دیکھنے میں آرہا ہے۔

فاضل بریلوی جلیل القدر عالم،عبقریِ وقت اور مدبر تھے وہ حالاتِ گردو پیش کے ردِ عمل سے گزر کر اپنے تمام معاصرین سے رشتہ قائم کرنے کے ساتھ ساتھ، آفاقی سطح پر بھی مطلع و باخبر رہتے ہیں اور ماضی وحال سے گزر کر مستقبل سے اپنا رشتہ استوار کرتے ہیں۔ پھر آنے والی نسلوں سے مخاطب ہوتے ہیں ان کے قلب و نظر میں عشقِ رسول اور اتباعِ سنّت کی وہ توانائیاں تھیں کہ وہ انہیں روز وشب میں الجھ کر نہیں رہ جاتے ہیں بلکہ غبار آلود مطلع کے پیچھے بھی دیکھتے ہیں اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور انسانیت کے وسیع پس منظر میں مسلمانانِ عالم کی روحانی اور تمدنی ترقی کی منزلیں متعین کرتے ہیں۔ انہوں نے ارتقاقاتِ معاشیہ اور ارتفاقاتِ الٰہیہ کا جس طرح تجزیہ کیا تھا اس سے ان کی فکر کی بلندیوں کا پتہ چلتا ہے لیکن بایں تمام عبقری خصوصیات محدث بریلوی کا امتیازی نشان عشقِ رسول ﷺ کا وہ مرکزی نکتہ ہے جس کے گرد ان کی حیات وفکر کے دائرے گھومتے ہیں وجہِ تخلیقِ کائنات کے نور کے اسی مرکزی نکتے سے کسبِ فیض کرتے ہوئے انہوں نے اپنے اردگرد کے تمام اکناف واطراف کو اس کی روشن شعاؤں کے انعکاس سے اس طرح منور کیا کہ ان کی شخصیت "عشقِ رسول ﷺ" کا نشان بن گئی۔

اسلام کے اس عبقری مردِ مومن کی حیات وفکر، علم وآگہی، عشق وسرمستی، خردِ ایمانی اور عقلِ نورانی و برہانی، شعر وسخن اور زبان ولسان کے معتبر واقعات سے عہدِ حاضر کے اہلِ دانش وبینش کو روشناس کرانے اور نئی نسل کو ان کی تجلیاتِ روحانی وعلمی سے بہرہ ور کرنے کیلئے ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا ہر سال اس عبقریِ عصر اور عالمِ باعمل و باکمال کے یومِ وصال کے موقع پر ایک سالنامہ مجلّہ معنون بہ "معارف رضا" پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے اور الحمد للہ اسی جذبۂ واخلاص اور مقصدِ صادق کے ساتھ "معارف رضا" کا ۲۴ رواں سالانہ مجلّہ اصحابِ علم وفضل اور محققینِ تراث الاسلامی کے مطالعہ اور استفادے کیلئے حاضر ہے۔

قارئین کرام! زیرِ نظر شمارہ برصغیر جنوبی ایشیاء کے جن معروف معتبر محقق قلم کار حضرات کے رشحاتِ قلم سے مزیّن ہے اس کا اندازہ آپ کو اس کی فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے ہوگیا ہوگا۔ ہمیں امید ہے کہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی حیات وکارناموں پر تصنیف وتالیف کا کام کرنے والوں اور جامعہ کی سطح پر "رضویات" پر تحقیق وتدقیق سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ ایک نیا اضافہ ثابت ہوگا۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کی مساعی اور راقم کے متعدد ممالک کے دوروں اور وہاں کے علماء، قلمکار، اسکالرز اور جامعات کے اساتذہ سے فروغِ رضویات کے سلسلہ میں ملاقاتوں کی بناء پر رضویات پر اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی، عربی اور بنگالی نیز دیگر مقامی زبانوں میں لٹریچر کی فراہمی کا مطالعہ زور پکڑتا جارہا ہے۔ بنگالی اور انگریزی زبان میں جس تیزی کے ساتھ اعلیٰ حضرت کی کتب اور ان پر لکھی ہوئی کتب ورسائل کی منتقلی ہورہی ہے اس نے بھی لٹریچر کی مانگ میں شدت پیدا کردی ہے۔ اس وقت بحمد للہ بنگلہ دیش میں ۶ رسے زیادہ ادارے امام احمد رضا پر تحقیق وتصنیف کا کام کررہے ہیں جن میں ۳ رتو چاٹگام میں قائم ہیں اور ایک ایک ڈھاکہ اور دیناجپور میں ہے۔ امام احمد رضا کی عربی تصانیف اور ان کی اردو تصانیف کے تعریب کے حوالے سے رضا فاؤنڈیشن لاہور (مؤسس علامہ مفتی عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمہ) مرکز اہلسنّت برکاتِ رضا، پور بندر (گجرات) ہند (سرپرست اعلیٰ حضرت علامہ مولانا عبد الستار ہمدانی مصروفؔ) اور قاہرہ مصر میں ڈاکٹر حازم المحفوظ، پاکستانی، ہندوستانی طلباءِ جامعہ ازہر کی جماعت (مشمولہ مولانا ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، مولانا نعمان اعظمی، مولانا جلال رضا، مولانا منظر اسلام، مولانا تاج محمد وغیرھم) اور علامہ عبد الحکیم شرف قادری مدظلہ العالی (لاہور) کی خدمات قابلِ ستائش ہیں۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر گذشتہ سال سے ہم نے معارف رضا کے سالنامہ ایڈیشن کو اردو، عربی، اور انگریزی کے تین علیحدہ علیحدہ حصوں میں شائع کرنے کی ابتداء کی ہے۔ امسال انگریزی معارف رضا کے ساتھ بنگالی کیلئے بھی چند صفحات مختص کیئے ہیں۔

آئندہ سال یعنی سن ۲۰۰۵ء ہماری سلور جبلی کا سال ہے، ادارہ کی تاسیس کو الحمد للہ ۲۵ رسال پورے ہوجائیں گے۔ لہٰذا امام احمد رضا کانفرنس ۲۰۰۵ء ان شاء اللہ ہماری سلور جبلی کانفرنس ہوگی جس میں پوری دنیا سے امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے حوالے سے پی. ایچ. ڈی کرنے والے اسکالرز کے علاوہ وہ علماء اور اہلِ قلم حضرات بھی مدعو ہوں گے جنہوں نے اعلیٰ حضرت کی شخصیت اور ان کے علمی وفنی کارناموں کے حوالے سے کوئی معیاری تحقیقی اور تصنیفی کارنامہ انجام دیا ہو۔

ان شاء اللہ تعالیٰ اس موقع پر پانچ زبانوں، اردو، عربی، انگریزی، فارسی اور بنگالی میں معارف رضا کا سالنامہ شائع کرنے کا پروگرام ہے۔ آپ دعا فرمائیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ہمت اور وسائل عطا فرمائے۔ (آمین) بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

قارئین گرامی! ہم نے کوشش کی ہے کہ اس شمارہ کو خوب سے خوب تر بنائیں، ہم اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں اس کا فیصلہ آپ فرمائیں گے۔ ہماری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے اور اس بار بھی ہم نے اس کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ میں بڑی کاوش کی ہے کہ عبارت، جملہ یا لفظ میں کوئی فاحش غلطی نہ رہ جائے لیکن پھر بھی ہم انسان ہیں، نادانستہ طور پر کسی غلطی کا رہ جانا ممکنات میں سے ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارے فاضل قارئین کرام مخلصانہ جذبے سے ایسی کسی بھی فروگذاشت کی نشاندھی فرمائیں گے، تاکہ اس کی اصلاح ہوسکے۔

ہم اپنے سرپرست اعلیٰ اور محسن، ماہر رضویات حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ العالی کے بہت ممنون ہیں کہ ان کی سرپرستی اور رہنمائی کے بغیر ہمارے لئے ''معارف رضا'' اور دیگر کتب کی اشاعت روزِ اوّل سے ممکن نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے۔ آمین، بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم)۔

ادارہ ان تمام حضرات گرامی کا بھی جنہوں نے اخلاص فی اللہ کی بنیاد پر ہمارے ساتھ مالی تعاون فرماکر، معارف رضا اور دیگر تصانیف کی اشاعت کو ممکن بنایا، بیحد شکر گزار ہے۔ ہم ادارے کے دفتری عملہ کے اراکین جناب شیخ ذیشان احمد قادری صاحب، کمپوزر، جناب فرحان الدین صاحب آفس اسسٹنٹ، جناب سید خالد سراج قادری صاحب اکاؤنٹ وسرکولیشن منیجر، جناب مولانا محمد جمیل قادری صاحب معاون اور ادارے کے بعض دیگر محبین مثلاً حضرت علامہ مولانا ذاکر اللہ نقشبندی، حضرت مولانا ندیم اختر القادری، جناب محمد قاسم صاحب، مکتبہ غوثیہ، کراچی، جنہوں نے اپنے کاروبار زندگی کی مشغولیات سے وقت نکال کر فی سبیل اللہ معارف اور دیگر کتب کی پروف ریڈنگ اور کمپوزنگ میں ہماری معاونت فرمائی، کے بھی دل کی گہرائیوں سے سپاس گزار ہیں فجزاھم اللہ احسن الجزافی الدارین (آمین) وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا مولانا محمد والہٖ وصحبہ وذریتہ وازواجہ واھلبیتہ وعلماء ملتہ اجمعین وبارک وسلم

آخری گزارش یہ ہے کہ ہم نے گذشتہ ۲۴ برسوں میں ''رضویات'' کے فروغ اور ابلاغ فکرِ رضا کے سلسلہ میں جو کچھ بھی فتوحات حاصل کی ہیں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اس کے رسول مکرم ﷺ کی نظر کرم، اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ کے فیضانِ نظر، ہمارے سرپرست اعلیٰ کی رہنمائی اور ادارہ ھذا کے مخلص اراکین کے پرخلوص تعاون کی بناء پر ممکن ہوا۔ راقم کا اس میں کوئی ذاتی عمل دخل نہیں ہے، راقم بحضور ربِ جلیل سجدہ ریز ہوکر اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتا ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ادارے کے اراکین اور معاونین کے اخلاص کو اسی طرح ثابت و برقرار رکھے اور اس میں برکت عطا فرمائے اور ہم سب کو تمام آفات وبلیات وامراض سے محفوظ و مامون رکھے اور ہمیں اپنے مخلص بندے، ولیِ کامل اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہٗ السامی کے دامنِ کرم سے وابستہ اور تادمِ واپسیں ''کارِ رضا'' میں مشغول رکھے، آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

اپنے دل کا ہے انہی سے آرام ، سونپے ہیں اپنے انہیں کو سب کام
لو لگی ہے کہ اب اس در کے غلام ، چارۂ دردِ رضا کرتے ہیں

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی وصیت

حضور اکرم ﷺ رب العزت جل جلالہ کے نور ہیں حضور سے صحابہ روشن ہوئے، صحابہ سے تابعین روشن ہوئے، تابعین تبع تابعین روشن ہوئے، ان سے ائمہ مجتہدین روشن ہوئے۔ ان سے ہم روشن ہوئے۔ اب ہم تم سے کہتے ہیں یہ نور ہم سے لے لو، ہمیں اس کی ضرورت ہے کہ تم ہم سے روشن رہو۔ وہ نور یہ ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کی سچی محبت اور ان کی تعظیم اور ان کے دوستوں کی خدمت اور ان کی تکریم اور ان کے دشمنوں سے سچی عداوت جس سے اللہ و رسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ.................. پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو فوراً اس سے جدا ہو جاؤ۔ جس کو بارگاہِ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگِ معظم کیوں نہ ہو اپنے اندر سے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔ میں ہمیشہ تمہیں یہی بتاتا رہا اور اس وقت بھی یہی عرض کرتا ہوں۔

کنزالایمان کی امتیازی خصوصیات

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری*

امام احمد رضا خاں قادری برکاتی محدث بریلوی کی شخصیت عالم اسلام میں ایک عظیم مدبر اور مفکر کی ہے اور آپ بیشک ایک طرف علوم اسلامیہ کے بحر ذخّار ہیں تو دوسری طرف دیگر علوم میں کنز الفنون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک عظیم مفکر کی پہلی پہچان قرآنی علوم پر کامل دسترس ہے کیونکہ یہ اول مآخذ ہوتا ہے۔ امام احمد رضا بھی اس اول مآخذ پر کامل دسترس رکھتے تھے۔ علوم قرآن میں ترجمہ، تفسیر، اصول تفسیر لغت سب ہی شامل ہیں اور امام احمد رضا کی تصانیف و تالیفات ان علوم پر بھی ملتی ہیں۔ یہاں صرف ان کے ترجمۂ القران کے حوالے سے تحریر پیش کی جارہی ہے۔ ان کے ترجمہ کا بغور جائزہ لینے کے بعد دیگر معروف اردو قرآنی تراجم سے تقابل بھی کیا گیا تاکہ اس فن میں امام احمد رضا کی مہارت کا صحیح اندازہ لگایا جاسکے احقر نے امام احمد رضا کے ترجمہ کے چند بہت ہی اہم خصوصیات پر یہاں مقالہ قلمبند کیا ہے

جن خطوط کی روشنی میں اس ترجمۂ قرآن کا جائزہ لیا جائے گا وہ اگر چہ کثرت رکھتے ہیں مگر چند خصوصیات کو مدنظر رکھتے ہوئے محاسن بیان کیے جائیں گے۔ جن خصوصیات کو خاص طور سے مدنظر رکھا گیا ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

(۱)----نام کا انتخاب

(۲)----اسلوب ترجمہ

(۳)----جامعیت و معنویت اور مقصدیت

(۴)----صوتی حسن، سلاست و ترنم

(۵)----ادبی خصوصیت

۱----کنز الایمان:

امام احمد رضا خاں کے ترجمۂ قرآن کی ایک اہم خصوصیت اس ترجمۂ قرآن کا نام ہے جس کا موصوف نے تاریخی نام ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' (۱۳۳۰ھ) رکھا۔ جس طرح خداوند کریم نے کتاب الٰہی کا نام قرآن رکھا جو نہ صرف نام کی مناسبت سے جامع ہے بلکہ قرآن کے اندر موجود تمام جامع رموز کی نشاندھی بھی کرتا ہے یعنی یہ وہ کتاب الٰہی ہے جس کے اندر سب کچھ جمع کر دیا گیا، امام صاحب نے اپنے ترجمہ کا نام ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' رکھا یعنی قرآن کا ایسا ترجمہ جس کو پڑھ کر قاری ''ایمان کا خزانہ'' پالیتا ہے آپ نے قاری کو پہلے ہی ذہن نشین کرادیا کہ حقیقت میں یہ ''الکتاب'' ایسا خزانہ ہے کہ اس سے بڑھ کر دنیا کا کوئی خزانہ ممکن ہی نہیں۔

امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن کا نام ''کنز الایمان'' اس لحاظ سے صد فیصد مناسب ہے کہ قرآن کی ہر ہر آیتِ شریفہ

*(جنرل سکریٹری، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی)

مسلمانوں کے لیے خصوصاً اور عام انسانوں کیلئے عموماً خزانہ ہے۔مثلاً اگر کوئی آیتِ شریفہ امر بالمعروف کا حکم دے رہی ہے تو اس حکم پر عمل اور اس کی پیروی ہی اصل ایمان ہے۔اگر نہیِ عن المنکر کا ذکر ہے تو گناہ سے بچنا ہی مومن کے لیے ایمان کی دلیل ہے۔اگر آیتِ کریمہ عزیز و اقارب کے ساتھ حُسنِ سلوک کا پیغام دے رہی ہے تو اس پر عمل در آمد مسلمانوں کے فرائض میں سے ہے اور اگر آیتِ مبارکہ کفار و مشرکین کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع کر رہی ہے تو ان سے دور رہنے میں ہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مقبول ﷺ کی خوشنودی حاصل ہو سکتی ہے اور اگر قرآن کی آیت مسلمانوں کو مژدہ سنا رہی ہے تو اللہ سے امید رکھنا ایمان کا بنیادی حصّہ ہے۔اس لحاظ سے قرآن کی ہر آیت ایمان کے خزانے کا پتہ دے رہی ہے اس لیے یہ نام ''کنز الایمان'' تمام تراجم قرآن میں انفرادی خصوصیت کا حامل کیونکہ ہر آیت کے حوالے سے ایمانی خزانے کی نشاندہی ہو رہی ہے

۲----اُسلوب ترجمہ:

اردو قرآنی تراجم میں سوائے شاہ محمد رفیع الدین دہلوی کے ترجمۂ قرآن کے بقیہ تمام تراجم قرآن کا بامحاورہ ترجمہ ہیں۔ان تراجم میں مترجمینِ قران نے اپنے ترجمۂ قرآن کو سلیس اور سادہ زبان میں ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے۔کنز الایمان کے قبل کے اکثر مترجمینِ قرآن نے خاص طور سے ترجمۂ قرآن میں عبارت آرائی، انشاء پردازی اور روز مرّہ کی زبان اور گوناگوں محاورات کے استعمال پر قوت زیادہ صرف کی ہے جبکہ ''کنز الایمان'' کے بعد مترجمینِ قرآن نے عموماً مفہومی، توضیحی اور تشریحی اُسلوب پر زیادہ زور دیا ہے جس کے نتیجے میں بعد کے مترجمین خصوصیت کے ساتھ نظمِ قرآن کی اصل روح سے دور ہوتے چلے گئے جبکہ قرآنِ پاک کا اپنا اُسلوب نہ صرف لفظی ہے اور نہ صرف محاوراتی۔اسی طرح نہ یہ اسلوب تقریری ہے نہ تحریری، بلکہ قرآن پاک کا اپنا ایک انفرادی اسلوب ہے جس کو اسلوبِ قرآنی کہا جانا چاہیے۔(۱)

جناب مودودی صاحب تمام مترجمین میں واحد مترجم قرآن ہیں جن کی نظر میں قرآن کا اسلوب صرف تقریری ہے اور وہ قرآن مجید کا طرزِ بیان کو صرف تقریری قرار دیتے ہیں چنانچہ اس سلسلے میں تفہیم القرآن کے دیباچہ میں رقمطراز ہیں:

> ''ایک اور وجہ اور بڑی اہم وجہ لفظی ترجمہ کے غیر مؤثر ہونے کی یہ ہے کہ قرآن کا طرز بیان تحریری نہیں بلکہ تقریری ہے۔اگر اس کے منتقل کرتے وقت تقریری کی زبان کو تحریری کی زبان میں تبدیل نہ کیا جائے اور جوں کا توں اس کا ترجمہ کر ڈالا جائے تو ساری عبارت غیر مربوط ہو کر رہ جاتی ہے''۔(۲)

اہل زبان اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ قرآنی اسلوبِ بیان میں حسنِ کلام، روانی بیان، شکوہ لفظی اور مضامین کا ربط و ضبط ایسی منفرد صفات ہیں جنہیں کوئی ایک اسلوب اپنے اندر سمو نہیں سکتا جب تک کہ اس اسلوب بیان میں سب کو جذب کر لینے کی استعداد نہ ہو اور یہ صرف اسلوبِ الٰہی میں ہی ممکن ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں ہو سکتا۔کوئی بھی ترجمہ اس اسلوبِ قرآنی کے قریب تر ضرور ہو سکتا ہے مگر اس حقیقی روح کا ترجمہ نہیں ہو سکتا۔یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم کا حقیقی مفہوم نہ تو صرف لفظی ترجمہ ادا کر سکتا ہے اور نہ ہی صرف بامحاورہ بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ جہاں لفظی ترجمہ کی ضرورت ہے وہاں لفظی ترجمہ کیا جائے اور بامحاورہ کی جگہ محاوراتی ترجمہ کیا جائے

اور اس کے ساتھ ساتھ الفاظ کا انتخاب اس طرح کیا جائے کہ ترجمہ نہ صرف تحریری معلوم ہو اور نہ صرف تقریری بلکہ الفاظ کا چناؤ آیت کی مناسبت سے ہو۔

امام احمد رضا خاں قادری محدث بریلوی کا ترجمۂ قران خاصی حد تک قرآنی اسلوب کے قریب تر ہے کیونکہ آپ کا ترجمۂ قرآن نہ تو صرف بامحاورہ ہے اور نہ صرف لفظی بلکہ آپ نے ترجمہ قرآن میں یہ التزام واہتمام کیا ہے کہ حتیٰ الامکان لفظ کے نیچے لفظ ہی کا ترجمہ لائیں مگر الفاظ کا چناؤ موقعہ اور محل کی مناسبت سے اتنا عمدہ کیا ہے کہ عبارت میں تسلسل بھی قائم رہتا ہے اور ترجمہ لفظی ہونے کے باوجود بامحاورہ معلوم ہوتا ہے، مثلاً

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْ لَا تَقُوْلُوْ رَاعِنَا وَقُوْلُوْ انْظُرْنَا وَسْمَعُوْا ط (البقرة: ۱۰۴)

''اے ایمان والو راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو۔(۳)

جبکہ دیگر معروف اردو قرآنی مترجمین نے ترجمہ کو بامحاورہ بنانے کی کوشش میں اسلوبِ قرآن کی روشنی کو مدہم کر دیا، مثلاً چند دوسرے تراجم ملاحظہ ہوں:

(۱) مسلمانو! (پیغمبروں کے ساتھ) راعنا کہہ کر خطاب نہ کیا کرو بلکہ انظرنا کہا کرو اور (دھیان لگا کر) سنتے رہا کرو۔(۴)

(۲) اے ایمان والو! تم نہ کہو راعنا اور کہو انظرنا اور سنتے رہو۔(۵)

اب امام احمد رضا بریلوی کا ترجمہ دیکھیں کہ لفظ کے نیچے لفظی ترجمے کا اہتمام بھی ہے اور ہر لفظ کے معنی ایسے منتخب کیے ہیں کہ ترجمہ میں روانی بھی برقرار رہی اور کسی لفظ کے معنی بھی قاری کی نظر سے اوجھل نہ رہے جبکہ دیگر تراجم کو پڑھنے کے بعد قاری ''انظرنا'' کے معنی سے نہ صرف بے خبر رہتا ہے بلکہ عبارت میں تسلسل بھی قائم نہیں رہتا اسی طرح ''والسمعوا'' کی معنویت سے بھی بے خبر رہتا ہے کیونکہ مترجمین نے ''واسمعوا'' کا ترجمہ، سنتے رہو، اور خوب سنتے رہو جبکہ امام احمد رضا بریلوی اس معنوی ماحول کی پوری عکاسی کرتے ہوئے ترجمہ کرتے ہیں کہ ''پہلے ہی سے بغور سنو''۔ امام احمد رضا بریلوی ہر ہر لفظ پر گہری نظر رکھتے ہیں اسی لیے قاری کو ہر طرح تفسیری مواد چند لفظوں میں پہچانے کے ساتھ ساتھ ترجمہ میں قرآنی اسلوب سے قریب تر بھی رہتے ہیں۔

قرآن پاک کے آزاد اور لفظی تراجم کے علاوہ مترجمین قرآن نے قرآنی اسلوب اپنانے کی کوشش تو ضرور کی ہے مگر امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن، لفظی تراجم کے نقائص سے بھی پاک ہے اور بامحاورہ ترجمہ کی کمزوریوں سے بھی مبرا ہے۔ آپ کے ترجمے کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ لفظی ترجمے کے محاسن کے حوالے سے قرآن کے ہر ہر لفظ کا مفہوم و معنی اس طرح واضح کر دیا ہے کہ اسے پڑھ لینے کے بعد کسی لغت کی طرف رجوع کرنے کی حاجت نہیں رہتی۔ بامحاورہ ترجمے کے محاسن کو بھی اس خوبی و کمال کے ساتھ اپنے اندر سمو لیا ہے کہ عبارت میں کسی قسم کا بوجھ یا ثقل محسوس نہیں ہوتا اسی طرح امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن کے مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ انہوں نے قرآن کے ترجمے کے انداز کو کسی نئے اسلوب میں نہیں ڈھالا بلکہ اسلوبِ قرآن کو قائم رکھتے ہوئے اس کا اس طرح ترجمہ کیا کہ یہ اسلوب نہ تو تقریری رہے اور نہ تحریری۔ اب ایک مثال پیش کی جاتی ہے جس کی مدد سے مذکورہ بالا توجیحات کی تصدیق ہو سکے:

اللہ تعالیٰ کلام الٰہی میں ارشاد فرماتا ہے:

وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ o (یوسف:۴)

''اور تجھے باتوں کا انجام نکالنا سکھائے گا''(۶)

دیگر مترجمین کا ترجمہ ملاحظہ ہوں:

(۱) اور تجھ کو (خواب کی) باتوں کی تعبیر سکھائے گا۔(۷)

(۲) اور سکھادے گا کل بٹھانی باتوں کی۔(۸)

(۳) اور سکھادے گا تجھ کو تعبیر بتانی باتوں کی(۹)

(۴) اور سکھادے گا تجھ کو ٹھکانے پر لگانا باتوں کا۔(۱۰)

ان تراجم کے علاوہ دیگر اردو قرآنی تراجم میں لفظ ''تاویل'' اور ''احادیث'' کے معنی واضح نہیں ہیں جبکہ امام بریلوی کے ترجمۂ قرآن میں دونوں معنی واضح ہیں۔ اسی طرح اسلوب پر نظر ڈالیں تو امام صاحب کی تحریر میں وہی تسلسل قائم رہتا ہے جس طرح متن میں پڑھنے والے کا ربط نہیں ٹوٹتا جب کہ بقیہ تراجم میں کہیں الفاظ ثقیل ہیں اور کہیں اضافی الفاظ سے عبارت میں جھول پیدا ہوگیا۔

۳---جامعیت، معنویت اور مقصدیّت:

امام احمد رضا بریلوی کے ترجمۂ قران کا ایک اور امتیازی پہلو دیگر معروف اردو قرآنی مترجمین کے مقابلے میں یہ ہے کہ جو جامعیت، معنویت اور مقصدیت قرآن کے کلمات میں پوشیدہ ہے اس کی مکمل جھلک امام موصوف کے ترجمہ میں نمایاں ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے کہ مترجم کے ذہن میں وہ تمام تفاسیر، لغوی معنی، اس سے متعلق احادیث مبارکہ اور اقوالِ صحابہ موجود ہوں اور ساتھ ہی ساتھ قوت حافظہ بھی اتنا قوی ہو کہ وہ کمپیوٹر کی طرح کام کرے، جس طرح کمپیوٹر کا بٹن دبا کر مطلوبہ معلومات (Informations) یکجا طور پر ایک ہی نظر میں اسکرین پر دیکھی جاسکتی ہے اسی طرح مترجم کا ذہن بھی اتنا قوی اور فعال ہو کہ فوراً ان تمام کلمات کے مقامات کو یکجا کر کے اور ان کی جامعیت، معنویت اور قصدیّت کے پیش نظر ایسے الفاظ کا انتخاب کرے کہ ترجمہ میں کسی قسم کی تشنگی باقی نہ رہے اور نہ عبارت میں کوئی جھول۔ حقیقت میں اگر بلا امتیاز امام احمد رضا کے ترجمہ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو محسوس ہوگا کہ یہ ترجمہ مستند تفاسیر اور مستند کتبِ لغت کی عکاسی کرتا ہے۔ اگر چہ یہ تینوں پہلو ایک دوسرے سے بہت قریب ہیں مگر تینوں میں جو فرق ہے اسی فرق کے پیش نظر چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

ترجمہ میں جامعیت:

جامعیت قرآن کو امام بریلوی نے جس خوبی کے ساتھ ترجمہ میں ڈھالا اس کے لیے مندرجہ ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہوں:

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْاط لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (الرحمٰن:۳۳)

''اے جن وانس کے گروہ اگر تم سے ہوسکے آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ تو نکل جاؤ، جہاں نکل کر جاؤ گے اسی کی سلطنت ہے''

قرآن پاک کی یہ آیت شریفہ سائنس وحکمت کے بہت ہی اہم نکتہ کی طرف نشاندہی کر رہی ہے۔ اس آیت میں کلمۂ ''سلطٰن'' کے ترجمے میں اکثر حضرات کے یہاں ابہام پایا جاتا ہے اور لفظ ''سلطٰن'' کی جامعیت کو کوئی بھی مترجم ترجمہ میں پیش نہ کرسکا البتہ تفاسیر میں کسی حد تک اس کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مگر احمد رضا خاں نے ''سلطٰن'' کا ترجمہ سلطنت کر کے عظمتِ خداوندی کو عوام کی نظر

میں اجاگر کیا ہے۔ اس ترجمہ سے یہ احساس و یقین قوی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت پوری کائنات میں ہے گویا احمد رضا یہاں لفظ سلطنت کی مدد سے حکومت الٰہیہ اور اقتدار اعلیٰ کا تصور قاری کے ذہن میں بٹھانا چاہتے ہیں جب کہ دیگر تراجم میں اس قسم کا قطعی تاثر نہیں ملتا۔

امام احمد رضا ترجمہ میں اس بات کا خاص اہتمام کرتے ہیں کہ جس آیت سے جس علم پر روشنی پڑتی ہے اس آیت کا ترجمہ ٹھیک اسی علم کی مصطلحات میں کیا جائے جیسا کہ انہوں نے اس آیت میں بھی کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی وہ واحد مترجم قرآن ہیں جن کے علوم عقلیہ یعنی موجودہ اور قدیم سائنس وحکمت پر بھی سو سے زیادہ رسائل موجود ہیں اور سائنس وحکمت کا کوئی بنیادی شعبہ ایسا نہیں جس پر امام صاحب کی دو چار قلمی یادگاریں نہ ہوں (۱۲) یہاں سائنس وحکمت کے حوالے سے چند امثال پیش کرنا چاہوں گا تا کہ امام موصوف کی ان علوم پر دسترس کا اندازہ لگایا جاسکے۔ مثلاً سورۃ النباء کی ۲۰ رویں آیت ملاحظہ ہو:

وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ٥ (النباء:۲۰)

"اور پہاڑ چلائے جائیں گے کہ ہوجائیں گے جیسے چمکتا ریتا اور پانی کا دھوکا دیتا"۔ (۱۳)

دیگر مترجمین کا ترجمہ بھی ملاحظہ ہوں:

(۱) اور چلائے جاویں گے پہاڑ پس ہوجاویں گے مانند ریت کی (۱۴) (شاہ رفیع الدین دہلوی)

(۲) اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) ہٹادیے جائیں گے سو وہ ریت کی طرح ہوجاویں گے۔ (۵) (مولوی اشرف علی تھانوی)

(۳) اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) چلائے جائیں گے اور وہ غبار ہوکر رہ جائیں گے۔ (۱۴) (ڈپٹی نذیر احمد دہلوی)

(۴) اور پہاڑ چلائے جائیں گے یہاں تک کہ وہ سراب ہوجائیں گے۔ (۱۷) (ابوالاعلیٰ مودودی)

اس آیت کا ترجمہ جو امام احمد رضا نے کیا ہے اس کو پڑھ کر جہاں ایک دینی عالم متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا وہیں علوم عقلیہ کا ماہر خاص کر علوم ارضیات اور طبیعات کا ماہر بھی امام صاحب کے اس ترجمہ قرآن سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، خاص کر لفظ "سرابا" کا ترجمہ جبکہ اکثر مفسرین نے انہیں معنوں میں تفسیر فرمائیں ہے۔ مثلاً:

تفسیر خازن میں ہے (فکانت سرابا)

"ای هباء منبثا کا لسراب فی عين الناظر" (۱۸)

"ریت کے ذرات جو دور سے دیکھنے میں (پانی کی طرح) چمکتے ہیں انہیں سراب کہا جاتا ہے"

مدارک میں ہے:-

ای هباء تخیل الشمس انه ماء (۱۹)

"ریت کے ذرات جو سورج کی روشنی میں پانی کی طرح چمکتے معلوم ہوں"

تفسیر فتح القدیر میں ہے:

فكانت هباء منبثا يظن الناظر أنها سراب والمعنى كما ان السراب يظن الناظر انه وليس بماء (۲۰)

"ریت کے ذرات کی چمک کا دیکھنے میں پانی کا گمان ہوتا ہے اور سراب درحقیقت دیکھنے میں پانی کا گمان دیتا ہے مگر حقیقت میں وہاں پانی نہیں ہوتا"

تفاسیر اور لغت کی معنویت سے جو بات سامنے آئی وہ یہ

ہے کہ سراباً ایک قسم کا دھوکہ ہے کہ جب ریگستان میں یا کسی سخت سطح پر سورج کی شعاعیں پڑتی ہیں تو دور سے پانی کی موجودگی کا دھوکہ ہوتا ہے دیگر مترجمین نے اس کا ترجمہ صرف ریت کیا ہے جس سے ''سراباً'' کی جامعیت اجاگر نہیں ہوتی ۔ جبکہ امام احمد رضا نے ''سراباً'' کی جامعیت کے پیش نظر صحیح مفہوم اخذ کر کے ترجمہ کیا ہے۔

امام احمد رضا خان نے دراصل قرآن پاک کی سورۃ القارعہ میں قیامت میں پہاڑوں کی حالت کو پیش نظر رکھ کر ترجمہ کیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ o (القارعہ:۵)

''اور پہاڑ ہوں گے جیسے دھنکی اون'' (۲۱)

اسی طرح سورۃ المرسلٰت کی آیت کے پیش نظر کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ o (المرسلٰت:۱۰)

''اور جب پہاڑ غبار کر کے اڑا دیئے جائیں'' (۲۲)

امام احمد رضا نے ''سراباً'' کا وہ مفہوم بیان کیا ہے کہ جیسا اس وقت نظر آئے گا کیونکہ قیامت سے قبل جو زلزلوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوگا جس کی وجہ سے پہاڑ جو اپنی جگہ سے چلنا (سرکنا) شروع ہوں گے ۔ ٹوٹ ٹوٹ کر گر جائیں گے اور زمین کی اپنی تھرتھراہٹ کی وجہ سے بڑے بڑے گڑھے پڑ جائیں گ ے جس میں سے زمین اپنے اندر کا لاوا (LAVA) اگلے گی ، یعنی (VOLCANIC ERUPTION) ہوگا اور جب یہ لاوا (LAVA) ٹھنڈا ہو جائے گا تو یہ دور سے چمکتی ریت کی طرح پانی کا دھوکا دے گا کہ لوگ پانی کی طرف دوڑیں گے مگر پانی ان کو نہ مل سکے گا کیونکہ اسی وقت زمین سخت تانبے کی ہوگی (۲۳) ۔ اور تانبے پر سورج کی شعائیں پڑیں تو دوسرے دیکھنے والوں کو اس کی سطح پر پانی کا گمان ہوگا۔ اس سارے منظر کے پیش نظر امام احمد رضا بریلوی نے لفظ ''سراباً'' کی مکمل جامعیت کو اپنے ترجمہ میں سمو دیا ہے ۔ انہوں نے ترجمہ کرتے ہوئے تمام علوم کا لحاظ رکھا ہے۔

امام احمد رضا صرف دینی علوم کی ہی نہیں سائنسی علوم کے بھی اپنے وقت کے امام ہیں یہاں صرف ایک مثال علمِ ارضیات کے حوالے سے بھی دینا چاہوں گا ۔ کیونکہ علم ارضیات راقم کا شعبہ تعلیم و تدریس ہے اور ترجمہ کے وقت کئی آیات ایسی نظر کے سامنے آئیں کہ جن کے تراجم میں اگر علم ارضیات کی اصطلاحات میں ترجمہ نہ کیا جاتا تو راقم امام موصوف کے سائنسی شعور سے کبھی آگاہ نہ ہوتا اس لیے دو مثالیں ملاحظہ کیجیے جس کو دیگر مترجم اپنے تراجم میں علم ارضیات کی صحیح عکاسی نہ کر سکے ۔ قرآن پاک کے سورہ النزٰعٰت کی ۳۰ویں آیت میں اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا o (النزعت:۳۰)

''اور اس کے بعد زمین پھیلائی'' (۲۴)

دیگر تراجم قرآن کا جب مطالعہ کیا تو اکثر مترجمین نے ''دحٰها'' کے معنی پھیلنے کے بجائے ''جماؤ'' کیے ہیں جبکہ پھیلنا اور جمانا دو مختلف مفہوم رکھتے ہیں ۔ جمانے سے جو مفہوم ذہن آتا ہے وہ یہ کہ کوئی چیز تہہ بہ تہہ ایک کے اوپر ایک جم رہی ہو جس طرح سمندر کے اندر مٹی تہہ بہ تہہ جمتی ہے اور اس طرح آبی چٹانیں (Sedimentary Rocks) بنتی ہیں اور یہ عمل دراصل پہاڑوں کے بننے یا جمائے جانے کا تصور پیش کرتا ہے ۔ اس کے مقابلے میں لفظ پھیلنے سے جو مفہوم ایک علمِ ارضیات کے طالب علم کے ذہن میں آتا ہے وہ یہ کہ کسی چیز کے پھیلنے سے اس کا حجم (یہاں

رقبہ مراد ہے) بڑھے۔ علم ارضیات کے ماہرین کا کہنا ہے کہ زمین جب سے وجود میں آئی ہے برابر پھیل رہی ہے (۲۵)۔ یہ عمل اسی طرح جاری ہے کہ دنیا کے تمام بڑے بڑے سمندروں (OCEANS) یعنی بحیرہ ہند، بحیرہ اوقیانوس وغیرہ میں بیچ بیچ میں ۵ تا ۶ میل گہرے پانی کے نیچے سمندری خندقیں، جن کو Oceanic Trenches بھی کہا جاتا ہے، موجود ہیں۔ یہ خندقیں ہزاروں میل لمبی ہیں۔ خندقوں سے ہر وقت گرم گرم پگھلا ہوا لاوا (Lava) نکل رہا ہے۔ جب یہ لاوا خندق کے دونوں سروں پر آتا ہے تو جلد ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ جب نیا لاوا پھر نکلتا ہے تو وہ پہلے سے جمع شدہ لاوے کی تہہ کو دونوں جانب سرکاتا ہے۔ خندق کے کنارے پر جو یہ عمل ہوتا ہے تو اس سرکنے سے پورا خشک براعظم بھی سرکتا ہے اور سمندر پیچھے کی جانب چلا جاتا ہے یعنی زمین کی سطح بلند ہو جاتی ہے۔ یہ عمل اگرچہ بہت خاموشی کے ساتھ اور بہت آہستہ ہوتا ہے مگر برابر جاری رہتا ہے۔ (۲۶)

براعظم اسی عمل کی وجہ سے برابر پھیل رہے ہیں۔ اس پھیلاؤ کی رفتار مختلف براعظموں کی مختلف ہے۔ کوئی براعظم ہر سال ۳ر سینٹی میٹر سمندر سے اونچا ہو جاتا ہے کوئی ۴ر سینٹر میٹر، براعظم ایشیا کا برصغیر پاک و ہند کا حصہ Mount Everest ہر سال ۳ر اعشاریہ ۵ر سینٹی میٹر اوپر اٹھ جاتا ہے اس کو آسانی سے سمجھنے کے لیے بحیرہ ہند کا مطالعہ کریں، یہ ہر سال پیچھے ہٹ جاتا ہے اس طرح سمندری کناروں کا حجم ہر سال بڑھ جاتا ہے۔ اس قدرتی عمل سے زمین برابر پھیل رہی ہے اللہ تعالیٰ نے اس عمل کی نشاندہی سورہ النّٰزعٰت کی آیت میں فرمائی اور سوائے امام احمد رضا کی قوتِ بصیرت کے اس عمل کو سمندر کی ۶ ر میل تہہ کے نیچے کوئی اور نہ دیکھ سکا۔ امام موصوف نے باطنی علوم کی روشنی میں دیکھ لیا اس لیے انہوں نے اس قدرت کے عمل کو ترجمے میں ارضیاتی اصطلاح کو استعمال کرتے ہوئے اپنی علمی وسعتوں کا اظہار کیا اور ترجمہ کیا ''اس کے بعد زمین پھیلائی'' زمین کے پھیلنے کے اس عمل کو صرف امام احمد رضا جیسا سائنسدان ہی دیکھ سکا کیونکہ ظاہری لفظوں کے ساتھ ساتھ وہ قرآن کا باطن بھی اللہ کی دی ہوئی فہم سے سمجھتے ہیں جبکہ اردو زبان کے تمام مترجمین قرآن آیت کا ترجمہ علم ارضیات کی روشنی میں نہ کر سکے جس علم کے متعلق آیت اشارہ کر رہی ہے۔

راقم الحروف علم ارضیات کا طالب علم ہے اور گزشتہ ۲۰ر سال سے جامعہ کراچی کے شعبہ ارضیات میں علومِ ارضیات کی تدریس میں مصروفِ عمل ہے اس لیے میری نظر جب قرآن پر پڑتی ہے تو میں آیاتِ قرآنی میں وہ قانون تلاش کرتا ہوں جو زمین کی پیدائش اور اسی کے ارتقاء سے تعلق رکھتے ہیں۔ مطالعہ سے یہ بات سامنے آئی کہ کسی بھی ترجمۂ قرآن میں مجھے علوم ارضیات سے متعلق خصوصاً اور دگر سائنسی علوم سے متعلق عموماً ایسی اصطلاحات نہیں ملتیں جو ان علوم وفنون کی نشاندہی کریں، مثلاً:

''علم ارضیات میں یہ قانون عام ہے کہ زمین جب پیدا ہوئی تو یہ آگ کا گولہ تھی اس کے بعد یہ ٹھنڈا ہونا شروع ہوئی۔ ٹھنڈا ہونے کے دوران یہ برابر ہچکولے کھاتی رہی یعنی اس میں تھرتھراہٹ تھی اور زمین کو قرار نہ تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ زمین کے اوپر پہاڑ بننا شروع ہوئے، زمین اگرچہ اوپر سے ٹھنڈی ہوگئی مگر اس کے اندر (نیچے) گرم پگھلا ہوا مادہ مائع کی شکل میں موجود رہا، پہاڑ (آبی یا آتشی) سمندر کے نیچے بھی موجود ہیں اور سمندر کے باہر زمین کے اوپر بھی موجود ہیں اور یہ سب پہاڑ اسی گرم لاوا کے اوپر اسی طرح لنگر انداز ہیں جس طرح سمندری جہاز سمندر میں لنگر انداز ہوتا ہے۔ اس سمندر جہاز کو

اس کے لنگر (Anchor) روکے رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمین کی جنبش یا تھرتھراہٹ کو پہاڑوں کے لنگر ڈال کر روک رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ زمین ہم کو ساکن محسوس ہوتی ہے۔ جب کبھی اس توازن میں فرق آتا ہے تو ان مقامات پر زلزلے آجاتے اور بعض اوقات بڑی بڑی دراڑوں (Deep Faults) کے ذریعے وہ پگھلا ہوا لاوا بھی اوپر آجاتا ہے کیونکہ ان سخت پہاڑوں کے نیچے ہر جگہ یہ لاوا موجود ہے کہیں اس کی گہرائی ہزاروں فٹ میں ہے اور کہیں اس کی گہرائی کئی سو میل نیچے ہے۔ زلزلہ کے وقت جو تھرتھراہٹ یا جنبش ہوتی ہے زمین اپنی پیدائش کے وقت اس طرح کانپتی رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ بنا کر اس پر لنگر انداز کیے اور اس طرح اس زمین کو سکون حاصل ہوا۔ اس سارے عمل کو علمِ ارضیات میں (Plate- Tectionics) کہتے ہیں۔ (۲۷)

ان امثال کے بعد یہ بات قطعی واضح ہوتی ہے کہ امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن دیگر تمام تراجم سے زیادہ بہتر ہے اور یہ عین سائنٹیفک توجیہات کے مطابق بھی ہے یہاں موقع نہیں ورنہ دیگر سائنسی علوم وفنون سے متعلق بھی آیات کا تقابل پیش کرتا۔ شواہد اور دلائل اس بات کے مظہر ہیں کہ امام احمد رضا مسلمان سائنسدانوں میں ان چند ہستیوں میں شامل ہیں جن کو دین کے ساتھ ساتھ سائنسی علوم کا مجدد تسلیم کیا جاسکتا ہے کیونکہ امام احمد رضا کی کوئی بھی تھیوری قرآن و حدیث کے خلاف نہیں ہوتی۔ دنیا آج زمین کو سورج کے گرد گھومتا ہوا تسلیم کرتی ہے مگر آپ نے اپنی کتاب ''فوزِ مبین دررد حرکت زمین'' میں ۱۰۵ دلائل سے زمین کو ساکن قرار دیا کیونکہ قرآن کی نص سے یہ بات ثابت ہے کہ زمین وآسمان ساکن ہیں اور باقی سارے سیارے گھوم رہے ہیں۔

تاریخ میں ہزاروں مسلمان سائنسدان علومِ عقلیہ کے امام تسلیم کیے گئے ہیں مگر ان میں علوم نقلیہ کی استعداد رکھنے والے بہت کم ہیں۔ اگرچہ ہر کوئی قرآن وحدیث سے استفادہ ضرور کرتا ہے کیونکہ اوّل ماخذ یہی ہے لیکن دونوں علوم میں دسترس رکھنے والے امام غزالی جیسی ہستیاں کم ہیں۔ امام احمد رضا کو دینِ اسلام کا چودھویں صدی ہجری کا مجدد تسلیم کیا گیا ہے مگر آپ علومِ عقلیہ کے بھی اکثر علوم و فنون کے مجدد نظر آتے ہیں۔ راقم اس دعوے پر غلطی پر نہیں کہ امام احمد رضا مجدد دین وملّت اور مجدد علومِ جدیدہ ہیں۔ حکیم محمد سعید صاحب نے صحیح تجزیہ فرمایا، آپ لکھتے ہیں:

''گزشتہ نصف صدی میں طبقۂ علماء میں جو جامع شخصیات ظہور میں آئی ہیں ان میں مولانا احمد رضا کا مقام بہت ممتاز ہے، ان کی علمی، دینی اور ملی خدمات کا دائرہ وسیع ہے۔ تفقہ اور دینی علوم کے ساتھ ساتھ فاضل بریلوی کی مہارتِ سائنس اور طب کے علوم میں بھی بہت زیادہ ہے انکی بصیرت علماء سلف کے اس ذہن وفکر کی نمائندگی کرتی ہے جس میں دینی یا دنیاوی علوم کی تفریق نہ تھی، ان کی شخصیت کا یہ پہلو عصرِ حاضر کے علماء اور دانش گاہوں کے معلمین دونوں کو دعوت فکر ومطالعہ دیتا ہے''۔ (۲۸)

حکیم صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں:

''فاضل بریلوی کے فتاویٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ احکام کی گہرائیوں تک پہنچنے کیلئے سائنس اور طب کے تمام وسائل سے کام لیتے ہیں اور اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ کسی لفظ کی معنویت کی تحقیق کے لئے کن علمی مصادر کی طرف رجوع کرنا چاہیے''۔ (۲۹)

ترجمہ میں معنویت کا پہلو:

قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کے سب ہی معترف ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کلام الٰہی کے الفاظ اپنی جگہ اتنے جامع ہوتے ہیں اور الفاظ اپنے اندر اتنے معانی سموئے ہوتے ہیں کہ انسان اگر احادیث و تفاسیر کا سہارا نہ لے تو اس کے جو معنی چاہے وہ اخذ کر کے مطالب نکال سکتا ہے جب ہی قرآن نے ارشاد فرمایا:

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ط (البقرہ:۲۶)

قرآن کی معنویت اور مقصدیت کو سمجھنا ہر کسی فرد یا عربی زبان کو معمولی قابلیت رکھنے والوں کا کام نہیں بلکہ قرآن پاک کی فہم و ادراک کے لئے اگر علم لدنی حاصل نہ ہو تو کم از کم علامہ جلال الدین السیوطی کی شرائط پر اترنا مترجم اور مفسر دونوں کیلئے اشد ضروری ہے۔ علامہ سیوطی کی شرائطِ تفسیر و ترجمہ کی روشنی میں اکثر اردو مترجمیں قرآن ان پابندیوں سے دور نظر آتے ہیں، جو شرائط پر پورے بھی اُترتے ہیں تو ان میں امام احمد رضا بریلوی سرفہرست ہیں۔ امام بریلوی نے علوم عقلیہ و نقلیہ کی ہر نوع پر کتب و رسائل لکھ کر یہ ثابت کر دیا کہ ان کے معاصرین میں نہ کوئی عالم ہی ان جیسا تھا اور نہ کوئی مسلمان سائنسدان، بلکہ وہ انگریز سائنسدانوں سے بھی بہت آگے تھے، افسوس کہ ان کے یہ علمی کارنامے زیورِ طباعت سے آراستہ نہ ہو سکے۔ یہاں قرآن کے معنوی پہلو سمجھنے کیلئے امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن سے سورۃ رحمٰن کی ابتدائی آیات کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے، یہ ترجمہ تفاسیر کی مکمل عکاسی بھی کرتا ہے، ملاحظہ کیجئے:

اَلرَّحْمٰنُ ، عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ ،عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۴ (سورۃ الرحمٰن)

''رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔ انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا۔ ماکان وما یکون کا بیان نہیں سکھایا۔ (۳۰)

دیگر معروف مترجمین کا ترجمہ بھی ملاحظہ کیجیے:

(۱) رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی۔ اس نے انسان کو پیدا کیا، پھر اسی کو گویائی سکھائی۔ (۳۱)

(۲) رحمٰن نے قرآن پڑھایا، اس نے انسان کو پیدا کیا۔ پھر اس کو بولنا سکھایا۔ (۳۲)

(۳) بڑے رحم والے خدا نے قرآن ''محمد'' کو سکھایا۔ اسی نے آدم کو پیدا کیا، اس کو بولنا سکھایا۔ (۳۳)

(۴) نہایت مہربان خدا نے۔ اس قرآن کی تعلیم دی۔ اس نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔ (۳۴)

امام احمد رضا بریلوی نے سورۃ الرحمٰن کی ابتدائی آیات کے ترجمے میں جس مہارت کا ثبوت دیا ہے اسے لغت و تفاسیر کی روشنی میں دیکھنا ضروری ہے۔ تب ہی اس فیصلے پر پہنچنے میں آسانی ہوگی کہ کہاں تک یہ ترجمہ جو بالکل انفرادی خصوصیت کا حامل ہے معیاری ہے کیونکہ ایک فریق اس ترجمے کو کھلی تنقید کا نشانہ بناتا ہے جبکہ دوسرا گروہ اس ترجمہ کی تائید میں دلائل فراہم کرتا ہے لہٰذا ایسی صورت میں یہ ضروری ہے کہ ترجمہ کا حقائق کی روشنی میں تجزیہ کیا جائے۔ ان ابتدائی آیات میں ''علّم القرآن'' کے ترجمے میں امام احمد رضا بریلوی کے علاوہ صرف نواب وحید الزماں نے اس مقام پر قرآن سکھانا نبی کریم ﷺ کی ذات کی طرف منسوب کیا ہے مگر فرق پھر بھی یہ ہے کہ نواب وحید الزماں نے نام نامی ''محمد'' ﷺ استعمال کیا ہے جبکہ امام احمد رضا نے ''محبوب'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔

امام احمد رضا نے سورۃ رحمٰن کی تیسری اور چوتھی آیات کا مرادی ترجمہ کیا ہے جو تقریباً تمام مترجمین سے مختلف ہے۔ ایک لمحہ

کے لیے ترجمہ پڑھ کر تعجب یقیناً ہوتا ہے لیکن قاری اس ترجمہ قرآن کو پڑھنے کے بعد محظوظ ضرور ہوتا ہے جبکہ عربی زبان سے کچھ واقفیت رکھنے والا جس کی تفاسیر پر اچھی نظر ہو داد دیئے بغیر نہیں رہتا کیونکہ تفاسیر کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس ترجمہ قرآن میں معتبر تفاسیر کا بھرپور سہارا لیا گیا ہے۔ جیسا کہ ''خلق الانسان'' سے جمہور مفسرین قرآن نے خلقت مصطفےٰ ﷺ ہی مراد لی ہے اور ''علمہ البیان'' سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک ''علم ماکان ومایکون'' ہی لیا گیا ہے۔ مثلاً امام القرطبی اس مرادی معنی کو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے اخذ کرتے ہیں:

''وعن ابن عباس ایضاً و ابن کیسان (خلق الانسان) الانسان ھاھنا مراد بہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' (۳۵)

''ابن عباس اور ابن کیسان ''خلق الانسان'' سے متعلق فرماتے ہیں کہ یہاں ''الانسان'' سے مراد محمد ﷺ ہیں''

.........امام ابن الجوزی (المتوفی ۵۹۸ھ) رقمطراز ہیں:

''خلق الانسان'' انہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (علم البیان) کل شئی ماکان ومایکون قالہ ابن کیسان'' (۳۶)

''خلق الانسان سے مراد یہاں محمد ﷺ ہیں جن کو ماکان ویکون کا کل علم اللہ سے سکھایا یہ فرمان ابن کیسان کا ہے''

.........ملا واعظ حسین کاشفی اپنی فارسی تفسیر میں جمہور مفسرین کی آراء کے مطابق تشریح فرماتے ہیں:

''(خلق الانسان) بیافرید خدا جنس آدمیان را (علمہ البیان) بیان اموخت خدا آموخت محمد صلی اللہ علیہ وسلم را و بیاموزید و یرا بیان آنچہ بود ھست و باشد چنانچہ مضمون فعلمت علم الاولین والاخرین معنی خبر میدھد''۔ (۳۷)

ترجمہ:

''پیدا کی خدا نے انسان کی جنس...... تعلیم کر دیا اس کو بیان یعنی محمد ﷺ کو پیدا کیا اور جو کچھ تھا اور ہے اور ہوگا سب ان کو تعلیم کر دیا چنانچہ فعلمت علم الاولین والآخرین کا مضمون اسی کی خبر دیتا ہے''۔ (۳۸)

.........دورِ حاضر کے مفسرین میں علامہ طنطاوی (المتوفی ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۴۰ء) بھی قریب قریب یہی مرادی معنی لیتے ہیں:

الرحمن علم القرآن ای علم محمد القرآن و محمد علم امتہ (۳۹)

''یعنی اللہ نے محمد ﷺ کو قرآن سکھایا اور محمد ﷺ نے اپنی امت کو قرآن سکھایا''

ترجمے میں مقصدیت کی عکاسی:

امام احمد رضا کا ترجمہ لفظوں کی مقصدیت کے اعتبار سے بھی اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ ترجمہ قرآن میں مقصد کے پہلو سے مراد یہ ہے کہ قرآن کسی مقام پر خاص مضمون یا کسی خاص حقیقت کو عام لفظوں میں جو تاثر قائم کرتا ہے ترجمہ قرآن میں مناسب الفاظ کی منتخب کر کے اس تصور قرآن کو ذہن نشین کرایا جائے اس مقصد کے لیے جو آیا منتخب کی ہے اس میں امام احمد رضا خان نے عام مترجمین قرآن سے ہٹ کر اور قرآن سے قریب تر رہ کر تمام معتبر تفاسیر کو جمہور رائے کے مطابق ترجمہ کیا ہے اس سلسلے میں مندرجہ ذیل آیت ملاحظہ ہوں:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰىٓ اِلَيَّ اَنَّمَآ

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ '' (سورۃ الکھف: ۱۱۰/حم السجدہ ۶)

''تم فرماؤ (ظاہر صورتِ بشری میں تو) میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔(۴۰)

''تم فرماؤ! آدمی ہونے میں تو میں تمہیں جیسا ہوں مجھے وحی ہوتی کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے''۔(۴۱)

ساتھ ہی ساتھ دیگر تراجم قرآن بھی ملاحظہ ہوں:

(۱) تو کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم، حکم آتا ہے مجھ کو کہ تمہارا صاحب ایک صاحب ہے۔(۴۲)

(۲) (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ میں (بھی تو) تم ہی جیسا ایک بشر ہوں۔ (مجھ میں تم میں صرف اتنا فرق ہے) کہ میرے پاس (خدا کی طرف سے) یہ وحی آئی ہے کہ تمہارا معبود (وہی اکیلا) ایک معبود ہے۔(۴۳)

(۳) (اور) آپ (یوں بھی) کہہ دیجئے کہ میں تم ہی جیسا بشر ہوں میرے پاس بس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود برحق ایک ہی معبود ہے۔(۴۴)

اس آیت کے ترجمہ میں مترجمین نے کسی نہ کسی لفظ کا اضافہ کیا ہے اور کچھ نہ کچھ زور دینے کی کوشش کی ہے بلکہ آیت کا سادہ ترجمہ کرنے کے بجائے اس میں زور بیان پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو قرآنی آیات کے لیے مناسب نہیں۔ بہتر یہ ہوتا کہ قرآن کا وہی مفہوم لیا جاتا جو آیت سے حاصل ہو رہا ہے۔ اپنا من پسند مفہوم اخذ کرنے کے لئے کسی لفظ کا غیر ضروری اضافہ یا ترجمہ کرتے وقت زور بیان پیدا کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ قرآنی آیات کی خوبی یہ ہے کہ اگر انہیں اردو میں اسی انداز سے منتقل کیا جائے تب بھی بات سمجھ میں ضرور آ جاتا ہے۔

اسی آیت میں ''قل'' اگرچہ فعل امر ہے لیکن اس سے مراد محض کہنا ہے، اعلان کرنا ایک الگ بات ہے۔ اسی طرح آیت مبارکہ میں لفظ ''بس'' کا اضافہ یا ''بھی'' اور ''واحد صاحب'' قطعی غیر ضروری اور غیر مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ یوں بھی چونکہ قل کے مخاطب کفار و مشرکین مکہ ہیں اور وہ بھی اہل زبان جو نبی کریم ﷺ کو پہلے ہی بشر کہتے ہیں اور سمجھتے تھے اور اس مسئلے میں ان کو کوئی اختلاف بھی نہیں تھا مگر اس کو قرآن پاک نے کئی مقامات پر خود کفار مکہ کی زبان میں دھرایا بھی ہے مثلاً سورۃ فرقان میں اللہ تعالیٰ کفار مکہ کے قول کو دھراتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ط لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا o اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا o (الفرقان: ۷،۸)

''اور بولے (کفار قریش) اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے کیوں نہ اتارا گیا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کہ ان کے ساتھ ڈرسناتا۔ یا غیب سے انہیں کوئی خزانہ مل جاتا یا ان کا کوئی باغ ہوتا جس میں سے کھاتے اور ظالم بولے (مسلمانوں سے) تم تو پیروی نہیں کرتے مگر ایسے مرد کی جس پر جادو ہوا''(۴۵)

اللہ تعالیٰ نے کفار کی ان کہاوتوں کا اپنے محبوب کی تسلّی کی خاطر یہ جواب دیا:

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا o (الفرقان: ۹)

''(اے محبوب) دیکھو کیسی کہاوتیں تمہارے لیے بنا رہے ہیں

تو گمراہ ہوئے کہ اب کوئی راہ نہیں پاتے''۔ (۴۶)

امام بغوی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''قال ابن عباس علم الله رسوله التواضع لئلا يزهو على خلقه، فامره الله يقرأ فيقول أنا آدمی مثلكم إلا انی خصصت بالوحی واكرمنی الله به (۴۷)

یعنی اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ کو اظہار تواضع کیلئے حکم فرمایا چنانچہ آیت کریمہ میں یوں ارشاد کیا گیا کہ پیارے محبوب فرما دیجئے کہ آدمی ہونے میں تمہاری مثل ہوں مگر مجھے وحی جیسی نعمت عظیمہ کے ساتھ مختص کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس وحی کی وجہ سے بزرگ کیا۔ اس کے علاوہ امام بغوی کے اس قول کو جو ابن عباس سے منسوب ہے تفسیر نیشاپوری، تفسیر خازن اور دیگر معروف مفسرین نے بھی نقل کیا ہے تفسیر روح البیان میں علامہ شیخ اسمٰعیل حقی اسی بشریت کی مزید وضاحت فرماتے ہیں:

''(قل انما انا بشر مثلكم) بمعنى قل يا محمد ما انا الا آدمی مثلكم فی الصورة ومساويكم فی بعض الصفات البشرية''(۴۸)

''یعنی اے محمد ﷺ فرما دو میں نہیں ہوں مگر تم جیسا آدمی صورت میں (نہ کہ حقیقت میں) اور بعض صفات بشریہ (نہ کہ کل) کے ظہور میں تم جیسا ہوں''

اس مقام پر ملا واعظ حسین کاشفی شیخ رکن الدین علاء الدولہ سمنانی کے اقوال نقل فرماتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کی تین صورتیں ہیں ایک صورت بشری جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

دوسری مَلَکی جیسا خود رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انی لست كاحدكم انی ابيت عند ربی يطعمنی ويسقينی

تیسری صورت حقی جیسا کہ خود ارشاد فرمایا:

لی مع الله وقت لا يسعنی فيه ملك مقرب ولا نبی مرسل

اور اس سے بھی کھلی یہ حدیث ہے:

من رآنی فقد رای الحق (۴۹)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں واضح طور پر

قل انما انا بشر مثلكم

کو متشابہات میں شمار کیا (۵۰)۔ ان کے نزدیک اس آیت کو متشابہات میں شمار کرنے کی واضح دلیل یہ ہے کہ جمہور مفسرین کے نزدیک مثلکم کا خطاب ان کفار و مشرکین سے ہے جو طرح طرح کی کہاوتیں گھڑتے تھے اور پھر کہتے کہ ہم اپنے جیسے آدمی کو کیسے نبی و رسول مان لیں اس پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کی دلجوئی کی خاطر اور ان کو تواضع کی تعلیم دینے کی خاطر اس آیت کریمہ کو نازل کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ظاہری حیات طیبہ میں کسی صحابہ رسول نے اپنی زبان مبارک سے کفار و مشرکین کی کہاوتوں کے الفاظ کبھی نہیں دہرائے یہاں تک کہ جب ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے ایک صحابی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ ''قال انی لست كهيئتكم '' (۵۱) اس پر کسی بھی صحابی رسول نے یہ نہیں فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ ہمارے ہی جیسے انسان تو ہیں اس سے ظاہر ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نبی کریم ﷺ کو اپنے جیسا

بشر تصور ہی نہیں کرتے تھے اور اگر کوئی یہ کہے کہ یہ محض ادب رسالت کی وجہ سے تھا تو بھی صحیح ہے کہ کیونکہ ادب کی ہی وجہ سے ہم قرآن کریم کو دوسری کتابوں کے مثل نہیں سمجھتے، اگرچہ تمام کتابیں ایک ہی طرح کے کاغذ پر چھپی ہوئی ہوتی ہیں اگر سرورق پر کوئی نام لکھا ہوا نہ ہو تو کوئی انسان کسی بھی کتاب میں تفریق نہ کر سکے مگر جب سرورق پر قرآن کریم لکھا ہوا ہوتا ہے تو وہ کتاب سب سے منفرد و ممتاز ہو جاتی ہے اسی طرح ہر انسان دیکھنے میں ایک جیسا ہے مگر جب کسی کے پاس وحی کا نزول ہوتا ہے تو وہ تمام انسانوں سے منفرد و ممتاز ہو جاتا ہے اور سوائے ظاہری صورت کے وہ اس جیسا ہرگز نہیں ہوتا۔

صوتی حسن، سلاست و ترنم:

علومِ قرآن سے شغف رکھنے والے اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ اعجازِ قرآن میں ایک اچھوتا صوتی حسن اور وجد آور صورتی سلاست و ترنم ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے "الفوز الکبیر" کے باب سوم میں قرآن کے صورتی ترنم اور سلاست و نغمگی پر سیر حاصل گفتگو کی ہے مثلاً ایک جگہ کہتے ہیں:

"خدا تعالیٰ نے اکثر سورتوں میں آواز کی کشش کا اعتبار کیا ہے نہ کہ بحر طویل و مدید وغیرہ کا"۔ (۵۲)

آگے تحریر فرماتے ہیں:

"دیکھو حق تعالیٰ ایک جگہ "کریماً" دوسری جگہ "حدیثاً" اور تیسرے مقام پر "بصیراً" فرماتا ہے۔ اگر حراف روی کی موافقت کا التزام اس موقع پر کیا جائے تو گویا خود کو ایک غیر لازمی شئی کا پابند بنانا ہے جیسا کہ سورۃ مریم، اور سورۃ فرقان، کے ابتداء میں واقع ہوا ہے علی ہذا ایک مخصوص جملے کو کلام کے درمیان بار بار لانا ہی لذت پیدا کرتا ہے جیسا کہ سورۃ شعراء، سورۃ قمر، سورۃ رحمٰن و مرسلات میں واقع ہے"۔ (۵۳)

دور حاضر کے محقق اور ادیب شہیر علامہ شمس الحسن شمس بریلوی قرآن کے صوتی حسن سے متعلق لکھتے ہیں:

"قرآن کریم کے اسلوبِ بیان کے سلسلے میں کوئی جامع بات کہنا انسانی قدرت سے باہر ہے کیونکہ انسان کے نظم اور نثر کے جتنے بھی اسلوب جس جس زبان میں بھی بنائے گئے ہیں قرآن کے کسی اسلوب میں محدود نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس کا اپنا ایک اسلوب ہے جس کو قرآنی اسلوب کہا جاتا ہے۔ قرآنی اسلوب کے وجوہ اعجاز میں ایک وجہ اعجاز "نظم قران" ہے۔ قرآن بطور کل، حروف، کلمات اور جملوں سے مرکب ہوتا ہے۔ حروف کا مادہ صوت (آواز) ہے یعنی وہ صورت سے بنتے ہیں اور قرآن کے کلمات کی ترکیب حروف سے ہوتی ہے اور جملہ ان کلمات کی ترکیب سے بنتا ہے، نظمِ کلام کا اعجاز ان تینوں سے وابستہ ہے"۔

قرآن پاک کی بلاغت یہ ہے کہ فنونِ ادبی از قسم مجاز، کنایہ استعارہ اور دوسری ادبی خصوصیات جو قرآن حکیم میں ادبی حیثیت سے موجود ہیں بالکل طبعی ہیں۔ قرآن حکیم نے بصورت مجاز، استعارہ اور کنایہ جو لفظ جہاں استعمال کیا ہے، اس کے سوا کوئی اور لفظ نہیں مل سکے گا یہی وجہ ہے کہ حروف، کلمات اور جملوں کے نظم سے اگر آپ قطع نظر بھی کر لیں تو یہی ایک وصفِ خاص کا ملاً اعجاز قرآن میں ایک مقام رکھتا ہے۔ قرآن حکیم کا صرف ایک حرف بھی اپنے موقع کی مناسبت سے دوسرے تمام

حروف پر ان کی تقدیم و تاخیر اور اسی طرح دوسرے کلموں اور جملوں کے مقابلے میں اپنے اندر اعجاز رکھتا ہے یعنی صرف ایک حرف جس طرح اور جہاں قرآن میں استعمال ہوا، خواہ تمام حروف کی تقدیم و تاخیر کی جائے یا دوسرے کلمات یا جملے اس کی جگہ رکھ دیئے جائیں وہ خوبی ہرگز پیدا نہیں ہوسکتی''۔ (۵۴)

قرآن حکیم کے الفاظ کی صوتی ہم آہنگی، ان کی سلاست کا صحیح معنوں میں اس وقت احساس ہوتا ہے جب کوئی بہت ہی خوش الحان قاری یکسوئی کے ساتھ فجر کے وقت جب ہلکی ہلکی روشنی ہو اور پرندے بھی چہچہار ہے ہوں کسی اونچے مقام پر بیٹھا تلاوت کررہا ہو تو دلجمعی کے ساتھ سننے والے کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے آبشار گرتے وقت ایک عجیب دلنشیں آواز سنائی دیتی ہے جس سے سازِ فطرت کے تار چھڑتے ہوں۔ حقیقت میں اس صوتی حُسن کا احساس کوئی صاحب ذوق ہی کرسکتا ہے۔ یہ مثالیں تو محض علامتی ہیں ویسے تو پورے کلام میں صوتی حسن موجود ہے مگر آخری پاروں کی سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے ایسے کلمات کا انتخاب فرمایا ہے جس کو پڑھ کر صوتی حسن اور نغمگی کی چاشنی میں کچھ اور ہی لطف ہوتا ہے کہ سننے اور پڑھنے والا جھوم جھوم اٹھتا ہے۔ بیان القرآن کے اس اعجاز کو ترجمے میں جس طرح امام احمد رضا بریلوی نے سمویا ہے یہ پہلو بھی کسی دوسرے ترجمے میں نظر نہیں آتا۔ امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن صوتی ترنم کا آئینہ دار ہے اس سلسلے میں چند آیات ملاحظہ ہوں:

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ○ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ○ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ○

''جب دھوپ لپیٹی جائے ○ اور جب تارے جھڑ پڑیں ○ اور جب پہاڑ چلائے جائیں۔

وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ○ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ○ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ○

''اور جب تھلکی اونٹنیاں چھوٹی پڑیں ○ اور جب وحشی جانور جمع کیئے جائیں ○ اور جب سمندر سلگائے جائیں''۔

وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ○ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ○ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ○

''اور جب جانور کے جوڑے بنیں، اور جب زندہ دبائی ہوئی سے پوچھا جائے، کس خطا پر ماری گئی''

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ○ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ○ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ○

''اور جب نامۂ اعمال کھولے جائیں، اور جب آسمان جگہ سے کھینچ لیا جائے، اور جب جہنم بھڑکایا جائے''

وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ○ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ○ (سورۃ التکویر)

''اور جب جنت پاس لائی جائے، ہر جان کو معلوم ہوجائے گا جو حاضر لائی ○ (۵۵)

اب ذرا مولوی فتح محمد جالندھری کا ترجمہ ملاحظہ ہوں:

''جب سورج لپیٹ لیا جائے گا، اور جب تارے بے نور ہوجائیں گے، اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے اور جب بیانے والی اونٹنیاں بیکار ہوجائیں گی، اور جب وحشی جانور اکٹھا ہوجائیں گے۔ اور جب دریا آگ ہوجائیں گے، اور جب روحین بدنوں سے ملا دی جائیں گی، اور جب اس لڑکی سے جوزندہ دفنائی گئی ہو پوچھا جائے گا، کہ

وہ کس گناہ پر ماری گئی، اور جب عملوں کے دفتر کھولے جائیں گے اور جب آسمان کی کھال کھینچ لی جائے گی، اور جب دوزخ کی آگ بھڑکائی جائے گی اور جب بہشت قریب لائے جائے گی اور تب ہر شخص معلوم کرے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے o(۵۶)

دونوں تراجم میں فرق دیکھا جاسکتا ہے مولوی فتح محمد جالندھری کے ترجمہ قرآن میں گا، گے، گی پڑھتے ہوئے بوجھل معلوم ہو رہا ہے اور متن کا لطف ترجمے میں بالکل ہی محسوس نہیں ہوتا جب کہ امام احمد رضا نے قرآن متن سے قریب تر ترجمہ کرتے ہوئے قرآنی ترنم اور سلاست کو برقرار رکھا ہے۔ دراصل اس سورۃ میں تمام افعال یا تو ماضی مجہول کے صیغے ہیں یا ماضی معروف، ایک ایسی بات جو مستقبل میں پیش آنے والی ہو فعل ماضی میں سمجھانا قرآن کریم ہی کا خاصہ ہے اس لیے ترجمہ کرتے ہوئے احتیاط ضرور ملحوظ رکھنی چاہیے۔ اب اگر امام احمد رضا خاں کے ترجمہ قرآن کو قدرے غور سے پڑھا جائے تو پڑھنے والے کے دل میں عظمتِ قرآن کے ساتھ ساتھ محبت خداوندی اپنے پورے جاہ وجلال کے ساتھ گھر کرتی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس سورت کا ترجمہ امام احمد رضا نے اسی انداز سے کیا ہے کہ پڑھنے والا نہ صرف قرآن کی طرف راغب ہوتا ہے بلکہ اس کی اصلاح باطن بھی ہو جاتی ہے۔

ایک اور مثال اس سلسلے میں اور ملاحظہ ہو:

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهُ عَيْنَيْنِ o وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ o وَ هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ o (سورۃ البلد)

''کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہ بنائیں، اور زبان دو ہونٹ، اور اسے ابھری چیزوں کی راہ بتائی''۔ (۵۷)

مولوی اشرفعلی تھانوی کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے:

''کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں، اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے، اور (پھر) ہم نے ان کو دونوں رستے (خیر وشر کے) بتلا دیئے''۔ (۵۸)

اب مولوی محمود حسن دیوبندی کا ترجمہ بھی اس مقام کا ملاحظہ ہو:

''بھلا ہم نے انہیں دیں اس کو دو آنکھیں، اور زبان اور دو ہونٹ، اور دکھلا دیں اس کو دو گھاٹیاں'' (۵۹)

مولوی اشرفعلی تھانوی اور مولوی محمود حسن دیوبندی نے سورۃ البلد کے استفہام کی لذت کو ترجمے میں مسخ کر دیا اور سب سے بڑی بھول ان سے ''نجد'' کے ترجمے میں ہوئی ہے۔ کسی بھی لغت کی کتاب میں نجد کے معنی گھاٹی (Valley) یا خیر وشر کے رستے نہیں آئے ہیں۔ بلکہ ''نجد'' ابھری جگہ کو کہتے ہیں جیسے پہاڑی کی چوٹی یا کوئی بڑا ٹیلہ (Plateau) جو سطح زمین سے ابھرا ہوا ہو جیسا کہ ''المنجد، میں اس کے معنی بلند زمین، عورت کے پستان بتائے گئے ہیں (۶۰)۔ کیونکہ وہ سینے سے ابھرے ہوتے ہیں۔ امام راغب نے بھی المفردات میں النجد کے معنی بلند اور سخت جگہ کے بتائے ہیں (۶۱)۔ صاحب مصباح اللغات نے بھی اس کے معنی بلند زمین، پستان وغیرہ بتائے ہیں۔ (۶۱)

موجودہ سعودی عرب کا دارالحکومت ریاض پہلے النجد کہلاتا تھا جس کا ذکر احادیث میں بھی آیا یہ اس کو نجد یا (Plateau) اسی لیے کہا گیا کہ یہ علاقہ چاروں طرف سے سطح زمین سے خاصا بلند ہے۔ صحیح البخاری میں نجد کا ذکر ملاحظہ کیجئے:

حدیث:

''حدثنا علی ابن عبدالله قال حدثنا ازهر بن

سعد عن ابن عون عن نافع عن ابن عمر قال ذکر النبی صلی الله علیه وسلم قال اللهم بارك لنافی شامنا اللهم بارك لنافی یمننا قالواوی "نجدنا" قال اللهم بارك لنافی شامنا اللهم بارك لنافی یمننا قالوا یا رسول الله وفی "نجدنا" فاظنه قال فی الثالثة هناك الزلازل والفتن وبها یطلع قرن الشیطان" (۶۳)

مولوی محمود حسن دیوبندی کے علاوہ تمام معروف مترجمین قرآن نے ،"النجد" کا ترجمہ راستے یا راہیں کیا ہے مگر جناب سید محمد اشرف کچھوچھوی نے "النجدین" کا ترجمہ دوا بھری راہیں کیا ہے (۶۴)۔ جبکہ محمود حسن دیوبندی سے قبل مولوی عبدالحق حقانی نے النجدین کا ترجمہ "دوگھاٹیاں" کیا تھا۔(۶۵)

"اب چند تفاسیر سے النجدین کے معنی پیش کیے جاتے ہیں:

صاحب تفسیر ابی السعود النجدین کے معنی پیش کیے جاتے ہیں:

"(وهدیناه النجدین) ای الخیر والشراوالثدیین واصل النجد المكان المرتفع" (۶۶)

"یعنی یا تو یہ خیر اور شر کی دو راہیں ہیں یا پستان مگر اصل میں النجد اونچی ، بلند جگہ کو کہتے ہیں"

اکثر مفسرین قرآن نے نجدین سے مراد الثدیین ہی لیے ہیں مثلاً ملا واعظ حسین کاشفی ، علامہ اندلسی ، قاضی شوکانی اور شبیر احمد عثمانی وغیرہم چنانچہ ان کے تفسیری اقوال ملاحظہ ہوں:

(۱) ونمودیم ویراراہ پستان تابعد از ولادت دران چفیدہ بشیر خوردن اشتغال نمود۔(۶۷)

(۲) وقال عكرمة وسعید بن المسیب والضحاك : النجدان: الثدیان لانهما كالطریقین لحیاة والولد ورزقه ، واصل النجد المكان المرتفع۔(۶۸)

(۳) وقال ابن عباس ایضا وعلی وابن المسیب والضحاك: الثدیین لانهما كا لطریقین لحیاة الولدورزقه"۔(۶۹)

(۴) حدثنا ابو كریب قال ثنا وكیع قال ثنا عیسیٰ بن عقال عن ابیه عن ابن عباس وهدیناه النجدین قال هما الثدیان۔(۷۰)

(۵) بعض مفسرین نے النجدین سے مراد عورت کے پستان لیے ہیں یعنی بچے کو دودھ پینے اور غذا حاصل کرنے کا راستہ بتلا دیا" (۷۱)

امام احمد رضا نے اپنے ترجمہ قرآن میں النجدین کے معنی "دو ابھری چیزیں" استعمال کر کے قرآنی فصاحت و بلاغت کو اردو زبان میں بہت عمدگی سے سمویا ہے۔ آپ نے مرادی معنی (پستان) اور اصل معنی (المکان المرتفع) دونوں کا خیال رکھتے ہوئے لفظ نجد کی معنویت کی بالکل صحیح ترجمانی فرمائی اور ترجمہ فرمایا "دو ابھری چیزوں کی راہ" بتائی۔

کنزالایمان کی امتیازی خصوصیات اگر چہ بہت زیادہ ہیں ، مگر یہاں چند کا ذکر کیا گیا ہے جس سے امام احمد رضا کی وسعت نظر اور کمال فہم کا اندازہ ہوتا ہے ، آخر میں ادبی جائزہ سے قبل ایک اور منفرد خصوصیت رقم کر کے اس باب کو ختم کرنا چاہوں گا اسی امید کے ساتھ کہ پروردگار عالم اس کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اس کو

مقبولیت عامہ عطا فرمائے۔ آمین، بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

ترجمہ قرآن میں لفظ محبوب کا استعمال:

قرآن کریم میں ان گنت آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے براہ راست مخاطب ہے۔ ایسی آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے جس میں براہ راست نبی کریم ﷺ سے خطاب ہو امام احمد رضا آیت کا ترجمہ "اے محبوب" پیارے محبوب" جیسے القاب سے کرتے ہیں اور اسی انداز میں وہ تمام مترجمین قرآن سے منفرد ہیں یہ بات یقینی ہے کہ رب کائنات اپنے خاص الخاص نبی سے مخاطب ہوگا، جس کے لئے یہ کائنات پیدا فرمائی تو اس سے تخاطب کا لہجہ بھی بڑا ابھرا اور چاہت والا ہوگا اور ایسے ہی مقامات پر اس نے آپ کا نام "محمد" ﷺ لانے کی بجائے طٰہٰ، یٰسین، یاایھا المزمل، یاایھا المدثر، یاایھا الرسول، یاایھا النبی وغیرہ جیسے محبت بھرے اور عظیم المرتبت القاب ارشاد فرمائے ہیں۔ عربی گرامر سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ جب کسی سے والہانہ محبت ہو اور ایسے محب جب اپنے محبوب کو پکارے تو اس کے لہجے میں پیار ہی پیار ہوتا ہے جیسے کوئی پکارے یا اخی یعنی میرے بہت ہی پیارے بھائی یا ہر دلعزیز بھائی یا محبوب ترین بھائی وغیرہ۔ اِس طرح بعض دفعہ یا اخی کہہ کر مخاطب نہ بھی کیا جائے تب بھی پیار بھرے لہجے کی گفتگو سے یہ تاثر ضرور ملے گا کہ متکلم کو مخاطب بہت ہی محبوب ہے۔ امام احمد رضا نے قرآن کے ان ہی رموز کی نزاکت کے پیش نظر ایسی آیات میں ترجمہ کرتے وقت چند الفاظ کا اضافہ کیا ہے جو آپ کے انتہائی عشق و محبت کی علامت ہے امام احمد رضا تخاطب کی اُن آیات میں "اے محبوب" "یا" "پیارے محبوب" کے لفظوں کا اضافہ کرتے ہیں جن آیات کے ضمائر نبی کریم ﷺ کی طرف راجع ہوتی ہے ایسے چند مقامات ملاحظہ کیجئے۔

(۱) لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (الحجر:۷۲)

ترجمہ: (اے محبوب) تمہاری جان کی قسم بے شک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔ (۷۲)

(۲) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (الانفال: ۳۳)

ترجمہ: اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک (اے محبوب) تم ان میں تشریف فرما ہو۔ (۷۳)

(۳) وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال:۱۷)

ترجمہ: اور (اے محبوب) وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی" (۷۴)

(۴) اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ (سورۃ الکوثر)

ترجمہ: (اے محبوب) بیشک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں (۷۵)

(۵) وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۝ (سورۃ النساء)

ترجمہ: اور (اے محبوب) ہم نے تمہیں سب لوگوں کیلئے رسول بھیجا۔ (۷۶)

امام احمد رضا نے ایسے تمام مقامات پر ضمائر کا ترجمہ جن کا مرجع نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ اے محبوب یا پیارے محبوب، کیا ہے عربی تفاسیر میں زبان کے قاعدے کے مطابق ان ضمائر سے وہاں "یا محمد" مراد لی جاتی ہے جبکہ اردو زبان کے قواعد کے مطابق اگر کسی محبوب اور محترم ہستی کا نام اسی طرح یا اسی انداز سے لیا جائے یا اس کو اسی انداز سے مخاطب کیا جائے تو اس کو معیوب سمجھا جاتا

ہے۔ مگر عربی زبان میں خطاب کا یہ انداز معیوب نہیں اہل عرب جب اس انداز سے تفسیر کرتے ہیں تو اس میں محبت کا پہلو موجود ہوتا ہے جبکہ اردو زبان میں کسی سے محبت کے اظہار کے لئے مختلف القاب کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ امام احمد رضا کے اسلوب ترجمہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے اس قسم کے ضمائر کا ترجمہ کرتے وقت قرآن مجید و فرقان حمید کی مندرجہ ذیل آیت کو سامنے رکھا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ
(آل عمران:۳۱)

''(اے محبوب) تم فرما دو کہ لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔ (۱۷)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کو نبی کریم ﷺ کی اتباع سے مشروط کیا ہے یعنی اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو نبی پاک ﷺ کی مکمل اتباع کرو پھر خدا تم سے محبت کرے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضور نبی کریم ﷺ کے مطیع سے محبت فرماتا ہے تو جب اتباع کرنے والی کی یہ منزلت ہے تو جس کی اتباع کی جارہی ہے وہ خود خدا کی نظر میں کتنا محبوب ومقبول بارگاہ ہوگا اس کا اندازہ عاشقان رسول ہی لگا سکتے ہیں۔ یوں بھی حبیب اللہ کا محبوب ہونا اظہر من الشمس ہے۔ لہٰذا قرینہ یہی کہتا ہے کہ اردو زبان کے آداب سامنے رکھتے ہوئے نام کی جگہ ''اے محبوب'' یا ''پیارے محبوب جیسا ترجمہ ہی مناسب ہے۔

تراجم کا جائزہ لیتے وقت اس حقیقت کو فراموش نہ کرنا چاہیے کہ امام احمد رضا بریلوی نے اپنے خلیفہ مولانا امجد علی کو فی البدیہہ یہ ترجمہ املا کروایا تھا۔ انکے سامنے نہ سابقہ اردو تراجم تھے اور نہ متعلقہ کتب ہاں وہ کامل فہم ضرور تھا جس کو دنیا کا عظیم کتب خانہ کہا جائے تو بجا ہے۔ ترجمہ برجستہ املا کروانے کے باوجود ایسا منظم اور مربوط معلوم ہوتا ہے جیسے برسوں محنت کی ہو اور مہینوں نوک پلک درست کی ہو۔

☆☆☆

حوالاجات

(۱) پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری ''منہاج القادری''، ''منہاج القرآن'' ج-۱، شمارہ ۷، ص-۲۷)

(۲) سید مودودی ''تفہیم القرآن''، ج-اول، ص-۸، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، ۱۹۶۷ء

(۳) امام احمد رضا خاں قادری بریلوی ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' ص-۲۴

(۴) مولوی ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ''حمائل شریف مترجم''، ص-۲۴

(۵) مولوی محمود حسن دیوبندی ''ترجمہ قرآن مجید''، ص-۲۰

(۶) امام احمد رضا خاں قادری بریلوی ''کنز الایمان فی ترجمہ قران''، ص ۳۷۷

(۷) مولوی ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ''قرآن مجید مترجم''، ص-۳۷۶

(۸) شاہ عبد القادر دہلوی، ایضاً ص-۳۸۷

(۹) شاہ رفیع الدین دہلوی ''ترجمہ قرآن''، ص-۲۶۵

(۱۰) مولوی محمود حسن دیوبند، ایضاً ص-۳۰۵

(۱۱) امام احمد رضا خاں قادری بریلوی ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' ص-۷۴۹

(۱۲) مجید اللہ قادری ''قرآن سائنس اور امام احمد رضا''، ص۱۴-۱۵، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی ۱۹۸۹ء

(۱۳) امام احمد رضا خاں قادری بریلوی ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' ص-۸۱۹

(۱۴) شاہ رفیع الدین دہلوی ''قرآن مجید مترجم''، ص-۸۱۹
(۱۵) مولوی اشرف علی تھانوی ''قرآن مجید مترجم''، ص۸۱۹
(۱۶) ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ''حمائل شریف مترجم''، ص-۹۲۹
(۱۷) سید مودودی ''ترقرآن مجید''، ص۵۱۴
(۱۸) علامہ علاؤالدین علی المعروف بالخازن ''تفسیر الخازن''، ج-۴، ص-۳۴۷
(۱۹) علامہ عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی ''تفسیر مدارک''
(۲۰) علامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی ''فتح القدیر''، ج۵ ص-۳۶۵
(۲۱) امام احمد رضا خاں قادری بریلوی ''کنز الایمان فی ترجمہ القرآن'' ص-۸۴۲
(۲۲) امام احمد رضا خاں قادری بریلوی ''کنز الایمان فی ترجمہ القرآن'' ص-۸۱۶
(۲۳) علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی ''قیامت کب آئے گی''، ص-۲۲ رضا پبلی کیشنز، لاہور ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء
(۲۴) امام احمد رضا خاں بریلوی ''کنز الایمان''، ص۸۲۲
(۲۵) Swokins, F.S, etas, 1978 "The Evolving Earth" Page 153
(۲۶) Swokins, F.S, etas, 1978 "The Evolving Earth" Page 153
(۲۷) Arthur Holmes 1972, "principles of physical Geology" P.22
(۲۸) حکیم محمد سعید ''پیغام برائے مجلہ امام احمد رضا کانفرنس'' ۱۹۸۸ء، کراچی، ص۱۵، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی
(۲۹) ایضاً ''طبی بصیرت'' معارف رضا، شمارہ نہم، ص۱۰۰، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی ۱۹۸۹ء
(۳۰) مولانا امام احمد رضا خاں قادری ''کنز الایمان فی ترجمہ القرآن'' ص-۸۴۸
(۳۱) مولوی اشرفعلی تھانوی ''قرآن مجید مترجم''، ص-۸۴۷
(۳۲) مولوی ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ''حمائل مترجم''، ص-۸۴۹
(۳۳) نواب وحید الزماں ''تبویب القرآن''، ص-۹۰
(۳۴) سید مودودی ''ترجمہ قرآن مجید''، ص-۱۳۵۲
(۳۵) الامام ابوعبداللہ بن احمد قرطبی المالکی ''الجامع الاحکام القرآن'' ج۹ الجزء ۲۷، ص-۱۵۲
(۳۶) الامام جمال الدین عبدالرحمٰن الجوزی، ''زاد المسیر فی علم التفسیر'' ج-۷، ص/۲۵۴، دار الفکر بیروت، ۱۹۸۷ء
(۳۷) ملا حسین واعظ الکاشفی ''جواہر التفسیر تحفۃ الامیر'' ص-۸۵۰
(۳۸) مولوی فخری الدین قادری، تفسیر قادری (ترجمہ تفسیر حسینی) ج۲، ص-۴۶۷
(۳۹) الشیخ طنطاوی جوہری ''الجواہر فی تفسیر القرآن الکریم'' الجزء رابع والعشر ون، ص-۱۵
(۴۰) امام احمد رضا حس قادری بریلوی ''کنز الایمان فی ترجمہ القرآن'' ص-۴۳۱
(۴۱) ایضاً، ص-۶۷۲
(۴۲) شاہ عبدالقادر دہلوی ''القرآن کریم مترجم''، ص-۵۰۴
(۴۳) مولوی ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ''حمائل شریف مترجم'' ص-۴۸۶
(۴۴) مولوی اشرف علی تھانوی ''قرآن مجید مترجم'' ج-۲، ص-۳۹۳
(۴۵) امام احمد رضا خاں قادری بریلوی ''کنز الایمان فی ترجمہ القرآن'' ص-۵۰۹
(۴۶) امام احمد رضا خاں قادری بریلوی ''کنز الایمان فی ترجمہ القرآن''، ص-۵۰۹
(۴۷) الامام ابی محمد الحسین بن مسعود الفراالبغوی ''تفسیر البغوی''، ج-۳ ص-۱۸۷

(۴۸) علامہ شیخ اسمٰعیل حقی "تفسیر روح البیان" پارہ ۱۶-ص
(۴۹) مولوی فخر الدین قادری "تفسیر قادری" (اردو ترجمہ تفسیر حسینی) ج-۲،ص-۹
(۵۰) شیخ عبدالحق محدث دہلوی "مدارج النبوۃ" ج اول، حصہ سوم، ص-۱۵۳
(۵۱) امام ابوعبداللہ بخاری "صحیح بخاری" ج اول، باب الوصال (۱۴ احادیث) باب التنکیل لمن اکثر الوصال (۲/احادیث، باب الوصال الی السحر (ا/حدیث) ص-۲۶۳-۲۶۴/قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱۳۸۱ھ
(۵۲) شاہ ولی اللہ دہلوی "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" (مترجم مولوی رشید احمد) ص-۶۷، ادارہ اسلامیات، لاہور ۱۹۸۲ء
(۵۳) ایضاً ص-۶۸
(۵۴) علامہ شمس الحسن شمس بریلوی "سرور کونین کی فصاحت" ص-۱۷۰-۱۷۱، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۸۵ء
(۵۵) امام احمد رضا خاں قادری بریلوی "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن" ص-۸۲۴
(۵۶) مولوی فتح محمد جالندھری "قرآن مجید مترجم" ص-۵۶۸
(۵۷) امام احمد رضا خاں قادری بریلوی "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن" ۸۳۵-
(۵۸) مولوی اشرف علی تھانوی "ترجمہ قرآن" ص ۶۷۸، مطبوعہ کراچی
(۵۹) مولوی محمود حسن دیوبندی "ترجمہ قرآن اردو" ص ۶۷۷
(۶۰) المنجد عربی، اردو، ص ۹۹۵، دار الاشاعت، کراچی
(۶۱) الامام راغب الاصفہانی "مفردات القرآن" مترجم محمد عبدہ، ص ۱۰۲۸
(۶۲) مولوی عبدالحفیظ بلیاوی "مصباح اللغات" ص-۸۵۵
(۶۳) الامام محمد بن اسمٰعیل البخاری "صحیح البخاری" ج-۲، باب قول النبی ﷺ الفتنۃ من قبل المشرق، ص-۱۰۵۰-۱۰۵۱، قدیمی کتب خانہ، کراچی الطبعۃ الثانیۃ، کراچی
(۶۴) مولانا سید محمد اشرف کچھوچھوی "معارف القرآن" ص-۲۰۷، محدث اعظم، پبلی کیشنز، احمد آباد، گجرات، انڈیا، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء
(۶۵) مولوی عبدالحق حقانی دہلوی "ترجمہ قرآن معہ خلاصہ تفسیر حسینی و حقانی" ص-۱۲۲۲ھ
(۶۶) الامام ابی السعود بن محمد عماری "تفسیر ابی السعود، ج-۹ ص-۱۶۱
(۶۷) ملا حسین واعظ کاشفی "جواہر التفسیر لتحفۃ الامیر" ص-۹۵۱
(۶۸) علامہ محمد بن علی بن محمد الشوکانی "فتح القدیر" الجزء الخامس، ص-۴۴۴، مطبوعہ مصر، ۱۳۸۳ھ
(۶۹) علامہ محمد بن یوسف حیان الاندلسی "تفسیر البحر المحیط" ج-۸، ص-۴۷۶، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۳ھ
(۷۰) الامام محمد بن جریر الطبری "جامع البیان فی تفسیر القرآن" ج-۱۲، پارہ ۲۳، ص ۱۲۸/دار المعرفۃ، ۱۴۰۷ھ
(۷۱) مولوی شبیر احمد عثمانی "تفسیر عثمانی" ص-۶۷۷، دار التصنیف لمیٹڈ، کراچی ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء
(۷۲) امام احمد رضا خان قادری بریلوی "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن" ص-۳۷۶
(۷۳) ایضاً، ص-۲۵۹
(۷۴) ایضاً ص-۲۵۷
(۷۵) ایضاً ص-۸۴۴
(۷۶) ایضاً ص-۱۳۱
(۷۷) ایضاً ص-۸۰

☆☆☆

امام احمد رضا خاں اور علوم حدیث

از:۔ مولانا منظور احمد سعیدی (ریسرچ اسکالر جامعہ کراچی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

قال اللہ تعالیٰ فی الکلام المجید:

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔(۱)

''اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو، اور جس سے منع فرمائیں باز رہو''۔

صاحب صدر!

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تکریم دو باتوں میں رکھی ہے، علم اور عمل۔

علم سے مراد وہ علم ہے جس سے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول اللہ ﷺ کی معرفت حاصل ہو، اور عمل سے مراد اللہ تعالیٰ کی عبادت اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے بغیر ممکن التصور نہیں۔

اس علم اور عمل کا مدار صرف قرآن وحدیث پر ہے۔

ائمہ مسلمین میں ہر امام کیلئے قرآن وحدیث کے علوم کی معرفت ضروری ہے، جس شخص کو قرآن وحدیث کے تمام علوم حاصل نہیں ہونگے، وہ فقیہ نہیں ہوگا۔

امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان آباؤ اجداد سے علمی اور عملی تھا، آپ کے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خاں متوفی ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء، اپنے زمانہ کے جلیل القدر عالم، بے مثل مناظر، بے نظیر مصنف اور بلند پایہ فقیہ تھے۔

امام احمد رضا خاں کی ولادت باسعادت ۱۰ رشوال المکرم ۱۲۷۲ھ/۱۴ رجون ۱۸۵۶ء میں بریلی میں ہوئی۔

آپ اپنے نام کے ساتھ عبدالمصطفیٰ کا سابقہ لگاتے تھے، اس سے آپ یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ مصطفیٰ ﷺ کے ہر قول فعل اور طرزِ عمل کی ہر وقت اور ہر حال میں اتباع کرتے ہیں۔

آپ کی تعلیم کا آغاز ۱۲۷۶ھ کے اوائل سے ہوا، اور چار سال کی عمر میں ناظرہ قرآن شریف کی تکمیل فرمائی، اور شعبان ۱۲۸۶ھ میں ۱۳ سال، ۱۰ ماہ اور ۵ دن کی عمر شریف میں تمام علوم درسیہ سے فراغت حاصل فرمائی۔(۲)

سندِ حدیث اپنے والد ماجد، اپنے مرشد سید شاہ آلِ رسول، سید احمد بن زین دحلان مکی، عبدالرحمٰن بن شیخ عبداللہ سراج، سید حسین بن صالح جمل الیل مکی، اور اپنے مرشد کے پوتے اور سجادہ نشین شاہ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے حاصل کی۔ آپکی سند

حدیث کے سلسلہ میں شاہ عبد الحق محدث دہلوی م ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء، مولانا عبد العلی لکھنوی م ۱۲۳۵ھ/۱۸۲۰ء اور شیخ محمد عابد سندھی مدنی م ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسے محدثین ہیں۔ (۳)

امام احمد رضا خاں نے وہ علوم کہ جن میں آپ کو مہارت حاصل تھی، پچپن شمار کئے ہیں، انمیں آپ نے قرآن کے صرف چار علوم ذکر کئے ہیں، وہ یہ ہیں:

قرآن، علم تفسیر، قرأت اور تجوید۔

جبکہ حقیقت میں علوم قرآن انکے علاوہ بھی ہیں، آپ انکے بھی ماہر تھے، وہ یہ ہیں:

اصولِ تفسیر، تاریخ تفسیر، تدوین وجمعِ قرآن، اسبابِ نزولِ قرآن، علمِ ارض القرآن وغیرہ چھ علوم ہیں، آپ ان کے بھی ماہر تھے، بلکہ ایک اور علم بھی ہے، یعنی علم تبیان لکل شیٔ جسمیں آپ نے ایک مبسوط کتاب یعنی انباء الحی ان کلامہ المصون تبیان لکل شیٔ لکھی ہے۔

علومِ حدیث میں آپ نے پانچ علوم ذکر کئے ہیں، وہ یہ ہیں:

حدیث، اصولِ حدیث، اسماء الرجال، سیر اور تواریخ۔

جبکہ واقع میں علومِ حدیث اور بھی ہیں، وہ یہ ہیں:

تدوین وجمعِ حدیث، تاریخ حدیث، غریب الحدیث، وغیرہ تین علوم۔

ان میں آپ کی کئی تصانیف و رسائل پائے جاتے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے، اس لئے آپ کے علوم اسی سے متجاوز ہیں۔ (۴)

تدریب الراوی جلد اول صفحہ ۵۳ پر ہے:

انواع علوم حدیث اتنے کثیر ہیں کہ شمار نہیں کئے جا سکتے۔

امام حازمی نے کتاب ''العجالۃ'' میں کہا ہے:

ان کی تعداد ایک سو تک پہنچتی ہے: (۵) اس لئے امام احمد رضا خاں کے علوم کی تعداد ایک سو اسی سے متجاوز ہے۔

حاجی خلیفہ چلپی مصطفیٰ ۱۰۱۷-۱۰۶۷ھ صاحب مفتاح السعادہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

۳۰۵ علومِ عقلیہ ونقلیہ ہیں، جو علمائے اسلام کو حاصل ہوئے ہیں۔ (۶)

تو امام احمد رضا خاں کو حاصل شدہ علوم کی فہرست اس تحقیق کے بعد ''۳۰۵'' ہو جائیگی؛ کیونکہ علومِ قدیمہ میں سے کوئی علم ایسا نہیں، جس میں آپ کو مہارت کاملہ حاصل نہ ہو۔ یہ فہرست تو گیارہویں صدی ہجری تک کے علوم کی ہوگی، اس کے بعد جو علوم پیدا ہوئے اور انمیں بھی امام احمد رضا خاں کو مہارت حاصل ہے۔ (۷)

امام احمد رضا خاں علومِ حدیث میں دوسرے علوم سے زیادہ مہارت رکھتے تھے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بعد علومِ حدیث میں آپ جیسا ماہر کوئی نظر نہیں آتا۔ فتاوی رضویہ جو نام سے فتاوی کی کتاب ظاہر ہوتی ہے، حقیقت میں علومِ حدیث کا بحرِ ذخار ہے۔

"رادع التعسف عن الامام ابی یوسف"

یہ رسالہ ایک سوال کے جواب میں لکھا کہ امام ابو یوسف پر اعتراض کہ سال کے اختتام پر اپنا مال بیوی کے نام ہبہ کر دیتے تھے اور اسکا مال اپنے نام ہبہ کرا لیتے تھے؛ تا کہ زکوٰۃ ساقط ہو جائے، یہ

بات امام ابوحنیفہ کے سامنے بیان کی گئی، تو آپ نے فرمایا: ''یہ انکے فقہ کی جہت سے ہے''۔ اس واقعہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ امام بخاری نے اسکو اپنی کتاب صحیح بخاری میں درج کیا ہے، اور بہت نفرت کے ساتھ لکھا ہے۔ (۸)

اسمیں کئی حدیثی مباحث ہیں:

۱۔ امام احمد رضا خاں پوری بخاری شریف کے حافظ، امام احمد رضا خاں نے لکھا:

صحیح بخاری شریف اول تا آخر کہیں اس حکایت کا پتہ نہیں۔

۲۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اسکے بارے میں کیا لکھا ہے؟ محدث بریلوی نے فرمایا:

امام بخاری نے صرف اس قدر لکھا ہے کہ:

بعض علماء کے نزدیک اگر کوئی شخص سال تمام سے پہلے مال کو ہلاک کردے، یا دے ڈالے، یا بیچ کر بدل لے کہ زکوٰۃ واجب نہ ہونے پائے، تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا، اور ہلاک کر کے مرجائے تو اس کے مال سے کچھ نہ لیا جائے گا، اور سال تمام سے پہلے اگر زکوٰۃ ادا کردے تو جائز وروا۔ (۹)

۳۔ امام بخاری کی عبارت سے جرح یا تعدیل، امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے فرمایا:

اسمیں نہ اس حکایت کا کہیں نشان، نہ امام اعظم خواہ امام ابو یوسف کا نام۔ (۱۰)

اور لکھا ہے:

یہ ردوقبول تو زمانۂ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بلانکیر رائج و معمول ہے، نہ بخاری میں کوئی کلمہ سخت نفرت کا ہے، ان سے صرف اتنا نکلتا ہے کہ یہ قول انہیں مختار نہیں۔ (۱۱)

۴۔ جرح کے جواز کے اصول، محدث بریلوی لکھتے ہیں:

یہ حکایت کسی سند مستند سے ثابت نہیں اور بے مذکور ہونا طعن کیلئے کیا نفع دے سکتا ہے؟ (۱۲)

۵۔ آثار صحابہ سے استدلال:

رجوع کے بعد وہ قول اسکا نہیں رہتا: اسلئے اس قول کی وجہ سے طعن جائز نہیں۔

اول: حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس نے جواز متعہ کے قول سے رجوع کرلیا۔ رواہ الترمذی۔

دوم: حضرت زید بن ارقم نے سود کی بعض صورتوں کے جواز کے قول سے رجوع کرلیا۔ رواہ الدارقطنی۔ (۱۵)

سوم: حضرت امیر معاویہ کا وتر کی ایک رکعت پڑھنا اور حضرت ابن عباس کا طعن نہ کرنا۔ رواہ البخاری۔ (۱۶)

۶۔ احادیث سے جواز حیلۂ اسقاط پر استدلال:

اول: غیر شادی شدہ زانی کی حد کیلئے حیلہ کی احادیث:

چار صحابہ سے مروی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خُذُوا لہ عثکالا فیہ مائۃ شمراخ، ثم اضربوہ بہ ضربۃ واحدۃ۔ رواہ احمد فی المسند وابن ماجۃ وابو داؤد والرؤیانی فی المسند

تحسینِ حدیث: فرمایا:

ہذا حدیث حسن الاسناد۔ (۱۷)

دوم: ردی خرما کے بدلے عمدہ خرما لینے کا حیلۂ شرعی، اسپر دو حدیثیں:

الف: صحیحین میں حضرت ابو سعید و حضرت ابو ہریرہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ خیبر سے عمدہ خرما لانے والے کو فرمایا:

لا تفعل بع الجمع با لدا رھم ، ثم ابتع بالد راھم جنیباً۔

ب: صحیحین میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمدہ قسم کے برنی چھوہارے لائے، فرمایا:

اَوَّهْ عَيْنُ الرِّبٰا ، لَا تَفْعَلْ ذٰلِكَ وَلٰكِنْ اِذَا اَرَدْتَّ اَنْ تَشْتَرِيَ فَبِعِ التَّمْرَ بِبَيْعٍ آخَرَ ثُمَّ اشْتَرِ بِهٖ ۔

۷۔ تذکرۃ الموضوعات:

محدث کی حیثیت سے امام احمد رضا خاں نے اس کتاب کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، جس میں یہ حکایت مذکور ہے اور فرمایا کہ فنِ حدیث کے اصول سے ایسی کتاب کی جرح نا مقبول ہے، اور وہ خود کتاب مردود ہے، لکھا ہے:

وہ بھی ایسی کتاب میں خصوصاً جس میں تو وہ حدیثیں خود رسول اللہ ﷺ کی طرف ایسی منسوب ہیں، جن کی نسبت ائمہ حدیث نے جزم کیا کہ باطل و موضوع و مکذوب ہیں۔

لِكُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ وَلِكُلِّ رِجَالٍ مَجَالٌ ، وَيَأْبَى اللّٰهُ الْعِصْمَةَ اِلَّا لِكَلَامِهٖ وَكَلَامِ رَسُوْلِهٖ ﷺ ۔

۸۔ مقام حدیث:

امام احمد رضا خاں کے اس کلام سے اس بات کا بھی اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا مقام اللہ تعالیٰ کے کلام کے قریب قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام بھی خطا سے محفوظ ہے اور اسکے رسول ﷺ کا بھی۔

۹۔ حجیت حدیث:

اور اس سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ دونوں کا کلام واجب القبول ہے، اس سے حدیث کا حجت و دلیل ہونا ثابت ہوتا ہے، امام مالک کے قول کو نقل کر کے، لکھتے ہیں:

وَلَقَدْ صَدَقَ اِمَامُ دَارِ الْهِجْرَةِ عَالِمُ الْمَدِيْنَةِ سَيِّدُنَا الْاِمَامُ مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِذْ يَقُوْلُ : كُلٌّ مَاخُوْذٌ مِنْ قَوْلِهٖ وَمَرْدُوْدٌ عَلَيْهِ اِلَّا صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ ﷺ ۔(۱۸)

۱۰۔ تذکرہ محدثین:

اس استفتاء میں کئی محدثین کا تذکرہ بھی ہے، اسماء الرجال کی مباحث آپ کے محدث ہونے پر دال ہیں، انکے ضمن میں بھی کئی محدثانہ مباحث ہیں۔

الف: علم اسماء الرجال کا فائدہ:

اس علم سے صرف محدثین بحث کرتے ہیں تا کہ سندِ حدیث میں اتصال و انقطاع کو معلوم کیا جاسکے اور اسکی بنیاد پر صحت و ضعف کا حکم بیان کیا جاسکے۔ اسماء الرجال کئی علوم کا جامع ہے، اسمیں علم معرفۃ الصحابہ، علم تاریخ موالید رواۃ حدیث و وفیات، علم تذکرۃ الضعفاء، علم تذکرۃ الثقات وغیرہ کئی علوم آتے ہیں۔ ان تمام علوم کی غرض رواۃ حدیث کی معرفت حاصل کرنا ہے۔

ب: امام بخاری کے بارے میں جو کچھ احمد رضا خاں نے لکھا ہے وہ انکے محدث ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

ا۔ مقامِ امام بخاری:

امام احمد رضا خاں لکھتے ہیں:

حفظِ حدیث، و نقد رجال، تنقیح صحت و ضعفِ روایات میں امام بخاری کا اپنے زمانہ میں پایہ رفیع والا، صاحب رتبۂ بالا، مقبولِ معاصرین و مقتدائے متاخرین ہونا مسلّم۔

۲۔مقامِ کتاب بخاری:

محدث بریلوی لکھتے ہیں:

کتبِ حدیث میں انکی کتاب بیشک نہایت چیدہ وانتخاب ،جس کے تعالیق ومتابعات وشواہد کو چھوڑ کر اصولِ مسانید پر نظر کیجئے تو ان میں گنجائش کلام تقریباً شاید۔

۳۔امام بخاری کے اساتذۂ حدیث:

امام احمد رضا خاں نے لکھا ہے:

اور یہ بھی بحمد اللہ حنفیہ ،وشاگردانِ ابوحنیفہ ،وشاگردانِ شاگرد ابوحنیفہ مثل امام عبداللہ بن مبارک وامام یحیٰ بن سعید قطان ،وامام فضیل بن عیاض وامام مسعر بن کدام ،وامام وکیع الجراح ،وامام لیث بن سعد ،وامام معلّٰی بن منصور رازی ،وامام یحیٰ بن معین وغیرہم ائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا فیض تھا ،کہ امام بخاری نے ان کے شاگردوں سے علم حاصل کیا اور انکے قدم پر قدم رکھا ،خود امام بخاری کے استاذ اجل امام احمد بن حنبل ،امام شافعی کے شاگرد ہیں ،وہ امام محمد ،وہ امام ابو یوسف کے ،وہ امام ابوحنیفہ کے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

اس عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام احمد رضا خاں ان تمام رجال کے حالات سے پوری طرح آگاہ تھے اور یہ بات آپ کے محدث ہونے پر دال ہے۔

۴۔امام بخاری کیلئے خدمتِ فقہ سے خدمتِ حدیث افضل تھی:

امام احمد رضا خاں نے لکھا ہے:

مگر یہ کارِ اہم ایسا نہ تھا کہ امام بخاری اس میں ہمہ تن مستغرق ہو کر دوسرے کارِ اجل واعظم یعنی فقاہت واجتہاد کیلئے فرصت پاتے ۔اللہ عزوجل نے انہیں خدمتِ الفاظ (احادیث) کریمہ کیلئے بنایا تھا ،خدمتِ معانیٔ (احادیث) ائمہ مجتہدین خصوصاً امام ابوحنیفہ کا حصہ تھا۔(۱۹)

اور لکھا ہے:

کاش امام اجل سیدنا امام بخاری رحمۃ الباری اگر فرصت پاتے اور زیادہ دس بارہ ہی برس امام حفص کبیر بخاری وغیرہ ائمہ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے فقہ حاصل فرماتے ،تو امام ابوحنیفہ کے اقوالِ شریفہ کی جلالتِ شان وعظمتِ مکان سے آگاہ ہوجاتے ،امام ابوجعفر طحاوی حنفی کی طرح ائمۂ محدثین وائمۂ فقہاء دونوں کے شمار میں یکساں آتے مگر قسامِ ازل جو حصہ دے ۔

ہر کے را بہر کارے ساختند   میل او اندر دلش انداختند

اور انصافاً یہ تمنا بھی عبث ہے ،امام بخاری ایسے ہوتے ،تو امام بخاری ہی نہ ہوتے ،ان ظاہر بینوں کے یہاں وہ بھی ائمۂ حنفیہ کی طرح معتوب ومعیوب قرار پاتے۔(۲۰)

(الف) اس پیراگراف میں امام بخاری کی محدثانہ جلالتِ شان کے علاوہ امام طحاوی کی تمام علمی کاوشوں کو ایک ہی جملہ میں بیان کردیا۔

(ب) امام حفص کبیر کے مقام کو بھی بیان کردیا۔

(ج) فقہ حنفی کی عظمت کو بیان کرنے کے باوجود امام احمد رضا خاں نے اپنی محدثانہ حیثیت کو برقرار رکھا اور امام بخاری کو بطور محدث ترجیح دی۔

(د) امام بخاری کو یہ عظمت وتفوق بطور فقیہ نہیں۔

(ھ) امام بخاری صرف اور صرف محدث تھے اور انکی عظمت کیلئے یہ کافی ہے۔

(و) جو لوگ امام بخاری کو مجتہد وفقیہ بھی قرار دیتے ہیں اور اس سے امام بخاری کی عظمت کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے

ہیں، امام احمد رضا خاں نے ایسی انکار رد کردیا کہ امام بخاری نے خدمتِ حدیث سے جو مقام حاصل کیا ہے، وہ اتنا اونچا ہے کہ امام بخاری کی باقی تمام خدمات ہیچ ہیں۔

(ز) اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام طحاوی کی حدیثی اور فقہی دونوں خدمات امام بخاری کی صرف ایک خدمتِ حدیث کے بھی مساوی نہیں؛ کیونکہ امام احمد رضا خاں نے کہا: انصافاً یہ تمنا بھی عبث ہے، امام بخاری ایسے ہوتے تو امام بخاری ہی نہ ہوتے اور کہا: اللہ تعالیٰ نے امام بخاری کو صرف اسی لئے ہی پیدا کیا۔

۵۔ امام بخاری کا طبقہ:

امام احمد رضا خاں لکھتے ہیں:

امام بخاری نہ تو تابعین سے ہیں، نہ تبع تابعین سے ۔(۲۱)

حدیث میں رواۃِ حدیث کے طبقات کا اعتبار ہوتا ہے، امام احمد رضا خاں نے اسی کو بیان کیا ہے۔

۶۔ امام بخاری امام شافعی کے مقلد ہیں:

امام احمد رضا خاں نے لکھا ہے:

امام بخاری کے امام و متبوع سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔(۲۲)

۱۱۔ خیر القرون میں محدثین:

ان قرون میں محدثین، فقہا اور صوفیاء وغیرہ الگ الگ گروہ نہیں تھے، بلکہ ایک ہی شخص ایک ہی ساتھ صوفی، فقیہ اور محدث تینوں صفات کا حامل تھا، اگر کوئی شخص صوفی ہوتا تو محدث بھی ضرور ہوتا، حضرت سری سقطی علیہ الرحمۃ نے حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کو دعا دی:

جَعَلَکَ اللّٰہُ صَاحِبَ الْحَدِیْثِ صُوْفِیاً وَلَا جَعَلَکَ صُوْفِیاً صَاحِبُ الْحَدِیْثِ۔(۲۳)

کہ اللہ تعالیٰ تمہیں پہلے صاحب حدیث بنائے پھر صوفی، ایسا نہ کرے کہ پہلے صوفی بنائے، پھر صاحب حدیث۔(۲۴)

حضرت جنید علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

جو شخص قرآن و حدیث سے جاہل ہے، پیروی کے قابل نہیں کہ مذہب صوفیاء کا مقید بہ قرآن و حدیث ہے۔(۲۵)

''مفاہیم یجب ان یصح'' میں حضرت جنید سے ہے:

جس نے قرآن حفظ نہیں کیا اور حدیث نہیں لکھی، وہ پیروی کے قابل نہیں۔(۲۶)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ صوفی اور فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ محدث بھی تھے، حافظ ذہبی انکے بارے میں لکھتے ہیں:

ابن سعد نے کہا: جامع، عالم، رفیع، ثقہ، حجہ، مامون، عابد، زاہد، کثیر العلم اور فصیح تھے۔(۲۷)

خود ذہبی نے کہا: لیکن حافظ، علامہ، علم کے سمندروں میں سے، فقیہ النفس، کبیر الشان، عدیم النظیر، ملیح التذکیر، بلیغ الموعظہ تھے۔

حضرت ابراہیم نخعی م ۹۵ھ کے بارے میں لکھا ہے:

فقیہ عراق تھے، امام اعمش نے فرمایا: حدیث کے زرگر تھے، شہرت سے بچتے تھے اور ستون کے پاس نہیں بیٹھتے تھے۔ ہنیدہ زوجۂ حضرت ابرہیم نے کہا: ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن چھوڑتے۔(۲۸)

حضرت مسروق بن اجدع ابو عائشہ م ۶۳ھ کے

بارے میں لکھا ہے:

کوئی فقیہ، علاموں میں سے ایک۔ ابواسحاق نے کہا: حج کیا تو سجدہ ہی کی حالت میں سوتے تھے۔ امام مسروق کی بیوی نے کہا: آپ نماز پڑھتے رہتے حتی کہ آپ کے پاؤں پر ورم آجاتا۔ (۲۹)
تمام ائمۂ محدثین کا اتفاق ہے کہ ائمۂ اربعہ محدث بھی تھے۔

خیر القرون میں علوم میں تخصصات قائم نہیں ہوئے تھے کہ ایک شخص صرف ایک علم کو حاصل کرے گا۔ تمام علوم قرآن و حدیث کو ہر شخص کے حاصل کرنے کا رواج امام احمد کے دور کے اختتام تک رہا، پھر پوری ایک صدی میں صرف چند اشخاص ایسے ہوتے تھے، یہ بھی صرف دو تین صدیوں تک رہا، پھر ایسے اشخاص کا قحط الرجال ہوگیا۔

خیر القرون میں قلیل ایسے اشخاص بھی ہوتے تھے، جو صرف محدث ہوتے تھے، لیکن ایسا نہیں تھا کہ کوئی فقیہ ہو، لیکن محدث نہ ہو۔ فقیہ کیلئے محدث ہونا ضروری تھا؛ کیونکہ فقیہ کیلئے دلائل قرآن و حدیث تھے، دوسرے فقیہ کا قول بھی دلیل نہیں تھا؛ کیونکہ اس دور میں تقلید کا رواج نہیں ہوا تھا۔

امام ابوحنیفہ کے محدث ہونے کے بارے میں امام احمد رضا خاں لکھتے ہیں:

حضرت امام اجل سلیمان بن اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ اجلۂ تابعین وائمۂ محدثین سے ہیں، ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ ہیں، ان سے کچھ مسائل کسی نے پوچھے۔ اس وقت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ امام اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمارے امام سے فتویٰ لیا، ہمارے امام نے سب مسائل کا فوراً جواب دیا، امام اعمش رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا:

یہ جواب آپ نے کہاں سے پیدا کیے؟ کہا:

ان حدیثوں سے جو میں نے خود آپ سے سنیں، اور وہ احادیث مع اسانید پڑھ کر بتادیں۔

امام اعمش نے فرمایا:

حَسْبُكَ ! مَا حَدَّثْتُكَ بِهٖ فِیْ مِائَةِ یَوْمٍ ، تَحَدِّثُنِیْ بِهٖ فِیْ سَاعَةٍ ۔ مَا عَلِمْتُ اَنَّكَ تَعْمَلُ بِهٰذِهِ الْاَحَادِیْثِ ۔ یَا مَعْشَرَ الْفُقَهَاءِ! اَنْتُمُ الْاَطِبَّاءُ وَنَحْنُ الصَّیَادِلَةُ وَاَنْتَ اَیُّهَا الرَّجُلُ بِكِلَا الطَّرَفَیْنِ۔ (۳۰)

چند اور امور اس پیراگراف سے ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) دلیل فقیہ کا قول نہیں ہوتا، بلکہ قرآن یا حدیث ہوتی ہے؛ اس لئے امام اعمش نے دلیل پوچھی، امام ابوحنیفہ کے قول پر اکتفاء نہ کیا۔

(۲) امام ابوحنیفہ نے دلیل میں احادیث پیش کر کے ثابت کیا کہ مجتہد کے نزدیک بھی دلیل مجتہد کا قول نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کا قول ہے۔

(۳) فتویٰ دینے کا حق اس شخص کو نہیں، جو صرف محدث ہو، بلکہ اسکو ہے، جو محدث ہونے کے علاوہ فقیہ بھی ہو۔

(۴) امام ابوحنیفہ صرف فقیہ نہیں تھے، بلکہ محدث بھی تھے۔ یہ بات آپ کے افتاء سے ثابت ہوئی ہے۔

(۵) محدث (یعنی امام اعمش) نے امام ابوحنیفہ کے محدث ہونے کو تسلیم کر کے اسکا ثبوت دیا کہ فقیہ محدثین کے نزدیک محدث ہی ہوتا ہے۔

(۶) امام ابوحنیفہ حافظ الحدیث تھے۔

(۷) امام ابوحنیفہ حدیث میں ثقہ تھے۔

(۸) امام ابوحنیفہ حدیث میں حجۃ تھے۔

۱۲۔ امام ابوحنیفہ سے امام بخاری کے اختلاف کی نفیس توجیہ جو کہ صرف کسی محدث کی شان ہی ہوسکتی ہے، لکھتے ہیں:

بالجملہ ہم اہل حق کے نزدیک حضرت امام بخاری کو حضور پرنور امام اعظم سے وہی نسبت ہے، جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور پرنور امیر المؤمنین مولی المسلمین سیدنا و مولانا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الاسنی سے کہ فرقِ مراتب بیشمار، اور حق بدستِ حیدر کرار، مگر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہمارے سردار، طعن ان پر بھی کارِ فجار، یہی روشِ آداب بحمد اللہ تعالیٰ ہم اہل توسط واعتدال کو ہر جگہ ملحوظ رہتی ہے۔ (۳۱)

مزید لکھتے ہیں:

نہ ہم امام بخاری کے اعتراضوں سے شانِ رفیع امام اعظم پر کچھ اثر سمجھیں، نہ ان سے کہ بوجہ خطائی الفہم معترض ہوئے، الجھیں، ہم جانتے ہیں کہ ان کا منشاءِ اعتراض بھی نفسانیت نہ تھا۔

۱۳۔ سیدنا غوثِ اعظم اور امام ابن الجوزی کے اختلاف، اور شیخ اکبر ابن عربی اور مولانا علی قاری کے اعتراض کی توجیہ سے بھی آپ کی شانِ محدثانہ جھلکتی ہے، لکھا ہے:

یہی نسبت (یعنی حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان والی) ہمارے نزدیک امام ابن الجوزی علیہ الرحمۃ کو حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مولانا علی قاری علیہ الرحمۃ والرضوان کو حضرت خاتم ولایتِ محمدیہ شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔

۱۴۔ حضرت سیدنا امام سلیمان اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں لکھا ہے:

حضرت امام اجل سلیمان اعمش کہ اجلۂ تابعین، وامام ائمۂ محدثین سے ہیں، حضرت سیدنا انس بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ خادمِ رسول ﷺ کے شاگرد، اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استاد، ان سے کچھ مسائل کسی نے پوچھے۔ اس وقت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ امام اعمش نے ہمارے امام سے فتویٰ لیا، ہمارے امام نے سب مسائل کا فوراً جواب دیا۔ (۳۴)

اس پیراگراف میں کئی امور پائے جاتے ہیں۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کے چار گوشوں کا تذکرہ ہے، ۱۔ صحابی، ۲۔ خادم، ۳۔ انصاری اور ۴۔ امام اعمش کے استاد۔

(۲) امام اعمش کی زندگی کے پانچ گوشوں کا ذکر پایا جاتا ہے، ۱۔ محدث، ۲۔ تابعی، ۳۔ حضرت انس کے شاگرد، ۴۔ امام اعظم کے استاذ اور، ۵۔ یہ کہ آپ فقیہ نہیں تھے۔ اسی تذکرہ میں اس سے آگے خود آپ نے اس کا ذکر کیا کہ ہم پنساری ہیں۔

۱۵۔ امام عامر شعبی، انکے بارے میں احمد رضا خاں لکھتے ہیں:

یہ (امام سلیمان اعمش) تو یہ، خود ان سے بدرجہا اجل و اعظم، ان کے استاذ اکرم واقدم امام عامر شعبی جنہوں نے پانسو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پایا۔ حضرت امیر المؤمنین مولی علی، وسعد بن ابی وقاص، وسعید بن زید، وجریر بن عبد اللہ، وابو ہریرہ، وانس بن مالک، وعبد اللہ بن عمرو، وعبد اللہ بن عباس، وعبد اللہ بن زبیر، وعمران بن حصین، ومغیرہ بن شعبہ، وعدی بن حاتم، وامام حسن، وامام حسین

وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم بکثرت اصحابِ کرام رسول اللہ ﷺ کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم کے استاذ۔ جن کا پایہ رفیع، حدیث میں ایسا تھا کہ فرماتے ہیں:

بیس سال گزرے ہیں، کسی محدث سے کوئی حدیث میرے کان تک ایسی نہیں پہنچی، جس کا مجھے علم اس محدث سے زائد نہ ہو۔ ایسے مقام والا، مقام باآں جلالتِ شان، فرماتے ہیں:

اِنَّا لَسْنَا بِالْفُقَهَاءِ ، وَلٰكِنَّا سَمِعْنَا الْحَدِيْثَ فَرَوَيْنَا۔

ہم فقیہ نہیں، لیکن ہم نے حدیثیں سنیں، تو انکو روایت کر دیا۔ (۳۴)

یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے، جسمیں اتنی حدیثی مباحث ہیں جن سے امام احمد رضا خاں کی محدثانہ شان بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ فتاوی رضویہ تو علومِ حدیث کا بحرِ ذخار ہے، آج کے زمانہ کا سب سے بڑا محدث بھی ان سب کو نہیں پا سکے گا۔ حدیث کا کوئی علم نہیں جسکی اکمل طور پر اسمیں مباحث نہ ہوں۔ آپ کے بیسوں رسائل ایسے ہیں جو سو سے زائد حدیثوں پر مشتمل ہیں۔

آپ نے اسماء الرجال میں کئی سو محدثین پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ کوئی صاحبِ تصنیف محدث نہیں ہوگا، جس پر آپ نے جامع و مانع بحث نہ کی ہو۔

۱۶۔ متشابہ من الرواۃ:

امام احمد رضا خاں رواۃِ حدیث کو ہر حیثیت سے جانتے تھے اور ہر قسم کے تشابہہ میں امتیاز کر لیتے تھے،

اولاً: لکھتے ہیں:

مسلمانو! اس تحریفِ شدید کو دیکھنا، اسنادِ نسائی میں یہاں نام ولید غیر منسوب واقع تھا، کہ:

اَخْبَرَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ خَالِدٍ، ثَنَا الْوَلِيْدُ، ثَنَا ابْنُ جَابِرٍ، ثَنَا نَافِعٌ۔

ملاجی کو چالاکی کا موقع ملا کہ تقریب میں اسی طبقہ کا ایک شخص رواۃِ نسائی سے کہ نام کا ولید اور قدرے متکلم فیہ ہے، چھانٹ کر اپنے دل سے ولید بن قاسم تراش لیا، حالانکہ یہ ولید بن قاسم نہیں، ولید بن مسلم ہیں، رجال صحیح مسلم و ائمہ ثقات و حفاظِ اعلام سے۔ اسی تقریب میں ان کے ثقہ ہونے کی شہادت موجود، ہاں تدلیس کرتے ہیں (مگر بحمد اللہ اس کا احتمال نہ ندارد) (۳۵)

ثانیاً: محدث بریلوی لکھتے ہیں:

آپ کے امتحان علم کو پوچھا جاتا ہے کہ روایت طحاوی:

حَدَّثَنَا فَهْدٌ، ثَنَا الْحِمَانِيُّ، ثَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، اَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ۔

میں آپ نے کہاں سے معین کر لیا کہ یہ اسامہ بن زید عدوی مدنی ضعیف الحافظہ ہے؟ اسی طبقہ سے اسامہ بن زید لیثی مدنی بھی تو ہے کہ رجالِ صحیح مسلم و سنن اربعہ و تعلیقات بخاری سے ہے، جسے یحییٰ بن معین نے کہا: ثقہ ہے، صالح ہے، ثقہ حجۃ ہے۔ دونوں ایک طبقہ، ایک شہر، ایک نام کے ہیں اور دونوں نافع کے شاگرد ہیں۔ پھر منشاء تعیین کیا ہے؟ اور آپ کو تو شاید اس سوال میں بھی وقت پڑے کہ کہاں سے مان لیا کہ یہ حمانی حافظ کبیر یحییٰ بن عبد الحمید صاحب مسند ہے؟ جس کی جرح آپ نے نقل کی، اور امام یحییٰ بن معین وغیرہ کا ثقہ اور ابن عدی کا: ارجو انه لا باس به، اور ابن نمیر کا: هو اکبر من هؤلاء کلهم، فا کتب عنه۔ کہنا

چھوڑ دیا۔ اسی طبقہ تاسعہ سے اُس کے والد عبدالحمید بن عبدالرحمٰن بھی تو ہے کہ رجال صحیحین سے ہے اور دونوں حمانی کہلائے جاتے ہیں۔ کمافی التقریب۔(۳۶)

ثالثاً فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

اب ملاجی اپنی مبلغ علم تقریب کھول کر بیٹھے، رواۃِ نسائی میں شعبہ نام کا کوئی نہ ملا، جس پر تقریب میں کچھ بھی جرح کی ہو، لہذا وہاں بس نہ چلا، سلیمان کو دیکھیں تو پہلی بسم اللہ یہی سلیمان بن ارقم ضعیف نظر پڑا، حکم جڑ دیا کہ سند میں وہی مراد ہے اور حدیث مردود۔ ملاجی! اپنے دھرم کی قسم! سچ بتانا جبروتی حکم آپ نے کس دلیل سے جمایا؟ کیا اسی کا نام محدثی ہے؟ سچے ہو تو برہان لاؤ! ورنہ اپنے کذب وعیب رجم بالغیب پر ایمان! قل ھا توا برھانکم ان کنتم صٰدقین ؟ حق طالبان وحق ہوش کو اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ مخرج حدیث:

اَعْمَشْ عَنْ عَمَّارَۃَ، عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ہے، بخاری مسلم، ابوداؤد، نسائی وغیرہم سب کے یہاں حدیث عمارہ بطریق امام اعمش ہی مذکور ہے۔(۳۷)

آٹھ سندیں اعمش از عمارہ ان کتب کی امام احمد رضا خاں نے ذکر کیں۔(۳۸)

پھر امام اعمش کا تذکرہ قدرے تفصیل سے لکھا۔(۳۹)

رابعاً: امام احمد رضا خاں لکھتے ہیں:

حضرت کو اپنی پرانی مشق صاف کرنے کو اسی طرح کا ایک اور نام ہاتھ لگا، یعنی خالد، امام نسائی نے فرمایا تھا:

اَخْبَرَنَا اِسْمٰعِیْلُ بْنُ مَسْعُوْدٍ عَنْ خَالِدٍ، عَنْ شُعْبَۃَ۔

بے دھڑک حکم لگا دیا کہ اس سے مراد خالد بن مخلد رافضی ہے۔

ملاّ جی! پانچ پیسہ کی شیرنی تو ہم بھی چڑھائیں گے اگر ثبوت دو کہ یہاں خالد سے یہ شخص مراد ہے۔ ملاّ جی! تم کیا جانو کی ائمۂ محدثین کس حالت میں اپنے شیخ کے مجرد نام بے ذکر ممیّز پر اکتفا کرتے ہیں۔

ملا جی! صحابہ کرام میں عبد اللہ کتنے بکثرت ہیں، خصوصاً عبادلۂ خمسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم؟ پھر کیا وجہ ہے کہ جب بصری عن عبداللہ، کہے، تو عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما مفہوم ہونگے، اور کوفی کہے، تو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ؟ پھر رواۃِ مابعد میں تو عبداللہ صدہا ہیں، مگر جب سوید کہیں: حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰہِ، تو خوانخواہ ابن مبارک ہیں۔ محمد بین کا شمار کون کرسکتا ہے؟ مگر جب بندار کہیں: عن محمد، عن شعبة، تو غندر کے سواء کسی طرف ذہن نہیں جائے گا۔ وعلی ھذا القیاس صدہا مثالیں ہیں، جنہیں ادنیٰ سے ادنیٰ خدام حدیث جانتے سمجھتے پہچانتے ہیں۔

ملا جی! یہ خالد امام اجل ثقہ ثبت حافظ جلیل الشان خالد بن حارث بصری ہیں کہ امام شعبہ بن الحجاج بصری کے خُلّص تلامذہ، اور امام اسماعیل بن مسعود بصری کے اجل اساتذہ اور رجالِ صحاح ستہ سے ہیں، اسماعیل بن مسعود کو ان سے اور انہیں شعبہ سے اکثار روایت بدرجہ غایت ہے۔ اسی سنن نسائی میں اسماعیل کی بیسیوں روایات ان سے موجود، ان میں بہت خاص اسی طریق سے ہیں کہ اسمٰعیل خالد بن حارث سے اور خالد شعبہ بن الحاج سے، ان میں بہت جگہ

خود اسماعیل نے نسبِ خالد مصرحاً بیان کیا، بہت جگہ انہوں نے حسبِ عادت مطلق چھوڑا۔ امام نسائی نے واضح فرما دیا ہے، بہت جگہ سابق و لاحق بیانوں کے اعتماد پر یوں ہی مطلق باقی رکھا ہے۔(۴۰)

امام احمد رضا خاں نے دونوں طرح کی پندرہ سندیں ذکر کیں۔(۴۱)

خامساً: فقه شهنشاه و ان القلوب بيدالمحبوب بعطاء الله میں لکھا ہے:

صحابہ کرام میں بیس سے زائد کا نام حکم ہے، تقریباً دس کا نام حکیم اور ساٹھ سے زیادہ کا خالد، اور ایک سو دس سے زیادہ کا مالک۔(۴۲)

۱۷۔ القاب کی معرفت بھی سند کے اتصال و انقطاع میں اثر انداز ہوتی ہے، مثلاً غندر، سیوطی نے لکھا ہے:

غندر ایک گروہ کا نام ہے، سب کے نام محمد بن جعفر ہیں، پہلے محمد بن جعفر بصری ابوبکر، امام شعبہ کے شاگرد۔(۴۳)

"شہنشاہ کون؟ میں امام احمد رضا خاں نے لکھا ہے:

امام اجل عبدالرحمٰن اوزاعی امام اہل شام کہ امام اعظم ابو حنیفہ، و امام مالک کے زمانہ میں تھے، اور تبع تابعین کے اعلیٰ طبقہ میں ہیں، امام مالک کو "عالم العلماء" فرمایا کرتے۔

زرقانی علی الموطا میں ہے:

امام مالک تو مشہور امام ہیں، رئیسوں میں رئیس، عقلاء میں کامل تر، فضلاء میں سب سے فہیم، امام اوزاعی جب امام مالک کا تذکرہ کرتے، تو فرماتے کہ:

عالم العلماء، مدینہ والوں کے عالم، اور حرمین طیبین کے مفتی نے فرمایا۔

"امام الائمہ" امام محمد بن خزیمہ حافظ الحدیث کا لقب ہے۔ "قاضی القضاۃ" اسلامی سلطنتوں کا معروف عہدہ ہے۔ یہ قاضی القضاۃ کس کا لقب ہے اور کب سے رائج ہے؟ سب میں پہلے یہ لقب ہمارے امام سیدنا امام ابو یوسف تلمیذ اکبر سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہوا، اور اس زمانۂ خیر کے ائمہ کرام تبع تابعین و اتباعِ اعلام نے اسے مقبول مقرر رکھا اور جب سے آج تک علمائے حنفیہ اور بہت دیگر علمائے مذاہب ثلاثہ میں رائج و جاری و ساری ہے۔ یہ امام اجل علامہ بدر الملۃ والدین محمود عینی حنفی کی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے۔(۴۴)

۱۸۔ صرف فتاویٰ رضویہ پنجم (جدید) میں پانچ سو رواۃ حدیث اور مصنفین ائمۂ حدیث پر مفسر و ممیز جرح و تعدیل پائی جاتی ہے۔ اور اسی جلد میں اصولِ حدیث پر ایسے انداز کا ایک رسالہ ہے کہ اسطرح اس سے پہلے کوئی رسالہ نہیں لکھا گیا، اسمیں محدثین، فقہاء اور صوفیاء تینوں کے اصولِ حدیث ذکر کئے گئے ہیں۔

اصولِ حدیث:

اسمیں محدثین صرف سندِ حدیث کی حیثیت سے بحث کرتے ہیں، اور اسی حیثیت سے حدیث کی صحت و ضعف، اتصال وانقطاع وغیرہ امور سے بحث کرتے ہیں، اصول حدیث میں محدثین پر جرح و تعدیل کے اصول بھی ذکر کئے جاتے ہیں۔ امام احمد رضا خاں نے اپنے بیشمار فتاویٰ میں اصولِ حدیث کی مباحث کو ذکر کیا ہے۔ ان مباحث کے علاوہ مستقل رسائل بھی لکھے ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

(۱) الهاد الكاف فی حكم الضعاف،

(۲) المفضل الموهبی اذاصح الحدیث فهو مذهبی۔

(۳) المدرج طبقات الحدیث۔

موخر الذکر میں کتب احادیث کے طبقات کو تفصیل سے ذکر کیا ہے، امام احمد رضا خاں نے اپنے کئی فتاوی میں اسکے حوالے ذکر کئے ہیں، یہ رسالہ دستیاب نہیں ہے۔ فتاوی رضویہ جلد پنجم میں کچھ طبقات کا ذکر کیا ہے۔ انکا حوالہ اسی رسالہ سے دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر تفصیل مطلوب ہو، تو اس رسالہ کا مطالعہ کیجئے۔ (۴۵)

سب سے پہلے طبقاتِ کتبِ حدیث شاہ ولی اللہ نے ذکر کئے، انہوں نے تمام کتب احادیث کو چار طبقات میں ذکر کیا ہے۔ امام احمد رضا خاں کے ایک فتوی سے یہی ثابت ہوتا ہے، دوسری جگہ ''الباد الکاف'' میں بھی طبقات کا ذکر کیا ہے، اس تحریر سے پانچ طبقات معلوم ہوتے ہیں اور چھٹا طبقہ موضوعات کا ذکر کیا ہے۔ (۴۶)

مقصودِ طبقاتِ کتب حدیث:

اس سے مقصود یہ ہے کہ اس حدیث کی سند کی تحقیق کئے بغیر اس کے معیار کو ایک اصول کے ماتحت معلوم کیا جاسکے، مثلاً طبقہ اولی صحاح اسمیں بخاری، مسلم، موطا، صحیح ابن حبان، منتقی، ابن السکن، اور مختارہ۔ (۴۷)

دوسری جگہ ہے:

مستدرک بھی۔ (۴۸)

ان (مذکورہ بالا) سب کتب میں جتنی بھی حدیثیں ہیں، سب صحیح ہیں، سوائے مستدرک کے کہ جن احادیث پر اعتراضات کئے گئے۔

مستدرک کے بارے میں اور جگہ لکھا ہے:

مستدرک حاکم پر ذہبی کی تلخیص دیکھنے کے بعد اعتماد کیا جائے گا۔ (۴۹)

یعنی جن کتب میں صرف صحیح احادیث کو جمع کیا گیا ہے اور انکے مصنفین نے اسکی تصریح کی ہے، تو ان کتب کی احادیث کا یہ اصول وضع ہوا کہ بغیر سند پر نظر کئے استدلال کیلئے لائی جاسکتی ہیں۔

تو امام احمد رضا خاں نے تمام کتب احادیث کو ان طبقات کے اندر ذکر کر کے اصول بتا دیا کہ کس کتاب کی حدیث کس معیار کی ہے؟ اور کس قسم کے استدلال کیلئے پیش کی جاسکتی ہے؟

امام احمد رضا خاں نے احناف کی کتبِ احادیث کو دوسرے طبقہ کی قرار دیا ہے، لکھا ہے:

سُنَنِ اَبِیْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِیْ وَالتِرمِذِیْ، وَفِیْ مَرْ تَبَتِهَا مُسْنَدُ الرُّوْیَانِیْ، وَمِثْلُهَا بَلْ فَوْقَ بَعْضِهَا شَرْحُ مَعَانِیْ الْاٰثَارِ لِلطَّحَاوِیْ، وَکِتَابُ الْاٰثَارِ لِمُحَمَّدٍ، وَالْحِجَجُ لِعِیْسٰی بْنُ اَبَانَ عَنْ مُحَمَّدٍ، وَکِتَابُ الْخِرَاجِ لِاَبِیْ یُوْسُفَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنِ الْجَمِیْعِ۔ (۵۰)

ابن ماجہ کو اسی طبقہ میں ذکر کیا۔ (۵۱)

۱۹۔ تکثر استدلال:

(۱) صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین'' میں ۳۸ حدیثیں مرفوع اور ۱۵ آثار صحابہ و تابعین ہیں، اسمیں دونوں ہاتھوں سے مصافحہ پر استدلال کیا گیا ہے۔ (۵۲)

(۲)انھار الانوار من یم صلوۃ الاسرار میں نمازِ غوثیہ پر استدلال کیا گیا ہے، اسمیں ۳۶ مرفوع اور ۲ آثار ہیں۔(۵۳)

(۳)الحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ میں "لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ"۔ الایۃ(۸/۶۰) کی تفسیر ہی میں اقوالِ ائمۂ محدثین و فقہائے مجتہدین و علمائے محققین کے سواء ۴۳ احادیث مرفوعہ، موقوفہ ہیں۔اسکی حدیثوں کے ماخذ ۴۸ کتبِ تفسیر، حدیث، شروحِ حدیث، اسماء الرجال، سیر، معرفۃ الصحابہ، اصولِ حدیث اور فقہ وغیرہم ہیں۔حدیثوں کے ماخذ کے علاوہ دوسرے دلائل کے ماخذ ۷۳ کتب ہیں۔(۵۴)

(۴)شرح المطالب فی مبحث ابی طالب میں تین آیاتِ قرآنیہ:

اول: اِنَّکَ لَاتَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ۔

دوم: مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَلَوْ کَانُوْٓا اُولِیْ قُرْبٰی۔

سوم: وَھُمْ یَنْھَوْنَ عَنْہُ وَیَنْأَوْنَ عَنْہُ وَاِنْ یُّھْلِکُوْنَ اِلَّا اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ۔

کی تفاسیر ہی ہے۔جسمیں ۳۵ مرفوع حدیثیں ہیں اور اس رسالہ کے ماخذ ۱۳۰ کتب ہیں، جن میں کتبِ حدیث ۵۴، شروحِ حدیث ۹، کتبِ تفسیر، اصول تاریخ ۱۷، کتبِ سیر و تاریخ ۱۳، اسماء الرجال وغریب الحدیث ۹، اصولِ حدیث واصولِ فقہ ۵، عقائد اور فقہ وغیرہ دوسرے علوم کی کتب انکے علاوہ ہیں۔(۵۵)

(۵)برکات الامداد لاھل الاستمداد میں آیۃ کریمہ وایاک نستعین کی تفسیر میں پانچ آیتیں، چھتیس مرفوع حدیثیں اور پچیس سے اوپر اقوالِ محدثین، مفسرین، فقہاء اور علمائے محققین ذکر کئے، حدیثوں کے ماخذ صرف کتب احادیث ۴۵ ہیں اور پورے رسالہ کے کل ماخذ ۱۰۳ ہیں۔(۵۶)

(۶)جزاء اللہ عدوہ باباۂ ختم النبوۃ، میں اس عقیدہ کا رد کیا گیا ہے کہ حضرت علی، فاطمہ اور حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم انبیاء اور رسل ہیں۔امام احمد رضا خاں نے اس رسالہ کی ایسی ترتیب رکھی ہے کہ جس سے یہ رسالہ آیت ختم نبوت کی تفسیر بھی معلوم ہوتا ہے۔اس رسالہ میں ۹۰ حدیثیں مرفوع ہیں اور غیر مرفوع ۲۸ حدیثیں، تو کُل ۱۱۸ ہوئیں۔ان حدیثوں کے رواۃ اکہتر (۷۱) ہیں، جسمیں ساٹھ (۶۰) صحابہ اور گیارہ (۱۱) تابعین ہیں۔(۵۷)

(۷)حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات: یہ رسالہ مقدمہ، سہ مقاصد اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔اسمیں ۷۰ حدیثیں ہیں، انمیں سے تمام حدیثیں مقصد دوم میں ہیں، صرف ایک حدیث مقدمہ میں ہے۔مقصد اول مخالفین پر اعتراضات کے انداز میں انکے رد میں ہے۔اور مقصد سوم میں ایک سو اقوالِ علماء ہیں، ان علماء میں گیارہ صحابہ، بارہ تابعین اور تین تبع تابعین ہیں۔(۵۸)

اسکے حاشیہ میں لکھا ہے:

ناظر اول تا آخر اس کے مقامات کا مطالعہ کرے گا، تو ائمہ مذکورین کے سواء بہت علماء ومشائخ کے اسماء دیکھے گا میں

اتمام کلام کو ان کے نام بھی شمار کرتا (ہوں) اور عدد پونے دوسو تک پہنچاتا ہوں، متن میں سو (۱۰۰) ائمۂ سلف اور خلف اور دس (۱۰) معتمدینِ مخالف کے اسماء گنائے کہ سب ایک سو دس (۱۱۰) ہوئے، دو (۲) صحابہ، چھ (۶) تابعین اور دو (۲) تبع تابعین۔ (۵۹)

اسی میں آگے لکھتے ہیں، اس تحریر کا مقصد حدیث موقوف کے بارے میں بتانا ہے، لکھا ہے:

واضح ہو کہ ارشادات علیہ صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین مقصد احادیث میں مذکور ہونے کہ حدیث اصطلاحِ محدثین میں انہیں بھی شامل، معہذا امور قبور و احوالِ ارواحِ مفارقہ میں رائے کو دخل نہیں، تو یہاں موقوف بھی مرفوع میں داخل۔ (۶۰)

اس کے حاشیہ میں لکھا ہے:

علامہ سید شریف رحمہ اللہ تعالیٰ مقدمہ مصطلحات الحدیث میں فرماتے ہیں:

اَلْحَدِیْثُ اَعَمُّ مِنْ اَنْ یَّکُوْنَ قَوْلَ الرَّسُوْلِ ﷺ، وَالصَّحَابِیِّ وَالتَّابِعِیِّ وَفِعْلَہُمْ وَتَقْرِیْرَہُمْ۔ (۶۱)

تین سو مزید اقوال محدثین، مفسرین، فقہاء، و محققین وغیرہم نقل کئے۔ تو یہ اقوال احادیث مذکورہ کی تشریحات ہیں۔ (۶۲)

تو اس رسالہ میں ستر مرفوع اور ۲۹ موقوف احادیث صحابہ و تابعین، اور یہ احادیث موقوفہ غیر قیاسیہ ہیں: اس لئے ۹۹ حدیثیں مرفوعہ ہی ہوئیں۔ (۶۳) اور باقی تمام اقوال انکی تشریحات ہی متصور ہو نگے۔

(۸) تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین: رسول ﷺ کے افضل الرسل ہونے کے بارے میں یہ رسالہ تحریر کیا، اسکو دو ابواب میں تقسیم کیا، پہلا باب کتاب اللہ میں، اور دوسرا باب احادیث میں ہے، پھر دوسرے باب کو چار فصول میں منقسم کیا اور اس میں ایک تذییل بھی ہے، اس رسالہ صرف احادیث ایک سو تیرہ (۱۱۳) ہیں اور دس (۱۰) آیات پہلے ہی باب میں ہیں، پھر انکی تفسیر کئی آیات سے فرمائی ہے۔ تو یہ رسالہ فضائل کے علاوہ عقیدہ اور تفسیر آیات کا بھی ہے۔ (۶۴)

(۹) اِنْبَاءُ الْحَیِّ اَنَّ کَلَامَہُ الْمَصُوْنَ تِبْیَانٌ لِّکُلِّ شَیْءٍ: میں علوم قرآن وعلومِ مصطفیٰ ﷺ کو بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ کئی اصولِ تفسیر بھی ذکر کئے ہیں۔ اصل میں چھ آیات کی تفسیر ہے، لیکن ضمناً ایک سو سے زائد آیات کی تفسیر ہے۔ ۴۱۶ مرفوع حدیثیں، ۴ مرسل، ۲۰۰ سے زائد آثار صحابہ و تابعین ہیں۔ ائمۂ مجتہدین ثلاثہ، تبع تابعین، صوفیاء اور علماء محققین کے اقوال انکے علاوہ ہیں، جو سیکڑوں کی تعداد میں ہیں۔

احادیث و آثار کی تشریحات کتب شروح حدیث اور دوسرے علوم کی کتب سے کیں۔

اس کتاب کے ماخذ ۲۶۰ ہیں۔ انمیں ۱۴۴ کتبِ حدیث، شروحِ حدیث اور اسماء الرجال ہیں۔ صرف اسی ایک کتاب سے امام احمد رضا خاں کا علوم حدیث میں تبحر ثابت ہوتا ہے۔ اسی رسالہ میں تقریباً ۵۰ کے قریب علمائے حدیث پر منیۂ جرح و تعدیل بھی فرمائی ہے۔ سینکڑوں الفاظ کے لغوی اور اصطلاحی معانی ذکر کئے۔ (۶۵)

حواشی وحوالجات

(۱) الحشر: ۷/۵۹۔

(۲) انوارِ رضا، ص: ۳۵۵۔

(۳) الاجازت المتینۃ لعلماء مکۃ والمدینۃ، رسائل رضویہ، ۲/۲۶۸-۲۷۱، ۳۳۲-۳۳۵، بریلوی، احمد رضا خاں، مکتبہ حامدیہ لاہور، بار اول۔ اور (تذکرہ علمائے ہند) فقیہِ اسلام، ص: ۱۶۸، اعظمی، ڈاکٹر حسن رضا، ادارہ تصنیفات امام احمد رضا کراچی۔ اور نزہۃ الخواطر، ۸/۳۸، ندوی عبدالحئی، نور محمد کارخانہ آرام باغ کراچی ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء۔ اور ماہنامہ اعلیٰ حضرت جون ۱۹۹۱ء، ص: ۵۹۔

(۴) احمد رضا خاں کی خدماتِ حدیث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، ص: ۲۵۱، سعیدی، منظور احمد، کمپوز شدہ۔

(۵) تدریب الراوی، ۱/۵۳، السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن، دار النشر الکتب الاسلامیۃ لاہور۔

(۶) کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، ۱/۱۴-۱۸، چلپی، مصطفیٰ بن عبداللہ حاجی خلیفہ کاتب مکتبۃ المثنیٰ بغداد۔

(۷) احمد رضا خاں کی خدماتِ حدیث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، ص: ۲۵۱۔

(۸) العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ، ۱۰/۱۸۷، البریلوی، امام احمد رضا خاں، رضا فاؤنڈیشن لاہور۔

(۹) العطایا النبویۃ، ۱۰/۱۸۸۔

(۱۰) العطایا النبویۃ، ۱۰/۱۸۹۔

(۱۱) العطایا النبویۃ، ۱۰/۱۹۹۔

(۱۲) العطایا النبویۃ، ۱۰/۱۹۲۔

(۱۵) العطایا النبویۃ، ۱۰/۱۹۲۔

(۱۶) العطایا النبویۃ، ۱۰/۱۹۵۔

(۱۷) العطایا النبویۃ، ۱۰/۱۹۷۔

(۱۸) العطایا النبویۃ، ۱۰/۱۹۳۔

(۱۹) العطایا النبویۃ، ۱۰/۱۹۹۔

(۲۰) العطایا النبویۃ، ۱۰/۲۰۱۔

(۲۱) العطایا النبویۃ، ۱۰/۲۰۰۔

(۲۲) العطایا النبویۃ، ۱۰/۱۹۹۔

(۲۳) ارشاداتِ اعلیٰ حضرت، ص: ۷۰-۷۱، نعمانی مصباحی، عبدالمبین، ادارہ تصنیفات امام احمد رضا کراچی اشاعت نمبر ۵۰۔

(۲۴) احمد رضا خاں کی خدماتِ حدیث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، ص: ۱۰۸۔

(۲۵) سرور القلب، ص: ۱۰۹، بریلوی، حضرت نقی علی خاں، مطبوعہ کراچی۔

(۲۶) احمد رضا خاں کی خدماتِ حدیث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، ص: ۱۰۸۔

(۲۷) تذکرۃ الحفاظ، ۱/۷۱، ذہبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد، دار الکتب العربیۃ مصر ۱۹۶۳ء۔

(۲۸) تذکرۃ الحفاظ، ۱/۷۳، ۷۴۔

(۲۹) تذکرۃ الحفاظ، ۱/۴۹-۵۰۔

(۳۰) العطایا النبویۃ، ۱۰/۲۰۰۔

(۳۱) العطایا النبویۃ، ۱۰/۲۰۱۔

(۳۲) العطایا النبویۃ، ۱۰/۲۰۱۔

(۳۳) العطایا النبویۃ، ۱۰/۲۰۰۔

(۳۴) العطایا النبویۃ، ۱۰/۲۰۰۔

(۳۵) العطایا النبویۃ، ۵/۱۷۸۔

(۳۶) العطایا النبویۃ، ۵/۱۸۱۔

(۳۷) العطایا النبویۃ، ۵/۳۰۵۔

(۳۸) العطایا النبویۃ، ۵/۳۰۵-۳۰۶۔

(۳۹) العطایا النبویۃ، ۵/۳۰۶۔

(۴۰) العطایا النبویہ، ۵/ ۳۰۰۔
(۴۱) العطایا النبویہ، ۵/ ۳۰۰-۳۰۱۔
(۴۲) نقشِ شہنشاہِ دوان القلوب بید المحبوب بعطاء اللہ، ص: ۲۵، بریلوی، امام احمد رضا خاں، پروگریسو، لاہور۔
(۴۳) تدریب الراوی، ۲/ ۲۹۱، السیوطی۔
(۴۴) نقشِ شہنشاہ، ص: ۱۹-۲۰۔
(۴۵) احمد رضا خاں کی خدماتِ حدیث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، ص: ۷۷۳۔
(۴۶) احمد رضا خاں کی خدماتِ حدیث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، ص: ۶۸۰-۶۸۳۔
(۴۷) العطایا النبویہ و حاشیہ، ۴/ ۲۱۰۔
(۴۸) العطایا النبویہ، ۵/ ۵۴۰، ۵۴۵۔
(۴۹) العطایا النبویہ، ۵/ ۵۴۵، ۵۴۶۔
(۵۰) العطایا النبویہ و حاشیہ، ۴/ ۲۱۰-۲۱۱۔
(۵۱) العطایا النبویہ، ۵/ ۵۴۱، ۵۴۷۔
(۵۲) احمد رضا خاں کی خدماتِ حدیث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، ص: ۳۳۔
(۵۳) احمد رضا خاں کی خدماتِ حدیث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، ص: ۲۴۔
(۵۴) احمد رضا خاں کی خدماتِ حدیث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، ص: ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۶۲، ۷۷۱-۷۷۲۔
(۵۵) احمد رضا خاں کی خدماتِ حدیث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، ص: ۱۷۱۔
(۵۶) احمد رضا خاں کی خدماتِ حدیث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، ص: ۲۷۷۔
(۵۷) مجموعہ رسائل، رسالہ ختم نبوت، ۳/ ۲۲۴-۳۵۴، (مرتبہ مفتی سید شجاعت علی قادری)، بریلوی، امام احمد رضا خاں، مدینہ پبلشنگ، کراچی، اور العطایا النبویہ، ۱۵/ ۶۲۹-۷۱۰، اور احمد رضا خاں کی خدماتِ حدیث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، ص: ۵۱۵۔
(۵۸) العطایا النبویہ، ۹/ ۷۲۶-۷۳۲۔
(۵۹) حاشیہ العطایا النبویہ، ۹/ ۷۳۹-۷۴۱۔
(۶۰) العطایا النبویہ، ۹/ ۷۴۲-۷۴۳۔
(۶۱) العطایا النبویہ، ۹/ ۷۴۲۔
(۶۲) العطایا النبویہ، ۹/ ۷۴۳-۹۴۲۔
(۶۳) احمد رضا خاں کی خدماتِ حدیث کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، ص: ۲۵۴۔
(۶۴) تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین ﷺ۔
(۶۵) انباء الحی ان کلامہ المصون تبیان لکل شئی۔

خوشخبری خوشخبری خوشخبری خوشخبری خوشخبری خوشخبری خوشخبری خوشخبری خوشخبری خوشخبری خوشخبری خوشخبری خوشخبری خوشخبری

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ احمد رضا خان پر کتاب مستطاب

حیاتِ اعلیٰ حضرت

تالیف لطیف

ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری

ترتیب و تہذیب

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی
علامہ مولانا مفتی مطیع الرحمن رضوی

قیمت پہلا حصہ: ۵۰۰ روپے دوسرا حصہ: ۳۰۰ روپے

ناشر: مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور

نوٹ: مطالعۂ رضویات پر یہ اہم اور بنیادی مآخذ کی کتاب حیات اعلیٰ حضرت (دو حصے)

برصغیر پاک و ہند میں پہلی بار شائع ہوئی ہے 50% رعائتی قیمت میں

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی

کے دفتر سے حاصل کی جا سکتی ہے اور بذریعہ ڈاک بھی منی آرڈر کے ذریعہ منگوائی جا سکتی ہے۔

خوشخبری خوشخبری خوشخبری خوشخبری خوشخبری خوشخبری خوشخبری خوشخبری خوشخبری خوشخبری خوشخبری خوشخبری خوشخبری خوشخبری

علامہ مولانا نقی علی خاں کی تصنیف

”ھدایۃ البریہ الی الشریعۃ الاحمدیہ“

ایک جائزہ

از: علامہ مولانا عبدالسلام رضوی*

یہ ہمارے لئے انتہائی سعادت و نیک بختی کی بات ہے کہ ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کے ایک ولی، محبوب خدا ﷺ کے عاشقِ صادق، امام المتکلمین حضرت علامہ شاہ محمد نقی علی خاں صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہِ عظمت میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کیلئے حاضر ہیں اور ”عِنْدَ ذِکْرِ اَوْلِیَاءِ اللّٰہِ تَنْزِلُ الرَّحْمَۃ“ کے مطابق نزولِ رحمت باری کے مستحق ہیں۔

حضرت امام المتکلمین علامہ محمد نقی علی خاں قدس سرہ العزیز تیرھویں صدی ہجری کے ان مقتدر علماء دین میں سے ہیں جن کی زندگی کے شب و روز خدا اور رسول کیلئے وقت تھے اور جنہوں نے اخلاص وللہیت کا پیکر بن کر مختلف طریقوں سے دین متین کی وہ بیش بہا خدمات انجام دیں، جن کو رہتی دنیا تک فراموش نہیں کیا جاسکتا اور ہم ان کے شکر کے اخلاقی فریضے سے پوری طرح عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔

حضرت امام المتکلمین نے اپنی سیرتِ طیبہ سے بھی ارشاد وہدایت کا فریضہ انجام دیا کہ آپ نے اپنے مبارک عمل سے لوگوں کے دلوں میں رسول اکرم ﷺ کے عشق و محبت کی روح پھونکی، اعدائے دین پر غلظت وشدت کا درس دیا، فقراء کے ساتھ محبت کرنا سکھایا، صاحبانِ حکومت واقتدار سے علیحدگی کی تعلیم دی، دینی امور میں اغنیا کی پرواہ نہ کرنیکی ہدایت فرمائی، بے لوث خدمت دین کرنے کی تلقین کی، استغناؤ قناعت، سخاوت وشجاعت اور کرم و مروت کا سبق سکھایا۔

تدریس وتعلیم کے ذریعہ بھی خدمت دین فرمائی اور اس شان سے علم کی دولت تقسیم فرمائی کہ آپ کی درسگاہ کے فیض یافتگان، علمی دنیا میں عظیم ترین مراتب کے حامل ہوئے۔ کسی کو استاذ زمن (علامہ مولانا حسن رضا خاں حسن بریلوی) کہہ کر ان کی علمی صلاحیتوں کا اعتراف کیا گیا۔ کسی کو سیف اللہ المسلول (علامہ مولانا سید ھدایت رسول قادری برکاتی رضوی لکھنوی) کے لقب سے یاد گیا اور کسی کے تجر علمی کو عجم ہی نے نہیں بلکہ عرب نے بھی تسلیم کیا اور ان کی جامعیت کمالات کا یہ کہہ کر اعتراف کیا گیا۔

لَیْسَ عَلَی اللّٰہِ بِمُسْتَنْکَرٍ
اَنْ یَجْمَعَ الْعَالَمَ فِی وَاحِدٍ

اللہ تعالیٰ پر کچھ دشوار نہیں کہ وہ دنیا بھر کی خوبیوں کو فرد

*(استاذ جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی شریف، ھند)

واحد میں جمع فرمادے۔ (مجددِ ملت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی)

نواب نیاز احمد خاں صاحب ہوش بریلوی آپ کے علمی جلالت اور تدریسی خدمات کا ذکر کرتے ہیں:

''اکثر اشخاص کو تعلیمِ علم کا شوق دلاتے ہیں۔ اپنا وقت دینیات کے پڑھانے میں صرف کرتے ہیں۔ ہنگام کلام علم کا دریا بہہ جاتا ہے۔

اَلْعَالِمُ اِذَا تَکَلَّمَ فَھُوَ بَحْرٌ تَمَوَّجَ

''عالم جب کلام کرتا ہے تو اس کی مثال بحر موج کی ہوتی ہے''

کا مضمون انہی کی ذات مجمع حسنات پر صادق آتا ہے۔

کسی علم میں عاری نہیں۔ ہر علم میں دخل معقول ہونا، بجز عنایت باری نہیں اور خیر میں اپنے اوقات صرف کرنے میں دشواری نہیں۔ مسائل مشکلۂ معقول نے ان کے سامنے مرتبۂ حضور پایا۔ منقول میں بدونِ حوالۂ آیت اور حدیث کلام نہ کرنا ان کا قاعدۂ کلی نظر آیا۔ ان کے حضور اکثر منطقی اپنے قیاس و شعور کے مطابق ''صغرائے ثنا'' اور ''کبرائے مدح'' کو ''شکلِ بدیہی الانتاج'' بنا کر دعوائے توصیف کو ثابت کر دکھاتے ہیں۔ آخر الذکر نتیجہ نکالتے وقت یہ شعر زبان پر لاتے ہیں۔

کیا عجب مدرسۂ علم میں اس عالم کے
شمس آکر سبق ''شمسیہ'' پڑھتا ہوا گر

(مولانا نقی علی خاں بریلوی، بحوالہ تقریظ سرور القلوب، ص۶)

آپ کے تلامذہ کی جو فہرست ملتی ہے وہ اگر چہ مختصر ہے لیکن یہ چند تلامذہ علمی دنیا میں ایسی بلند و بالا شان کے حامل ہیں کہ سینکڑوں نہیں ہزاروں پر بھاری ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قدس سرہ العزیز اپنی تمام تر علمی صلاحیتوں کو آپ کی تعلیم و تربیت کا ثمرہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''ھاں ھاں! یہ کفش بردارِ خدامِ درگاہ فضائل پناہ اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، اعلم العلماء الربانیین، افضل الفضلاء الحقانیین، حامی السنن السنیہ، ماحی الفتن الدنیہ، بقیۃ السلف المصلحین، حجۃ الخلف المفلحین، آیۃ نیہ، بقیۃ السلف المصلحین، حجۃ الخلف المفلحین، آیۃ من آیات رب العالمین، معجزۃ من معجزات سید المرسلین، صلی اللہ تعالی علیہ وعلیہم وبارک وسلم اجمعین، ذی التصنیفات الرائقہ، والتحقیقات الفائقہ والتدقیقات الشائقہ، تاج المحققین، سراج المدققین، اکمل الفقہاء والمحدثین، حضرت سیدنا الوالد، امجد الاماجد، اطیب الاطائب، مولانا مولوی محمد نقی علی خاں صاحب، محمدی، سنی، حنفی، قادری، برکاتی، بریلوی، قدس اللہ سرہٗ، وعمم برہٗ، وتمم نورہٗ، واعظم اجرہٗ، واکرم نزلہٗ وانعم منزلہٗ، ولاحرمنا سعدہٗ، ولم یفتنا بعدہٗ ھی، والحمد للہ، وھو دھر الدھاھرین''

(فتاویٰ رضویہ، جلد۵، ص۱۶۴، جدید ایڈیشن، رضا اکیڈمی ممبئی)

ایک اور مقام پر یوں فرماتے ہیں:

''ردو ہابیہ، افتا، یہ دونوں ایسے فن ہیں خطب کی طرح یہ بھی

صرف پڑھنے سے نہیں آتے۔ ان میں طبیب حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے۔ میں بھی ایک حاذق طبیب (یعنی حضرت علامہ محمد نقی علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کے مطب میں سات برس بیٹھا ہوں''۔

(الملفوظ، حصہ اول، ص۸۴)

حضرت امام المتکلمین نے افتا کے ذریعہ بھی اہل اسلام کی رہنمائی فرمائی اور ربع صدی سے زیادہ انتہائی حسن وخوبی کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیا۔ اعلیٰ حضرت آپ کی فقہی عظمت و رفعت کے بارے میں اس طرح رقم طراز ہیں:

''اس جناب رفیع قدس اللہ سرہٗ البدیع کو اصول حنفی سے استنباط فروع کا ملکہ حاصل تھا۔ اگرچہ کبھی اس پر حکم نہ فرماتے۔ مگر یوں ظاہر ہوتا تھا کہ نادر و دقیق اور مفصل مسئلہ پیش نہ ہوا کہ کتب متداولہ میں جس کا پتہ نہیں۔ خادم کمینہ کو مراجعتِ کتب واستخراجِ جُزیہ کا حکم ہوتا اور ارشاد فرماتے، ظاہراً حکم یوں ہونا چاہیے، جو وہ فرماتے وہی نکلتا یا بعض کتب میں اس کا خلاف نکلتا تو زیادتِ مطالعہ نے واضح کر دیا کہ دیگر کتب میں ترجیح اسی کو دی۔ جو حضرت نے ارشاد فرمایا تھا۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد۱۲، ص۱۳۰، مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

اور تدریس ہو یا افتا یا دیگر خدماتِ دینیہ یہ سب خالصۃً لوجہ اللہ تھیں آپ نے کبھی بھی خدمت دین کو حُطام دنیا کے حوصل کا ذریعہ نہیں بنایا۔

حضرت امام المتکلمین نے ان خدماتِ جلیلۂ وعظمیہ کے ساتھ ساتھ ترویجِ دین، ہدایتِ مسلمین، نکایتِ اعدا اور حمایتِ مصطفیٰ ﷺ کی غرض سے تصنیف و تالیف کی طرف بھی بھرپور توجہ فرمائی اور مختلف علوم وفنون میں ایسی عظیم ترین تصنیفات امت مسلمہ کو عطا فرمائیں جن کی افادیت واہمیت میں آج بھی کوئی فرق نہیں آیا اور آج بھی ان کے مطالعہ سے اہل اسلام فیضیاب ہو رہے ہیں اور ان شاء اللہ تبارک وتعالیٰ صبح قیامت تک ہوتے رہیں گے۔

فنا کے بعد بھی باقی ہے شان رہبری تیری
خدا کی رحمتیں ہوں اے امیر کارواں تجھ پر

آپ کی تصنیفات کے مطالعہ کی برکت سے عقائد میں پختگی اور نکھار آتا ہے، محبت خدا و رسول کے جذبات میں ترقی ہوتی ہے، قلوب کو جلا حاصل ہوتی ہے اور عمل صالح کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی پچیس کتابوں کا ذکر فرمایا ہے، جن کے نام یہ ہیں:

(۱) الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرہ،
(۲) وسیلة النجاة،
(۳) سرور القلوب فی ذکر المحبوب
(۴) جواهر البیان فی اسرار الارکان،
(۵) اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد،
(۶) هدایة البریه الی الشریعة الاحمدیه،
(۷) اذاقة الآثام لمانعی عمل المولد والقیام
(۸) فضل العلم والعلماء
(۹) ازالة الاوهام
(۱۰) تذکرية الایقان، رد تقوية الایمان:

ان کے بارے میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''یہ عشرۂ کاملہ زمانۂ حضرت مصنف قدس سرہ میں تبیض پا چکا''

اس کے بعد دوسری کتابوں کے نام بیان فرماتے ہیں:

(۱۱) الکوکب الزاھراء، فی فضائل العلم و آداب العلماء

(۱۲) الروایۃ الرویّہ، فی الاخلاق النبوّیہ

(۱۳) النقادۃ النقویہ، فی الخصائص النبویہ

(۱۴) لمعۃ النبراس، فی آداب الاکل واللباس

(۱۵) التمکن فی تحقیق مسائل التزین

(۱۶) احسن الوعاء الآداب الدعاء

(۱۷) خیر المخاطبہ، فی المحاسبۃ والمراقبہ

(۱۸) ھدایۃ المشتاق، الیٰ سیر الانفس والآفاق

(۱۹) ارشاد الاحباب، الیٰ آداب الاحتساب

(۲۰) اجمل الفکر، فی مباحث الذکر

(۲۱) عین المشاھدہ لحسن المجاھدہ

(۲۲) تشوق الاوّاہ، الیٰ طرق محبۃ اللّٰہ

(۲۳) نھایۃ السعادہ فی تحقیق الھمۃ والارادہ

(۲۴) اقوی الذریعہ، الیٰ تحقیق الطریقۃ والشریعہ

(۲۵) ترویج الارواح، فی تفسیر سورۃ الانشراح،

ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

''ان میں پندرہ رسائل مابین وجیز و وسیط کے مسودات موجود ہیں۔ جن کی تبیض کی فرصت حضرت مصنف قدس سرہ نے نہ پائی اور باقی کتب کے بارے میں فرماتے ہیں، ان کے سوا اور تصانیف شریفہ کے مسودے بستوں میں ملتے ہیں مگر منتشر، جن کے اجزاء، اول، آخر یا وسط سے گم ہیں۔ ان کے بارے میں حسرت و مجبوری ہے''

اور ''اصلاحِ ذات بین'' کا ذکر کتابوں کے شمار سے پہلے اس طرح فرمایا ہے:

''یہاں تک ۲۶ر شعبان ۱۲۹۳ھ کو مناظرۂ دینی کا عام اعلام مسمّٰی بنام تاریخ ''اصلاح ذات بین'' طبع کرایا (مختصر حالات حضرت مصنف علام مشمولہ ''جواھر البیان فی اسرار الارکان'' ص۶)

میں ان سطور میں حضرت امام المتکلمین کی ایک عظیم تصنیف ''ھدایۃ البریہ، الیٰ الشریعۃ الاحمدیہ'' کے بارے میں قدرے تفصیل سے عرض کرنا چاہتا ہوں مجھے کامل اعتراف ہے کہ مجھ جیسا بے بضاعت اس کام کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ اس امر کیلئے تو کسی شناور کی ضرورت ہے جو علم و حکمت کے اس بحرِ زخار میں غوطہ زن ہو اور اس کے اندر جو علوم و معارف کے گہر آبدار ہیں ان کو نکال کر نذر قارئین کر سکے لیکن اس واسطے سے راقم کو ضرور سعادت حاصل ہو جائے گی اور کچھ نہ کچھ کتاب کا تعارف بھی ہو ہی جائے گا۔

''ہدایۃ البریہ'' جو سائز ۲۶×۲۰ر کے اڑتالیس صفحات پر مشتمل اور طرزِ قدیم پر مکتوب بے بیش بہا معلومات کا خزانہ ہے۔ اس میں فقہی معلومات بھی ہیں، عقائد کی درستگی کا سامان بھی ہے، حسنِ عمل کی ترغیبات بھی ہیں اور شریعت و طریقت کے رموز و اسرار بھی۔

حضرت امام المتکلمین نے اس کتاب میں دس فرقوں کا بیان فرمایا ہے۔ ان میں بعض وہ ہیں جو فسق و فجور کا شکار ہو کر اپنی آخرت برباد کررہے ہیں۔ بعض وہ ہیں جو راہِ حق سے منحرف ہو کر ضلالت و گمراہی کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہے ہیں اور بعض وہ ہیں جنہوں نے ایمان و اسلام کا زریں قلادہ اپنی گردنوں سے نکال دیا ہے۔ کتاب کے آغاز میں حضرت مصنف اس طرح رقم طراز ہیں:

''پس از حمد و نعت واضح ہو کہ اس زمانہ پر آشوب میں ایک عالم حد ود شرع سے تجاوز اور اس میں مداخلت بیجا کرتا ہے۔ ہر جاہل کا عقیدہ جدا اور عمل کا طریقہ نیا ہے۔ خصوصاً دس فرقوں نے عجب طرح کا فساد برپا کیا ہے۔ لہٰذا فقیر سراپا معصیت محمد نقی علی، محمدی، حنفی بریلوی، عاملہ اللہ بلطفہ الخفی الوفی، بنظر خیر خواہی و نصیحتِ برادران دینی، یہ چند کلماتِ مسماۃ بہ ''ھدایۃ البریہ الی الشریعۃ الاحمدیہ علی صاحبھا الصلوٰۃ والتحیہ''، ان کی خدمت میں گزارش کرتا ہے۔ اگر پسند فرمادیں، عاجز کے حق میں دعائے خیر کریں اور جو ناگوار طبع ہو معذور رکھیں کہ باوجود قدرت ازالۂ منکراتِ شرعیہ واجب اور بخوف و لحاظِ خلق اخفائے حق نامناسب۔ سوا اس کے حق، گو بظاہر تلخ ہو، نفع سے خالی نہیں واللہ الموفق وبہ نستعین''(ص ۲)

طریقہ مبارکہ یہ ہے کہ پہلے فرقے کے افکار فاسدہ کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر ان کے رد وابطال کی طرف توجہ فرماتے ہیں۔ رد میں قرآن مجید اور احادیث مبارکہ پیش فرماتے ہیں۔ ان پر الزام بھی قائم کرتے ہیں۔ مشاہدات کے ذریعے بھی تفہیم فرماتے ہیں اور درد بھرے انداز میں نصیحت بھی فرماتے ہیں۔ انداز بیان ایسا حکیمانہ اور پرتاثیر ہے کہ جو بات فرماتے ہیں دل نشین ہوجاتی ہے۔ حضرت علامہ عبدالحکیم شرف صاحب مدظلہ العالی نے آپ کے طرز تحریر کے بارے میں جو رائے ارشاد فرمائی ہے وہ بہت جامع اور مبنی بر حقیقت ہے، فرماتے ہیں:

''آپ کی تصانیف آپ کے تبحر علمی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ انداز بیان ناصحانہ اور دل نشین ہے۔ امام غزالی کا پر سوز لب ولہجہ قاری کے دل و دماغ دونوں کو اپیل کرتا ہے''

(تقدیم سرور القلوب، ص ث)

حقیقت یہ ہے کہ اہل اللہ کی پند و نصیحت میں بڑی تاثیر ہوتی ہے۔ ان کی زبان سے نکلے ہوئے چند کلمے وہ اثر کرتے ہیں جو دوسروں کی طولانی تقاریر اور تفصیلی تحاریر بھی نہیں کرتیں اور کیوں نہ ہو؟ یہ حضرات طبیب روحانی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ مخصوص بصیرت سے لوگوں کی طبیعتوں کو پہچان لیتے ہیں اور انہی کے موافق ہدایت و اصلاح کا معاملہ فرماتے ہیں اور جب دوا مزاج کے موافق دی جاتی ہے تو اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔

نیز خیر خواہی کا جذبۂ صادق اور درد دل بھی ان کے کلام میں شامل ہوتا ہے اور کسی نے صحیح کہا ہے:

اَلْکَلِمَۃُ اِذَا خَرَجَتْ مِنَ الْقَلْبِ دَخَلَتْ فِی الْقَلْبِ وَاِذَا خَرَجَتْ مِنَ اللِّسَانِ لَمْ تَتَجَاوَزِ الْآذَانِ

یعنی بات میں جب جذبۂ دل شامل ہوتا ہے تو وہ دل پر اثر انداز ہوتی ہے اور جب صرف زبان سے نکلتی ہے اور دل کی موافقت اسے حاصل نہیں ہوتی تو کانوں میں ہی محدود رہتی ہے۔ اسی حقیقت کو کسی اردو شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے ؎

میری تقریر طبعِ یار کو بے چین کرتی ہے
سبب کیا ہے؟ وہی کہتا ہوں جو دل پر گزرتی ہے

حکیم بوعلی سینا ایک مرتبہ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ اس وقت اسم ذات شریف کے فوائد اور تاثیرات بیان فرمارہے تھے۔ حکیم کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ صرف الف، لام اور ہا کہہ دینے میں اتنی خاصیتیں ہوں کہ بیمار اچھا ہوجائے، یا مشکل آسان ہوجائے، یا کسی دوسری بات کا ظہور

ہوجائے۔ اس نے اپنا شبہ حضرت پر ظاہر کیا۔ آپ سمجھتے تھے کہ حکیم ظاہر بیں ہے، اسباب وعلل پر اس کی نظر ہے اور اپ اس کی اصلاح بھی چاہتے تھے اس لئے آپ نے حکیم سے فرمایا! اے خرتو چہ دانی؟ یعنی اے گدھے تو کیا جانے۔ اپنے لئے لفظ ''خر'' سن کر حکیم پر اتنا اثر ہوا کہ وہ سر سے پیر تک عرق آلود ہوگیا۔ حضرت نے جب یہ کیفیت ملاحظہ فرمائی تو فرمایا:

''اے حکیم میں نے تم کو نہ مارا اور نہ کوئی دوا دی۔ میں نے تم کو خر کہہ دیا جو صرف ''خا'' اور ''را'' ہے۔ اس کے سننے سے تم پسینہ پسینہ ہوگئے۔ رنگت زرد پڑگئی۔ حالانکہ یہ معمولی حیوان کا نام ہے۔ پھر اس ذات پاک کا نام مبارک میں جو بھی تاثیر ہو کم ہے جو سارے جہان کا پیدا کرنے والے ہے۔ یہ سن کر حکیم کو ہوش آیا، غفلت کے پردے ہٹے اور وہ آپ کی ولایت اور دانش کا معترف ہوا۔

(بزم خیر از زید، مصنفہ مولانا شاہ زید ابوالحسن فاروقی مجددی، دہلوی، ص ۱۴۰)

سرکار اعلیٰ حضرت نے ایک مقام پر ایک صاحب کو دیکھا کہ رکوع میں چہرا اوپر کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ آپ نے ان کو ٹوکا اور رکوع کا درست طریقہ ارشاد فرمایا۔ انہوں نے کہا میں نے یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا تھا تا کہ چہرہ قبلہ سے نہ پھرے۔ سرکار اعلیٰ حضرت نے اس کے جواب میں صرف ایک مختصر جملہ ارشاد فرمایا، آپ نے فرمایا! پھر تو سجدہ بھی ٹھوڑی ہی پر کرتے ہوں گے۔

مطلب یہ تھا کہ جب آپ کا مقصود یہ ہے کہ قیام وقعود کے علاوہ بھی چہرہ قبلہ ہی کی طرف رہے تو سجدہ میں اس کی صورت یہی ہوگی کہ پیشانی کے بجائے ٹھوڑی پر سجدہ کیا جائے۔ اس مختصر سے حکیمات جملہ سے غلطی کا ازالہ ہوگیا اور ان کی اصلاح ہوگئی۔

یہ خوبی حضرت امام المتکلمین کے کلام میں بھی بدرجۂ اتم واکمل جلوہ گرنظر آتی ہے۔ آپ ایسے حکیمانہ ومدبرانہ انداز میں کلام فرماتے ہیں کہ اوہام کا غبار چھٹ جاتا ہے اور ایمان وعمل کا چہرہ کھل اٹھتا ہے۔ بشرطیکہ مُہرِ خداوندی کی وجہ سے قبولِ حق کی صلاحیت سلب نہ ہوچکی ہو۔

اب ہدایۃ البریہ سے دس فرقوں کا ذکر کرتا ہوں۔ فرقۂ اولیٰ کے ردّ واصلاح کے بارے میں حضرت مصنف کے جوارشادات ہیں ان کی تلخیص وتسہیل بھی پیش کروں گا۔ باقی فرقوں کا تعارف اور مختصراً دوسرے امور مذکور ہوں گے۔ اس کے بعد متفرق اقتباسات ذکر کرنے کی سعادت حاصل کروں گا حضرت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

فرقۂ اولیٰ:

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی عقل ناقص کی پیروی کرتے ہیں۔ انہوں نے اس کو اپنا امام بنایا ہوا ہے۔ مسائل جبر وقدر، صحابہ کے باہمی اختلافات وتنازعات اور اس جیسے دوسرے مسائل میں دخل بیجا کرتے ہیں۔ نیز ان امور میں بھی فکر کرتے ہیں جن کا سمجھنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے۔ مثلاً آیات متشابہات، وہ دینی احکام جن کی حکمتوں تک عقل کی رسائی نہیں ہوسکتی اور اسرارِ الٰہی، پھر ظلم یہ ہے کہ جوبات ان کی ناقص عقل میں نہیں آتی اس سے منکر ہوجاتے ہیں۔

اس تعارف کے بعد حضرت فہمائش فرماتے ہیں:

''انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عقلیں عوام یعنی غیر انبیاء کی عقلوں سے بالبداہت ازید واکمل ہیں اور حضور سید عالم ﷺ کی عقل مقدس تمام مخلوقات سے کامل

ہے۔ صوفیۂ کرام فرماتے ہیں کہ ارشاد مبارک ''اول ماخلق اللہ العقل''، میں عقل اول سے مراد حقیقت محمدی اور آپ کی روح مبارک ہے کہ (آپ ﷺ) عالم قدس میں مربّی ارواح تھے اور جوہر بدن سے متعلق ہوکر اس عالم کی ہدایت وارشاد میں مشغول ہوئے۔ عقول انسانیہ اس عالم اور اس عالم میں اسی سے فیض حاصل کرتی ہیں جیسے ذرّے آفتاب سے کہ جب وہ نکلتا ہے یہ ظاہر چمکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ عکس اصل سے مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اسی لئے ہزاروں عُقلا نورِ نبوت کے معارضہ سے عاجز آئے۔ وھب ابن منبہ کہتے ہیں: میں نے اکثر کتابوں میں لکھا دیکھا کہ سارے جہاں کی عقل، عقلِ محمد ﷺ سے وہ نسبت بھی نہیں رکھتی ہے جو ریت کے ایک ذرے کو ریگستانِ دنیا سے ہے اور یہ عام طریقہ ہے کہ جو شخص عقل کے اعتبار سے افضل ہو اور اسے علم اور تجربہ بھی حاصل ہو تو دوسرے لوگ اس شخص کی بات واجب التسلیم اور اس کے کام میں دخل دینا فضول سمجھتے ہیں۔ طبیب جب دوا دیتا ہے تو لوگ اس کو بے تامل استعمال کرتے ہیں۔ نہ دوا کی خاصیت و مزاج معلوم کرتے ہیں اور نہ انہیں مرض کی تشخیص ہوتی ہے۔ اسی طرح لوگوں پر لازم ہے کہ نورِ نبوت کے حضور سر جھکائیں جو ارشاد ہو بے چون وچرا بجا لائیں۔ اپنی عقل کو دخل نہ دیں اور جو نہ بتایا اس کی فکر میں نہ پڑیں کہ نہ بتانا بھی حکمت ہے اگر چہ ہماری سمجھ نہ آئے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق ہے۔ اس کا کوئی حکم اور فعل حکمت سے خالی نہیں ہوسکتا۔ کس صراحت کے ساتھ فرمایا جارہا ہے ''وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ'' کہ ہم جانتے ہیں تم نہیں جانتے اور ارشاد ہوتا ہے:

''وَالرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِرَبِّنَا . وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَاب''

یہ آیت صاف اور صریح طور پر خبر دیتی ہے دانشمند ایسی باتوں میں غور وخوض نہیں کرتے جو شرع نے نہ بتائیں۔ انہیں اس حیثیت سے مانتے ہیں کہ ہمارے مولیٰ کی باتیں ہیں۔ اگر چہ عقل ان کی حقیقت نہ دریافت کرے۔ شیطان نے حکمِ الٰہی میں دخل دیا کہ آدم (علیہ السلام) خاک سے اور میں آگ سے پیدا ہوا۔ مجھے اس کے سامنے جھکنا زیب نہیں دیا، طوقِ لعنت گردن میں ڈال دیا گیا۔ علماء کا ارشاد ہے کہ وہ احکام خداوندی جن کی حکمتیں سمجھ میں نہیں آتیں ان میں یہی حکمت کافی ہے کہ کون بندہ اللہ کا حکم صرف اس نظر سے مانتا ہے کہ وہ اللہ کا حکم ہے اور کون شیطان کی طرح چون و چرا کرتا ہے۔ جس نے عقل کو مدارِ شرع ٹھہرایا کہ جس بات کو عقل اس کی نہ پہنچے شک اور تردد کو جگہ دے وہ بندۂ عقل اور شیطان کا ساتھی ہے۔

حضرت مصنف ایک ایسا نسخہ بیان فرماتے ہیں جس پر عمل پیرا ہونے کے بعد اس قسم کے تمام مفاسد کا جڑ سے قلع قمع ہوجائے۔

''آدمی کو چاہیے کہ توحید ورسالت کے دلائل دیکھے اور خدا ورسول پر یقین کامل حاصل کرے۔ اس وقت کوئی شک اور تردد نہ رہے گا اور جو کچھ پیغمبر ﷺ نے مالک حقیقی کی طرف سے پہنچایا بے تردد قبول کرے گا۔ بات یہ ہے کہ جس آدمی کا ایمان ناقص اور خدا اور رسول پر یقین کامل نہیں شیطان اسے سادہ لوح اور احمق پاکر احکام غیر معقول المعنیٰ اور اسرار کے غور وخوض میں مبتلا کردیتا ہے۔ جیسے جبر و

قدر، آیاتِ متشابہات، حقیقتِ روح، مشاجراتِ صحابہ اور مسحِ سر اور رمیِ جمار کے اسرار تا کہ اسے الحاد و زندقہ، جبر و قدر، خروج و رفض، تشبیہ تعلیل کی گھاٹیوں میں ہلاک کرے۔ وہ نادان اس کے فریب میں آجاتا ہے اور ان امور میں فکر بے ہودہ کرتا ہے۔

حضرت مصنف ایک مشاہدہ بیان فرماتے ہیں جس کا تعلق ان بندگانِ عقل سے بھی ہے اور ان ان کی حالت پر افسوس کا اظہار فرماتے ہیں:

''قہر تو یہ ہے کہ جب کوئی صنعت انسانی سمجھ میں نہیں آتی تو کہتے ہیں، صانع کے کمال میں شک نہیں۔ اگر چہ ہم جب تک اس صانع کی شاگردی نہ کریں اور شروع سے با قاعدہ اس صنعت کو نہ سیکھیں اس کی حقیقت کما ینبغی دریافت نہیں کر سکتے۔ لیکن اسرارِ شرعیہ کی نسبت اس قدر اعتقاد بھی گوارا نہیں اور جو اسرار شریعت و حقائقِ طریقت علماء و مشائخ نے ہزار ریاضت و تخلیہ کے بعد حاصل کیئے یہ عقل کے غلام اپنی ناقص عقل و دانش سے محنت و مشقت کے بغیر انہیں سمجھا چاہتے ہیں اور انکے ساتھ ایسے امور میں بھی دست درازی کرتے ہیں جن میں اولیائے امت و مجتہدین ملت کو بھی دم مارنے کی گنجائش نہیں''۔

اگر شوق ادراک ہے تو علوم دین کی تحصیل میں کوشش اور ریاضت و مجاہدہ میں سعی کریں۔ اس کی برکت سے بھید منکشف ہو جائیں اور جو قابلِ انکشاف نہیں ان کی نسبت یہ اعتقاد جم جائے گا کہ یہ اسرار ہماری سمجھ سے ماورا ہیں۔ یہ کیا ضروری ہے کہ خدا کے سب بھید اور اس کے سب احکام کے اسرار مجھے معلوم ہو جائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر افعالِ خضر ا

اور چہ وا ہے کے اقوال کی حقیقت کو نہ پہنچے تو ہر کس و ناکس خدائے تعالیٰ کے سب افعال و احکام کے بھید کس طرح سمجھ سکتا ہے۔ جو سرِّ حضرت ابوالبشر علیہ السلام پر ظاہر ہوا۔ ملائکہ کرام تجرد تام کے باوجود اس سے آگاہ نہ ہوئے اور اپنے قصورِ فہم کا اعتراف کیا:

''سُبْحَانَکَ لَاعِلْمَ لَنَا اِلَّا مَاعَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ''

''پاکی ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جو تو نے ہمیں سکھایا، بے شک تو ہے دانا حکمت والا''

حضرت مصنف قدس سرہ مثال کے طور پر چند ایسی اشیاء کا ذکر فرماتے ہیں جن کا عام طور پر آدمی مشاہدہ کرتا ہے اور انہیں دیکھ کر اس کی عقل و فہم حیران رہ جاتی ہے:

''اے عزیز! اس کی ادنیٰ مخلوق میں اس قدر عجائب و غرائب اور حکمتیں اور اسرار پوشیدہ ہیں کہ نفوسِ قدسیہ اور عقولِ کاملہ کہ ظلماتِ مادیہ ار کدوراتِ جسمانیہ سے منزّہ ہیں، ان کے ادراک سے قاصر ہیں اور دانایانِ عالم اور عقلائے جہاں ان کی دریافت میں عاجز''۔

چیونٹی جسے تو اضعف مخلوقات اور احقر موجودات جانتا ہے بزبانِ حال کہتی ہے:

''اے غافل! نقاشِ ازل کی حکمت و صنعت مجھ میں دیکھ کہ مجھ سی ناچیز کو جسم کے چھوٹا ہونے کے باوجود ہاتھ پاؤں عطا کیئے۔ اس چھوٹے سے سر میں بہت غرفے بنائے۔ کسی میں قوت ذائقہ اور کسی میں قوت باصرہ رکھی اور جو چیزیں تحصیلِ غذا اور اکل و ہضم کیلئے درکار ہیں سب مجھے عنایت فرمائیں وہ ناک مجھے دی کہ دور سے ہر چیز کی

بو سونگھتی ہوں اور وہ قدرت مجھے بخشی کہ جس جگہ تو کھانا رکھتا ہے پہنچ کر بفراغ خاطر نوش کرتی ہوں''۔

ایک ہری لکڑی سے آگ نکلتی ہے اور باوجود طبعی حرارت و یبوست کے اسے خشک نہیں کر سکتی اور باہر نکلنے کے بعد جلا دیتی ہے مقناطیس یعنی چمک میں جو جذب و کشش ہے اس کے سبب کے بارے میں عقل حیران ہیں۔ شمع و پروانہ گل وبلبل کے معاملہ میں ایک عالم متحیر ہے۔ عقل کیا چیز ہے جو حکیم مطلق کی سب حکمتیں اوراس کے سب احکام کے اسرار کماینبغی دریافت کر سکے۔

جس عقل پر اس قسم کے لوگ اعتماد کرتے ہیں اس عقل کے زریعہ خود اس کی حقیقت بتائیں جب یہ اپنی حقیقت نہیں جانتی تو خدا کی باریک حکمتیں کیسے جانے گی۔

خواجہ ابوالقاسم فرماتے ہیں:

''جو اپنی عقل پر اعتماد کرتا ہے جہلِ مرکب میں مبتلا ہے کہ کچھ نہیں جانتا اور آپ کی دانا سمجھتا ہے۔ خصوصاً امرِ دین میں اسے حاکم ٹھہرنا اور جس امر شرعی کو اپنی عقل نہ سمجھے اسے نہ ماننا یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص حکم شاہی کو بادشاہ کے کسی ادنیٰ نوکر کے کہنے پر رد کر کے''

حضرت مصنف عقل کے بارے میں ہدایت فرماتے ہیں اور ایک دلچسپ اور مزے دار مثال بھی تحریر فرماتے ہیں:

''عقل کا کام یہ ہے کہ کان لگا کر سنے کہ کیا حکم آتا ہے اور اس کی تعمیل کا کیا طریقہ ہے نہ یہ کہ حکم دیا اور اس میں کیا فائدہ؟ جو شخص خوانِ نعمت پائے اور اس فکر میں پڑے کہ یہ کھانا کس طرح اور کس جگہ اور کس برتن میں پکا یہاں تک کہ لوگ کھا جائیں اور وہ منہ دیکھتا رہ جائے اس سے زیادہ کون احمق ہے''

فرقۂ اولیٰ کا بیان حضرت مصنف قدس سرہ کے ان نصیحت آمیز کلمات ختم پر ہوتا ہے:

''بالجملہ جن امور میں غور و خوض ممنوع و مضر ہے، یا انکی حقیقت کا ادراک محال یا عوام کے منصب و مقام سے برتر ہیں ان میں صرف قرآن و حدیث کی طرف رجوع کریں اور انہیں اپنا مرشد و امام سمجھیں۔ جو حکم دیں بجالائیں اور جس قدر بتائیں اس پر قناعت کریں۔ واللہ ولی التوفیق

يَهدِى مَن يَّشَاءُ اِلىٰ سَوَاءِ الطَّرِيقِ

فرقۂ اولیٰ کا بیان چھ صفحات پر مشتمل ہے۔

فرقۂ ثانیہ:

یہ وہ لوگ ہیں جو قرآن و حدیث سے احکام دین کے استخراج کو آسان سمجھ کر اپنی عقلِ ناقص کو دخل دیتے ہیں۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ قرآن و حدیث ایک دریائے بے ساحل ہے کہ شریعت و طریقت اس کی نہریں ہیں اور حقیقت و معرفت اس بحر ذخار کی لہریں لیکن ہماری عقل کما حقہ اس کو نہیں سمجھ سکتی۔

وَكُلُّ العِلْمِ فِى القُرآنِ لٰكِن
تَقَاصَرَ عَنهُ افهَامُ الرِّجَالِ

یعنی قرآن حکیم جمیع علوم کا خزانہ ہے لیکن لوگوں کی عقلیں اس سے قاصر ہیں۔

قرآن وحدیث کے نکات اور باریکیاں سمجھنا علمائے دین کا منصب ہے اور ان سے احکامِ دین کا استنباط ائمۂ مجتہدین کے

ساتھ خاص ہے، اور عوام کا کام صرف یہ ہے کہ ان کی تقلید و پیروی کریں۔ دین کی دو چار کتابیں پڑھ کر اجتہاد کا دعویٰ کرنا ایسا ہی ہے جیسے ہلدی کی ایک گرہ پر پنساری بننا۔

اس فرقہ کا ذکر ڈھائی صفحات میں ہے۔

فرقۂ ثالثہ:

یہ وہ لوگ ہیں جو حنفی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور جب کسی آیت یا حدیث کا ترجمہ اپنے زعمِ فاسد میں مسئلۂ امام کے خلاف پاتے ہیں تو اس مسئلہ سے منکر ہو جاتے ہیں۔ یہ سادہ لوح اس قدر بھی نہیں سمجھتے کہ مجتہدین کے لئے کوئی دلیل ضرور ہوتی ہے اگر چہ عوام اس تک نہ پہنچ سکیں۔ اس لئے کہ وہ احکام کو بیان کرنے والا ہے شارع یعنی احکام مقرر کرنے والا نہیں ہے۔

پھر اگر مجتہدین کا قول ظاہر نظر میں کسی دلیل کے خلاف معلوم ہو اور کوئی شخص ان تمام امور کو حاصل کیئے بغیر جو اجتہاد کیلئے لازم و ضروری ہیں اپنے زعمِ فاسد میں امام کی دلیل کو مرجوع وضعیف سمجھ لے تو اس سمجھ کا کیا اعتبار ہے؟ اس کو یہ کیسے معلوم کہ اس کے سامنے جو دلیل ہے اس کا کوئی ناسخ نہیں یا مجتہد کے پاس کی دلیل کے مقابل میں راجح دلیل نہیں ہے۔ ایسی صورت میں قولِ امام کو ضعیف قرار دینا سراسر خبط و نادانی ہے۔

فرقۂ رابعہ:

یہ وہ لوگ ہیں کہ جس مذہب کی جو بات ان کی عقلِ ناقص کو پسند آتی ہے مانتے ہیں۔ یہ بھی نفس کے دھوکے میں سے ایک دھوکہ ہے کہ اس حیلہ سے کسی قدر خودسری اور بے تقیدی حاصل کرتا ہے۔ ان دونوں فرقوں (ثالثہ، رابعہ) کا تذکرہ مختصر ہے۔

فرقۂ خامسہ:

یہ وہ لوگ ہیں جو علم کو منطق، طبیعی، الٰہی اور ریاضی میں منحصر کرتے ہیں دو چار کتابیں ان فنون کی پڑھ کر علومِ شریعت میں دست اندازی کرتے ہیں اور کتبِ دینیہ پڑھانے اور تفسیر آیت و حدیث و مسئلۂ فقہ بتانے میں بیباکی کرتے ہیں۔ کچھ پرواہ نہیں کہ تفسیر بالرائے میں کیا وعید وارد اور مسئلہ اپنی رائے سے بتانا علومِ شریعت بغیر سمجھے پڑھانا کس درجہ برا ہے۔

ان لوگوں کے نزدیک فلسفہ سے سب علوم آجاتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ منطق علوم دین کے سمجھنے میں مدد کرتی ہے اور فنونِ فلسفۂ کا جاننا فلاسفہ کے عقائدِ باطلہ کے رد میں کام آتا ہے۔ لیکن یہ دعویٰ حماقت پرمبنی ہے بلکہ ان فنون میں حد سے زیادہ خوض دل کو تاریک اور ایمان کو ضعیف کرتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ لوگ ارتکابِ منہیات میں بے باک ہوتے ہیں اور اوامرِ شرعیہ سے کام نہیں رکھتے اور علومِ شریعت و طریقت سے قلب کو روشنی اور ظلماتِ جسمانیہ اور کدوراتِ نفسانیہ سے صفائی حاصل ہوتی ہے کہ علمائے دین فلسفہ کو بھی ادنیٰ توجہ والتفات سے سمجھ لیتے ہیں۔ کس فلسفی نے بقوت فلسفہ علم دین میں کمال پیدا کیا اور کس عالم دین نے ادنیٰ توجہ سے فلسفہ کو حاصل نہ کرلیا؟ شیخ رئیس نے باآں فلسفیت امام محمد کی چند کتب دیکھ کر انصاف کیا؛

''اگر عمر نوح مجھے عطا ہو اس فاضل اجل کے مرتبہ کو نہ پہنچوں''

بالجملہ ان علوم میں حاجت سے زیادہ توغل بیکار ہے جو انہیں مقصود بالذات سمجھ کر پڑھتا ہے نہ اسے کچھ فائدۂ معتدبہ دینا کا حاصل نہ اس کے تعلیم و تعلم پر ثواب آخرت مرتب۔

درس گر قربت نہ باشد ز دغرض
لیس درسا انہ بئس المرض

جس علم سے قربت خداوند مقصود نہ ہو۔ وہ علم نہیں بلکہ ایک بڑی بیمار ہے۔ نہ ایسے شخص کو مولوی کہنا لائق نہ وتعظیم علم کا مستحق۔

حضرت مصنف ان لوگوں سے متعلق ایک لطیفہ بیان فرمانے کے بعد بڑے خوبصرت انداز میں تبیہ فرماتے ہیں۔ یہاں روئے عبارت پر محسناتِ کلام کا غازہ بھی نظر آتا ہے۔ کئی الفاظ ایہام و توریہ کے طور پر استعمال کیئے گئے ہیں:۔

''ایک ظریف نے حکایت کی کہ کسی شہر میں دو بھائی تھے ایک فقیہ، دوسرا منطقی۔ منطقی نے فقیہ کو مرجع خلائق دیکھ کر حسد کیا۔ ہر وقت اس کی ذلت کے درپے رہتا۔ اتفاقاً دونوں اپنے باپ کے ساتھ ایک امیر کے گھر مہمان گئے۔ میزبان نے دو انڈے ان کے سامنے رکھے۔ منطقی نے کہا بھائی یہ کتنے انڈے ہیں؟ جواب دیا دو۔ منطقی نے کہا نہیں تین ہیں کہ وجود اثنین وجود مجموع من حیث المجموع کو مستلزم۔ ان کے والد نے ایک انڈا آپ لیا اور دوسرا فقیہ کو دیا اور منطقی سے کہا ''مجموع من حیث المجموع'' کو آپ نوش کریں''۔

اسی طرح قیامت کو جب علماء کی دواتوں کی سیاہی شہیدوں کے خون پر غالب آئے گی اور ان سے ارشاد ہوگا تم میرے نزدیک فرشتوں کے مانند ہو شفاعت کرو کہ تمہاری شفاعت قبول ہو گی۔ اس وقت سمجھیں گے کہ اشکالِ اربعہ کی بحث سے کچھ نتیجہ نہ نکلا اور درس ''شفا''، شمس بازغہ کی گرمی سے نجات نہیں بخشتا۔ قاطیغوریاس اور ایساغوجی کی تحقیق بے ثمر تھی اور تعلم وتعلیم اشارات افق مبین محض بے اثر۔ ابھی تدبیر کام اختیار میں ہے۔ فضولیات سے باز آویں اور علوم دین کی طرف توجہ کریں۔ کل حسرت وندامت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا''۔

حضرت مصنف نے فلسفہ وغیرہ میں بشدّت انہاک کی مذمت کے بارے میں حضرت امام جلال الدین سیوطی، امام نووی، امام غزالی اور امام فخر الدین رازی رحمہم اللہ کے اقوال بھی نقل فرمائے ہیں۔ اس کا بیان دو صفحات میں کیا گیا ہے۔

فرقۂ سادسہ:

نام نہاد فقیروں کا ہے جو شریعت سے بالکل وابستگی نہیں رکھتے۔ بلکہ اوامر و نواہی شرع کو اہل ظاہر کے ساتھ مخصوص بتاتے ہیں اور طریقت وشریعت کو اپنے بھینگے پن سے دو الگ الگ راستے سمجھتے ہیں۔ حالانکہ طریقت بے شریعت کے حاصل نہیں ہوتی۔ حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''اگر تم کسی کو ہوا کے دوش پر اڑتا دیکھو، جب تک شرع پر قائم نہ ہو کامل نہ سمجھو''

اسی لئے کہتے ہیں جو کشف یا خارقِ عادت شریعت کی اتباع کے بغیر حاصل ہوا استدراج ہے اور جس بات کو شریعت قبول نہ کرے وہ باطل ہے کل حقیقتة ردته الشريعة فهو زندقة۔

''جس حقیقت کو شریعت رد کرے وہ حقیقت نہیں بے دینی ہے''

اس فرقہ کے حالات چھ صفحات میں بیان کیئے گئے ہیں:

فرقۂ سابعہ:

یہ وہ لوگ ہیں جو محنت وریاضت کرتے ہیں، نہ مقاماتِ

سلوک طے کرتے ہیں، اور نہ انہیں کسی مرشدِ کامل کی اجازت حاصل ہوتی ہے اس کے باوجود صاحبِ سجادہ بن جاتے ہیں۔ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ ان اقوال وافعال کے کرنے میں مصروف رہتے ہیں جو اللہ والوں سے وجد استغراق کی حالت میں صادر ہوئے۔ حالانکہ انہیں وہ حالت و مرتبہ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ نادان اتنا نہیں جانتے کہ اللہ والوں سے جو اقوال و افعال جذبہ استغراق کے عالم میں صادر ہوئے ان کو عقیدہ اور دستور العمل نہیں بنایا جاسکتا یہ لوگ اکثر وبیشتر علمائے دین وائمہ مجتہدین کی توہین کرنے میں لگے رہتے ہیں تاکہ لوگ علماء سے دور رہیں اور اپنی نادانی و جہالت کی وجہ سے ان کے معتقد بنے رہیں۔ اپنی ناشائستہ حرکت اور خلافِ شرع امور کر درست ثابت کرنے اور علم و علماء کی اہانت کے لئے ہزاروں حکایات و اقول حضرات اولیاء کی طرف منسوب کرر کھے ہیں اور بعض مباحات کے ترک پر اصرار کرتے ہیں.

حضرت مصنف فرماتے ہیں:

> ''یہ امور بھی انہیں مخصوص احوال کے ساتھ مقید ہیں۔ ان کی نسبت بھی عام نہیں ہیں کہ بغیر ان مقاصد وفوائد کے بھی ان کو عمل میں لائیں وہ خود کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب نہیں بلکہ اس وقت میرے لئے یہی مناسب ہے۔ مذہب وہی ہے جو ادلۂ شرع سے ثابت ہے''

فرقۂ ثامنہ:

وہ لوگ ہیں جو نماز روزہ بطور رسم ادا کرتے ہیں۔ ان کی صحت وفساد سے کام نہیں رکھتے۔ اکثر معاملات ان کے نادانستہ بے سود اور فاسد ہوجاتے ہیں۔ نہ آپ جانتے ہیں نہ کسی سے پوچھتے ہیں۔ بلکہ عالم کی صحبت اور وعظ نصیحت سے گھبراتے ہیں اور جو کسی کی خاطر سن لیتے ہیں تو عمل نہیں کرتے۔ اہل عملہ اور وکلاء کے گھر جانا فخر اور علماء کی خدمت میں حاضر ہونا عار ہے۔ ایک مقدمہ کچہری میں بیس وکیلوں سے دریافت کرکے دائر کرتے ہیں، شریعت کی تحقیق سے انکا ہے۔ اگر علماء کی صحبت کہ درحقیقت کیمیائے سعادت ہے، اختیار کرتے آخرت کی مصیبتوں سے نجات حاصل ہوتی اور تھوڑی محنت میں بہت دولتِ عقبیٰ ہاتھ آتی۔

اس قسم کے لوگ کئی عذر بیان کرتے ہیں حضرت مصنف نے مفصل و مدلل ان کے جواب تحریر فرماتے ہیں۔ ایک مقام پر ایک غلط فہمی کا ازالہ یوں فرماتے ہیں:

> ''غضب تو یہ ہے کہ عوام علماء کے مباحات کو عیب ٹھہرا لیتے ہیں کہ وہ بھی ہماری طرح تحصیلِ معاش کیلئے نوکری اور تجارت اور اپنے حق کے لئے لوگوں سے نزع وخصومت کرتے ہیں۔ کیا ان نادانوں نے قطعِ علائق علماء پر واجب سمجھا ہے۔ کہ ان سے وضعِ قلندرانہ چاہتے ہیں۔ اگر علماء ان علائق کے ساتھ اپنے منصب میں افراط وتفریط نہ کریں تو ثواب ان کا تارکانِ دنیا کے ثواب سے بمراتب زائد ہے۔ گو عوام بالعکس سمجھیں اور یہ بات بھی کہ عوام اور علماء دنیا میں اسی طرح مشغول ہیں صحیح نہیں کہ جو علمِ نیت رکھتا ہے ہر مباح میں ثواب حاصل کرسکتا ہے۔ بخلاف جاہل کے کہ نادانی سے عبادت کو بھی اپنے حق میں وبال کرلیتا ہے''۔

اس گروہ کے حالات چھ صفحات میں مذکور ہیں۔

فرقۂ تاسعہ:

یہ فرقہ نہ نماز پڑھتا ہے نہ روزہ رکھتا ہے۔ ہزاروں روپے پاس ہیں ایک حبہ زکوٰۃ کا نہیں دیتا۔ باوجود قدرت کے حج ادا نہیں کرتا۔ بدکاری، شراب، رقص و سرور، کبر و حسد، کذب و بہتان، سود و رشوت، بدخلقی واتباع ہوا، عُجب و ریا، ظلم وغضب اور مکر و خیانت و غیر منہیاتِ شرعیہ میں مبتلا ہے۔ ان لوگوں کو نہ خدائے تعالیٰ کا خوف نہ رسول ﷺ سے شرم نہ قیامت پر یقین۔ لذاتِ دنیا کو بہشت اور اس کے رنج و مصیبت کو دوزخ سمجھتے ہیں۔ دین و مذہب سے اصلاً غرض نہیں رکھتے۔

اس کے باوجود اگر کوئی انہیں احمق کہے تو لڑنے کو تیار ہوتے ہیں۔ بھلا اس سے زیادہ احمق کون ہے جو شیطان اور نفس امارہ کی پیروی کرے اور بادشاہِ قہار و جبار کا حکم ٹال کر اپنی جان دوزخ کے سخت عذابوں میں ڈالے۔

حضرت مصنف نے اس کے بعد وعیدوں پر مشتمل متعدد آیات اور بہت سی احادیث نقل فرمائی ہیں اور ان لوگوں کی کئی نادانیوں کا جواب بھی دیا ہے۔ اس کا بیان دس صفحات میں ہے۔

فرقۂ عاشرہ:

حضرت مصنف نے دسواں فرقہ نفسِ امارہ کو قرار دیا ہے اور اس کو جامعِ عیوبِ عالم بتایا ہے اور اسی اعتبار سے آپ نے اکیلے نفس کو جماعت کے حکم میں رکھا ہے اور ایک فرقہ قرار دیا ہے۔ اس کا ذکر پانچ صفحات میں ہے۔

یہ کتاب ہدایۃ البریہ میں ذکر کردہ دس فرقوں کا بیان تھا۔ اس کے بعد کتابِ ہذا سے چند اقتباسات اور نقل کیئے جاتے ہیں جو آج کے ماحول اور معاشرے کے لئے بہت ہی مفید اور ضروری ہیں۔

بعض لوگ ارتکابِ معاصی میں مبتلا رہتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں خدائے رحیم کی رحمت اور رسولِ شفیع المذنبین ﷺ کی شفاعت پر بھروسہ ہے۔ ایسے لوگوں کو جو آپ نے تنبیہ فرمائی ہے اس کا ماحصل یہ ہے:

> ''تو رحمتِ خدا پر اعتماد کر کے گناہ تو کرتا ہے لیکن اس کی قدرت پر اعتبار کر کے زہر کیوں نہیں کھاتا۔ جس طرح قدرتِ خداوندی پر اعتماد کے باوجود زہر سے احتراز دانشمندی ہے اسی طرح رحمتِ الٰہی پر بھروسہ کے باوجود گناہ سے بچنا بھی ہوشمندی اور نہ بچنا حماقت و دیوانگی ہے''۔

اور فرماتے ہیں!

> ''کیا رحم و کرم اس پر واجب ہے اور کیا وہ قہر و غضب نہیں کر سکتا''

(ص ۳۹-۴۰)

جو لوگ کہتے ہیں شریعت واسطۂ وصول ہے جو منزل کو پہنچ جاتا ہے راہ سے کام نہیں رکھتا۔ ان کے رد میں فرماتے ہیں کہ شریعت و طریقت کی مثال راستہ اور منزل کو نہیں بلکہ بنیاد اور دیوار کی اور درخت اور پھل کی ہے۔ فرماتے ہیں:

> ''ان نادانوں سے پوچھو تمہیں اس مقام کو پہنچے یا اولیاء سابقین کو بھی حاصل ہے۔ جس طرح طریقت بے اتباعِ شریعت ہاتھ نہیں آتی۔ اسی طرح بغیر اس کے قائم بھی نہیں رہتی۔ دیوار جس قدر بلند ہو نیو کی طرف احتیاج زیادہ ہوتی ہے اور نیو کے خراب ہوتے ہی گر جاتی ہے جب تک درخت قائم ہے ثمر متوقع ہے۔ جب درخت نہ

رہا ثمر کہاں''

بعض بے عمل شیطان کے فریب میں آ کر کہتے ہیں کہ کاتبِ تقدیر نے ہمارے حق میں جو لکھ دیا ہے سرِ مو اس سے تجاوز نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم بہشتیوں سے ہیں تو دوزخ میں نہ جائیں گے اور اگر دوزخیوں سے ہیں تو کسی عمل سے راہ نجات نہ پائیں گے۔ پھر کس لئے جان مشقت میں ڈالیں اور عبادت کی زحمت اٹھائیں۔ ان کیلئے حضرت مصنف نے جو موثر اور دل نشین جواب ارشاد فرمایا ہے اس کا ماحصل یہ ہے۔

جس طرح جنتی اور دوزخی ہونا مقدر ہے اسی طرح موت کا وقت بھی تو مقدر ہے۔ اس میں کوئی تقدیم و تاخیر اور کمی بیشی نہیں ہو سکتی پھر تو بیماری میں کڑوی اور بدمزا دوا کیوں پیتا ہے۔ اس موقع پر بھی یہی بات کہہ کر اگر شفا مقدر ہے اور موت نہیں آئی ہے تو مروں گا نہیں اور اگر موت مقدر ہے تو کسی علاج سے بچوں گا نہیں۔ پھر کس لئے کڑوی بدمزا دوا پینے کی زحمت اٹھاؤں لیکن یہاں یہ نہیں کہتا، بلکہ تقدیر پر یقین رکھتے ہوئے بھی دوا پیتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ پروردگار عالم نے دوا میں اثر رکھا ہے تو ہم کہیں گے کہ عبادت میں بھی تو پروردگار عالم نے اثرات و فوائد رکھے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں صراحۃً ہے اور دوائے مخصوص کا اثر تو قولِ اطباء سے معلوم ہوا ہے اور عبادت کے فوائد خود اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسولوں (علیہم صلوٰۃ والسلام) نے بیان فرمائے ہیں۔

اسی سلسلہ مکرم میں فرماتے ہیں:

''اگر چہ کوئی عمل بے اس کی عنایت کے کام نہیں کرتا۔ مگر عنایت اس پر ہوتی ہے جو اچھے کام کرے۔ ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین۔ بیشک خدا کی رحمت نیکی کرنے والوں سے قریب ہے۔ عنایت، بے اطاعت، خلافِ عادت ہے۔ کہیں سنا ہے کہ مولیٰ سرکش شریر اور غافل و کاہل غلام سے راضی ہو؟''

بے عمل لوگوں کو نصیحت فرماتے ہیں:

''توبہ آج سے کل آسان نہ ہوگی۔ آب دیدہ سے وضو کر کے جناب الٰہی میں رجوع کرو۔ کیا عجب دریائے رحمت جوش میں آئے اور گناہوں کے میل سے پاک کردے۔ ورنہ جڑ گناہ کی جس قدر زیادہ ہوگی زیادہ سخت ہوگی۔ جب کل سخت تر دیکھو گے تو کل پر ٹالو گے۔ یہاں تک کہ موت سر پر آ جائے گی۔ پھر حسرت و ندامت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا''

دسویں فرق یعنی نفس امارہ کے بیان میں خواہشاتِ نفس سے بچنے کی ہدایت کیسے بصیرت آمیز اور فکر انگیز انداز میں فرماتے ہیں:

''اے عزیز خواہشِ نفس، اصل سب بلاؤں کی اور جڑ سب گناہوں کی ہے۔ قابیل کو اسی نے حسد کی رسی سے جکڑا اور فرعون کو حُبِ ریاست کے جال میں پھانسا۔ موسیٰ علیہ السلام نے خضر پر دو اعتراض کیئے صحبت برہم نہ ہوئی۔ تیسرے میں خواہش کی بو پائی گئی ''لو شئت لاتخذ علیه اجرا (اگر تم چاہتے تو اس پر اجرت لے لیتے) جدائی کی ٹھہری۔ هذا فراق بيني وبينك (جدائی ہے مجھ میں اور تم میں) زلیخا کو خواہش نے محتاج اور یوسف علیہ السلام کو ترک ہوا نے صاحبِ تاج کر دیا''

ابتداء ہر بدی کی اسی مفسد سے ہے۔ شیطان بے مدد اس کے دخل نہیں پاتا۔ شیطان کو بھی اسی نے وادیٔ کبر ونخوت میں ہلاک کیا۔ شیطان اگر چہ رگ وپے میں دخل کرسکتا ہے مگر دز دبیرونی ہے اور نفس گھر کا بھیدی اور دشمن اندرونی ہے اور شیطان کی عداوت ظاہر اور نفس کی پوشیدہ ہے اور چھپا دشمن ظاہر دشمن سے بدتر ہے کہ آدمی اس سے ہوشیار رہتا ہے اور یہ دھوے میں ہلاک کرتا ہے۔ ہر وقت گھات میں رہتا ہے جب فرصت پاتا ہے بصیرت پر پردہ ڈال کر راہِ حق سے بہکا دیتا ہے بلکہ یہ محبوب ہے اور انسان دشمن کی بات نہیں سنتا اور محبوب کی بات بلا تامل قبول کرلیتا ہے۔ حُبُّکَ الشَّیٔ یُعْمِی وَیُصِمّ (یعنی چیز کی محبت آدمی کو اندھا اور بہرا کردیتی ہے) حضرت منصور حلاج فرماتے ہیں:

علیک بنفسک فان لم تشغلہا شغلتک

''اپنے نفس کی نگرانی رکھ اور اسے نیک اعمال میں مشغول رکھ اگر تم اسے مشغول نہ رکھے گا تو وہ تجھے اعمالِ بد میں مشغول کردے گا''

آدمی کو چاہیے کہ ہر وقت اسی مکّار، دغا باز سے ہوشیار رہے اور زجر وتوبیخ، نصیحت وملامت، تہدید وعتاب اور قہر وعذاب، جس طرح ہو سکے قابو میں لائے اور اس کے خلاف پر کمر مضبوط باندھے اور لگام تقویٰ کی اس کے منہ میں دے یہاں تک سرکشی اور شرارت سے باز آوے اور حق کا مطیع ومنقاد ہوجائے۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ ''ہدایت البریہ'' کی کتاب طرز قدیم کے مطابق ہے۔ نہ اس میں پیرابندی ہے اور نہ رموزِ اوقاف راقم نے اس کو طرزِ جدید کے مطابق نقل کیا ہے۔ جس میں پیرابندی اور رموزِ اوقاف کی رعایت ہے اور جگہ جگہ عنوانات بھی قائم کیئے ہیں لیکن اس پر توضیحی حواشی کی بھی ضرورت ہے تاکہ اس کے فائدہ کا دائرہ عام اور وسیع ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں حضرت امام المتکلمین کے فیوض و برکات سے بہرہ مند فرمائے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے آمین یارب العالمین وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحیم۔

☆☆☆

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے بارے میں علامہ اقبال کی رائے

پروفیسر محمد مسعود احمد ایم اے۔ پی ایچ ڈی نے ''فاضل بریلوی اور ترک موالات'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جو مرکزی مجلس رضا لاہور نے شائع کی ہے۔ اس میں تحریک آزادی میں فاضل بریلوی کے مقام پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے صفحات ۱۵-۱۶، پر ان کے بارے میں ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کی رائے اس طرح نقل کی گئی ہے:

''ہندوستان کے دورِ آخر میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ میں نے ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے یہ رائے قائم کی ہے اور ان کے فتاویٰ، ان کی ذہانت، فطانت، جودت طبع، کمال فقاہت اور علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد عادل ہیں۔ مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کرلیتے ہیں اس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں۔ یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور وفکر کے بعد کرتے ہیں لہٰذا انہیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاویٰ میں کبھی کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بایں ہمہ ان کی طبیعت میں شدت زیادہ تھی۔ اگر یہ چیز درمیان میں نہ ہوتی تو مولانا احمد رضا خان گویا اپنے دور کے امام ابوحنیفہ ہوتے''

اسلامی اخلاقی قدروں کی آبیاری میں

امام احمد رضا کا حصہ

﴿فتاویٰ رضوی کی روشنی میں﴾

از: مولانا محمد حنیف خاں رضوی

اسلام دین فطرت ہے۔ یہ انسانی فطرت وطبیعت کو کچلنے کیلئے نہیں آیا، بلکہ ان کی تطہیر واصلاح اسلام کا عظیم مقصد ہے۔ چونکہ انسان ایک بڑی قوت کا مالک ہے اور ساری مخلوق کو اس کا تابع اور مطیع بنادیا گیا ہے، اس لحاظ سے انسان میں خودی، عُجب وخود پسندی اور کبر ونخوت کا آجانا فطری بات ہے، لیکن اسلام نے ایسے مواقع پر انسان کو متنبہ کیا اور خوابِ غفلت سے جگایا کہ یہ ساری طاقتیں اور قوتیں تیری اپنی نہیں بلکہ سب عطائی ہیں اور تیرے اوپر بھی کوئی حاکم ہے، لہٰذا تیرے شایانِ شان یہ ہے کہ تو عاجزی وانکساری اور تواضع کا مظاہرہ کرے، اس سے تیرا مقام بلند ہوگا اور تجھے ترقی کے منازل سے ہم کنار ہونے کا موقع مل سکے گا۔ اس لئے اپنے آقا ومولیٰ کی شکر گزاری اور اس کی بارگاہ میں عاجزی اور سجدہ ریزی کو اپنا شعار بنا، اسی میں تیری صلاح وفلاح اور کامیابی مضمر ہے۔

علمائے کرام اور حکمائے اسلام نے دینِ اسلام کی اعلیٰ اخلاقی قدروں کے تعلق سے قرآن کریم کی تفسیر اور احادیث مبارکہ کی تشریح کے طور پر بہت کچھ لکھا تھا لیکن آج قوم مسلم اس کو طاق نسیاں بنا کر اپنے طبعی رجحانات کے ہنگاموں میں گم کر چکی ہے۔

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز گذشتہ صدی کی نابغۂ روزگار ہستی، عظیم مصلح اور مبلغ اسلام تھے۔ آپ نے اسلام کی روح سے قلوب مسلمین کو حیات بخشی، تجدید و احیائے دین کا فریضہ انجام دیا، غلط رسوم وعادات کو مٹانے کی سعیِ بلیغ فرمائی اور اہل اسلام کو ان کے وہ اسلامی اخلاقی آداب سکھائے جو انکے لئے سرمایۂ حیات تھے اور جن کے ذریعہ وہ دنیا کی سب سے بڑی مہذب قوم شمار کیے جاتے تھے۔

امام احمد رضا جب مجدِّدِ اعظم اور مصلحِ امت تھے تو پھر وہ امت کی خیر خواہی کے درپے اور خواہاں کیوں نہ ہوتے۔ ان کے رشحات قلم سیکڑوں موضوعات سے متعلق ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں اور مختلف عناوین پر جدید انداز میں کام ہو رہا ہے جس کے صلہ میں ریسرچ اسکالر ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کر رہے ہیں۔

امام احمد رضا نے اخلاقیات پر بہت کچھ لکھا ہے، ان سب کا احاطہ اس مختصر مضمون میں دشوار ہے۔ یہاں چند امور کا تذکرہ مقصود ہے۔ تفصیل کیلئے ان کی تصانیف کا ایک مطالعہ کیجئے۔

ایک انسان بحیثیت انسان اس بات کا مکلّف ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے خالق ومالک کی توحید کا اقرار کرے اور دل سے

*(پرنسپل جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی شریف، ہند)

تصدیق کرکے اپنی عبودیت کا ثبوت دے۔ پھر اس کے رسول خاتم النبیین ﷺ کی رسالت کی گواہی دے اور جملہ ضروریاتِ دین کو ماننے کے ساتھ ارکانِ اسلام کی بجا آوری میں کسی طرح کوتاہی سے کام نہ لے۔ ان اولین امور کی انجام دہی کے بعد جو کام بھی اسے انجام دینا ہے اس میں رضائے خالق اور مدارات خلق کی رعایت خاص طور پر ملحوظ رکھے۔ اس سلسلہ میں امام احمد رضا قدس سرہ کے کلامِ بلاغت نظام کی جھلک ملاحظہ کیجئے۔ فرماتے ہیں:

مداراتِ خلق:

یہ بھی اس وقت تک ہے جب اس احتیاط وورع میں کسی امر اہم و اکد کا خلاف نہ لازم آئے کہ شرع مطہرہ میں مصلحت کی تحصیل سے مفسدہ کا ازالہ مقدم تر ہے۔ مثلاً مسلمان نے دعوت کی، یہ اس کے مال وطعام کی تحقیقات کر رہے ہیں۔ کہاں سے لایا، کیوں پیدا کیا، حلال ہے یا حرام، کوئی نجاست تو اس میں نہیں ملی ہے، کہ بیشک یہ باتیں وحشت دینے والی ہیں اور مسلمان پر بدگمانی کرکے ایسی تحقیقات میں اسے ایذا دینا ہے، خصوصاً اگر وہ شخص شرعاً معظم و محترم ہو، جیسے عالم دین، یا سچا مرشد یا ماں باپ یا استاذ یا ذی عزت مسلمان سردار قوم، تو اس نے اور بے جا کیا۔ ایک تو بدگمانی دوسرے متوحش باتیں تیسرے بزرگوں کا ترکِ ادب اور یہ گمان نہ کرے کہ خفیہ تحقیقات کرلوں گا، حاشا وکلا، اگر اسے خبر پہنچی اور نہ پہنچنا تعجب ہے کہ آج کل بہت لوگ پرچہ نویس ہیں، تو اس میں تنہا روبرو پوچھنے سے زیادہ رنج کی صورت ہے۔ کما ہو مجرب معلوم۔

نہ یہ خیال کرے کہ احباب کے ساتھ ایسا برتاؤ برتوں گا ''ھیہات'' احبا کو رنج دینا کب روا ہے اور یہ گمان کہ شاید ایذا نہ پائے، ہم کہتے ہیں شاید ایذا پائے، اگر ایسا ہی شاید پر عمل ہے تو اس کے مال وطعام کی حلت وطہارت میں شاید پر کیوں نہیں عمل کرتا۔ معہذا اگر ایذا نہ بھی ہوئی اور اس نے براہ بے تکلفی بتادیا تو ایک مسلمان کی پردہ دری ہوئی کہ شرعاً ناجائز۔ غرض ایسے مقامات میں ورع واحتیاط کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو اس طور پر بچ جائے کہ اسے اجتناب دامن کشی پر اطلاع نہ ہو، یا سوال وتحقیق کرے تو ان امور میں جن کی تفتیش موجبِ ایذا نہیں ہوتی۔ مثلاً کسی کا جوتا پہنے ہے، وضو کرکے اس میں پاؤں رکھنا چاہتا ہے، دریافت کرے کہ پاؤں تر ہیں یوں ہی پہن لوں۔ وعلی ھذا القیاس یا کوئی فاسق بے باک مجاہر معلن اس درجہ وقاحت وبے حیائی کو پہنچا ہوا ہو کہ نہ بتادینے میں باک ہو، نہ دریافت سے صدمہ گذرے، نہ اس سے کوئی فتنہ متوقع ہو، نہ اظہار ظاہر میں پردہ دری ہو تو عندالتحقیق اس سے تفتیش میں بھی حرج نہیں۔ ورنہ ہرگز بنام ورع واحتیاط مسلمانوں کی نفرت ووحشت، یا ان کی رسوائی وفضیحت، یا تجسسِ عیوب ومعصیت کا باعث نہ ہو، کہ یہ سب امور ناجائز ہیں اور شکوک وشبہات میں ورع نہ برتنا ناجائز نہیں۔ عجب کہ امرِ جائز سے بچنے کیلئے چند ناروا باتوں کا ارتکاب کرے، یہ بھی شیطان کا ایک دھوکہ ہے کہ اسے محتاط بننے کے پردے میں محض غیر محتاط کردیا، اے عزیز! مداراتِ خلق والفت وموانست اہم امور سے ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے، فرمایا! مجھے لوگوں سے خاطر مدارات کے لئے بھیجا گیا ہے۔ (درمنثور امام سیوطی ۲۰۹/۳)

پس ان امور میں ضابطہ کلیہ واجبۃ الحفظ یہ ہے کہ فعل فرائض وترکِ محرمات کو رضائے خلق پر مقدم رکھے اور ان امور میں کسی کی مطلقاً پروانہ کرے اور اتیان مستحب وترک غیر اولیٰ پر مداراتِ

خلق و مراعاتِ قلوب کو اہم جانے اور فتنہ و نفرت وایذ اور وحشت کا باعث ہونے سے بہت بچے۔ اسی طرح جو عادات و رسوم خلق میں جاری ہوں اور شرع مطہر سے ان کی حرمت و شناعت نہ ثابت ہو ان میں ترفع و تنزہ کے لئے خلاف و جدائی نہ کرے، کہ سب امور ائتلاف و موانست کے معارض اور مراد و محبوب شارع کے مناقض ہیں۔ ہاں ہاں ہوشیار و گوش دار کہ یہ نکتۂ جمیلہ و حکمت جلیلہ و کوچۂ سلامت و جادۂ کرامت ہے جس سے بہت زاہدانِ خشک و اہلِ تکشف غافل و جاہل ہوتے ہیں، وہ اپنے زعم میں محتاط و دین پرور بنتے ہیں اور فی الواقع مغزِ حکمت و مقصودِ شریعت سے دور پڑتے ہیں۔ خبر دار و محکم گیر! یہ چند سطروں میں علم غزیر۔ و باللہ التوفیق و الیہ المصیر۔

(فتاویٰ رضویہ، جدید ۴/ ۵۲۸)

امر بالمعروف و نہی عن المنکر:

امر بالمعروف و نہی عن المنکر ملت اسلامیہ کا وہ طرۂ امتیاز ہے جس کی بدولت یہ امت خیر الامم کے خطاب سے نوازی گئی۔ ہر دور میں اساطینِ اسلام اس پر کاربند رہے اور شجرِ اسلام کی آبیاری فرماتے رہے جس کا نتیجہ اور ثمرہ آج ظاہر و عیاں ہے۔ لیکن امر و نہی کے لئے حالات کو پیشِ نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ ایسا نہیں کہ جب چاہا اور جس جگہ چاہا خواہی نخواہی جبر و اکراہ سے کام لینا شروع کر دیا۔ امام احمد رضا اس کی تلقین یوں فرماتے ہیں۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر ضرور بنصوصِ قاطعہ قرآنیہ اہم فرائض دینیہ سے ہے، اور بحال وجوب اس کا تارک آثم و عاصی اور ان نافرمانوں کی طرح خود بھی مستحق عذاب دینوی و اخروی۔ مگر یہ امر و نہی نہ ہر شخص پر فرض، نہ ہر حال میں واجب، تو بحالِ عدم وجوب اس کے ترک پر یہ احکام نہیں۔ بلکہ بعض صور میں شرع ہی اسے ترک کی ترغیب دے گی، جیسے جب کہ اس سے کوئی فتنہ اشد پیدا ہوتا ہو۔ یوں ہی اگر جانے کہ بے سود ہے کارگر نہ ہوگا تو خواہی نخواہی چھیڑنا ضرور نہیں خصوصاً جب کہ کوئی امر اہم اصلاح پا رہا ہو۔ مثلاً کچھ لوگ حریر کے عادی نماز کی طرف جھکے، یا عقائد سنت سیکھنے آتے ہیں اور جب حریر و پابندی وضع میں ایسے منہمک ہیں کہ اس پر اصرار کیجئے تو ہرگز نہ مانیں گے، غایت یہ کہ آنا چھوڑ دیں گے وہ رغبتِ نماز و تعلیمِ عقائد بھی جائے تو ایسی حالت میں بقدر تیسیر انہیں ہدایت، باقی کیلئے انتظار وقت و حالت ترکِ نہی نہیں بلکہ اس کی تدبیر وسعی ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، قدیم ۹/ ۲۱۶)

تشبہ کی صورتیں:

تشبہ کے باب میں عموماً افراط و تفریط کے شکار ہیں، جب کہ عام مسلمان کی غفلت کا عالم یہ ہے کہ عموماً فیشن کے دلدادہ جائز و ناجائز سے کوئی سروکار نہیں رکھتے بس جو جدید طریقہ نظر آیا اس کی طرف تیزی سے لپکے اور اس کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ امام احمد رضا نے ایسی چیزوں کا تجزیہ کیا اور اس سلسلہ میں قولِ فیصل یوں بیان فرمایا:

تشبہ دو وجہ پر ہے۔ التزامی و لزومی:

..........التزامی یہ کہ یہ شخص کسی قوم کے طرز و وضع خاص کو اسی قصد سے اختیار کرے کہ انکی سی صورت بنائے، ان سے مشابہت۔ حاصل کرے۔ حقیقۃً تشبہ اسی کا نام ہے۔

..........لزومی یہ کہ اس کا قصد تو مشابہت کا نہیں مگر وہ وضع اس قوم کا شعار خاصہ ہو رہی ہے کہ خواہی نخواہی مشابہت پیدا ہوگی۔

التزامی میں قصد کی تین صورتیں ہیں:

اول..........تو یہ کہ اس قوم کو محبوب و مرضی جان کر ان سے مشابہت

پسند کرے، یہ بات اگر مبتدع کے ساتھ ہو بدعت اور کفار کے ساتھ ہو معاذ اللہ کفر۔

دوم......... کسی غرضِ مقبول کی ضرورت سے اسے اختیار کرے، وہاں اس وضع کی شناعت اور اس غرض کی ضرورت کا موازنہ ہوگا، اگر ضرورت غالب ہو تو بقدر ضرورت بوقت ضرورت یہ تشبہ کفر کیا معنی ممنوع بھی نہ ہوگا۔ جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی کہ بعض فتوحات میں رومیوں کا لباس پہن کر بھیس بدل کر کام فرمایا اور اس ذریعہ سے کفار اشرار کی بھاری جماعتوں پر باذن اللہ غلبہ پایا۔ اسی طرح سلطان مرحوم صلاح الدین یوسف انار اللہ تعالیٰ برھانہ کے زمانہ میں جب کہ تمام کفار یورپ نے سخت شورش مچائی تھی، دو عالموں نے پادریوں کی وضع بنا کر دورہ کیا اور آتش تعصب کو بجھا دیا۔

سوم......... نہ تو انہیں اچھا جانتا ہے، نہ کوئی ضرورت شرعیہ اس پر حامل ہے، بلکہ کسی نفع دنیوی کے لئے، یا یوں ہی بطور ہزل واستہزاء اس کا مرتکب ہو تو حرام وممنوع ہونے میں شک نہیں اور اگر وہ وضع ان کفار کا مذہبی شعار ہے۔ جیسے قشقہ لگانا، چٹیا، تو علماء نے اس صورت میں بھی حکمِ کفر دیا اور فی الواقع صورت استہزا میں حکم کفر ظاہر ہے۔

اور لزومی میں بھی حکمِ ممانعت ہے جب کہ اکراہ وغیرہ مجبوریاں نہ ہوں۔ جیسے انگریزی منڈا، انگریزی ٹوپی، جاکٹ، پتلون، الٹا پردہ، کہ اگرچہ یہ چیزیں کفار کی مذہبی نہیں مگر آخر شعار ہیں تو ان سے بچنا واجب اور ارتکاب گناہ۔ لہٰذا علماء نے فساق کی وضع کے کپڑے موزے پہننے سے ممانعت فرمائی۔ مگر اس کے تحقق کو اس زمان ومکان میں ان کا شعار خاص ہونا قطعاً ضرور جس سے وہ پہچانے جاتے ہوں اور ان میں اور انکے غیر میں مشترک نہ ہو ورنہ لزوم کا کیا محل۔

اس تحقیق سے روشن ہو گیا کہ تشبہ وہی ممنوع ومکروہ ہے جس میں فاعل کی نیت تشبہ کی ہو۔ یا وہ شئی ان بد مذہبوں کا شعار خاص یا فی نفسہ شرعاً کوئی حرج رکھتی ہو۔ بغیر ان صورتوں کے ہرگز وجہ ممانعت نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ قدیم، ۹/۹۲)

اسلام نے چھوت چھات کے مسئلہ کا بھی قلع قمع کیا اور مساوات کا درس دیا امیر وغریب کو ایک صف میں لا کھڑا کیا، حتیٰ کہ عربی وعجمی کے درمیان فرق کو بھی مٹا دیا۔ امام احمد رضا نے اس رسم بد کو مذموم قرار دیتے ہوئے فرمایا!

> ''عوامِ ہندوستان نے چھوت کا مسئلہ کفار ہند سے سیکھا ہے، دھوبی ہر قسم کے کپڑے طاہر ونجس سب کچھ دھوتے ہیں اس لئے ہندو چھوت مانتے ہیں، جاہل مسلمان بھی انہیں کی پیروی کرتے ہیں۔ جو دھوبی یا کوئی قوم طہارت کا لحاظ نہ رکھے اس کے کھانے پینے سے احتراز بہتر ہے اور نہ کیا جائے تو کچھ گناہ نہیں جب تک کسی خاص کھانے کی نجاست تحقیق نہ ہو۔ اسی بنا پر ہنود کے یہاں کا کھانا پینا سوائے گوشت کے جائز رکھا گیا ہے اگرچہ بہتر بچنا ہے''۔

(فتاویٰ رضویہ، قدیم ۹/۲۲۴)

حقوق عباد:

اسلام نے حقوق العباد کی تعلیم اس انداز سے دی کہ اگر لوگ ان کی ادائیگی میں کوتاہ دستی سے کام نہ لیں بلکہ اس پر پورے طور سے عامل ہو جائیں تو پھر آپسی شکر رنجیاں اور اختلاف وانتشار کی جڑیں یکسر کٹ جائیں۔ صالح معاشرہ تشکیل پائے۔ اخوت ومروت اور بھائی چارگی کا ماحول پیدا ہو اور ہر انسان اطمینان کا سانس لے کر

اپنے کاروانِ حیات کو رواں دواں رکھ سکے۔ استاذ، ماں باپ، اولاد، رشتہ دار، عزیز و اقارب و عامۃ المسلمین کے حقوق امام احمد رضا قدس سرہ سے شرح و بسط سے بیان فرمائے ہیں۔ ان میں سے سر دست طوالت کے خوف سے حق العبد کا ذکر کرتے ہیں۔

حق العبد ہر وہ مطالبۂ مال ہے کہ شرعاً اس کے ذمہ کسی کے لئے ثابت ہو اور ہر وہ نقصان و آزار جو بے اجازت شرعیہ کسی قول، فعل، ترک سے کسی کے دین، آبرو، جان جسم، مال یا صرف قلب کو پہنچایا جائے تو یہ دو قسمیں ہوئیں۔ اول کو دیون، ثانی کو مظالم اور دونوں کو تبعات اور کبھی دیون بھی کہتے ہیں۔ ان دونوں قسم میں نسبت عموم خصوص من وجہ ہے، یعنی کہیں تو دین پایا جاتا ہے مظلمہ نہیں۔ جیسے خریدی چیز کی قیمت، مزدور کی اجرت، عورت کا مہر وغیرہ دیون کہ عقود جائزہ شرعیہ سے اس کے ذمہ لازم ہوئے اور اس نے ان کی ادا میں کمی و تاخیر نا روا برتی، یہ حقوق العبد تو اس کی گردن پر ہے مگر کوئی ظلم نہیں اور کہیں مظلمہ پایا جاتا ہے دین نہیں۔ جیسے کسی کو مارا، گالی دی، برا کہا، غیبت کی کہ اس کی خبر اسے پہنچی۔ یہ سب حقوق العبد اور ظلم ہیں مگر کوئی دین واجب الاداء نہیں اور کہیں دین و مظلمہ دونوں ہوتے ہیں۔ جیسے کسی کا مال چرایا، چھینا، لوٹا، رشوت، سود، جوئے میں لیا۔ یہ سب دیون بھی ہیں اور ظلم بھی۔

قسم اول میں تمام صورِ عقود و مطالبۂ مالیہ داخل۔ دوسری میں قول و فعل و ترک کو دین، آبرو، جان، جسم، مال، قلب میں ضرب دینے سے اٹھارہ انواع حاصل۔ ہر نوع صدہا صورتوں کو شامل۔ تو کیونکر گنا سکتے ہیں کہ حقوق العباد کس قدر ہیں۔ ہاں ان کا ضابطۂ کلیہ بتا دیا گیا ہے کہ ان دو قسموں سے جو امر جہاں پایا جائے اسے حق العبد جانے۔ پھر حق کسی قسم کا ہو جب تک صاحبِ حق معاف نہ کرے معاف نہیں ہوتا۔ حقوق اللہ میں تو ظاہر کہ اس کے سوا دوسرا معاف کرنے والا کون۔

ومن یغفر الذنوب الا اللّٰہ

''کون گناہ بخشے اللہ کے سوا''

الحمدللہ کے معافی کریم غنی قدیر رؤف رحیم کے ہاتھ ہے۔ والکریم لا یاتی منہ الا الکرم۔ اور حقوق العباد میں بھی ملک دیان عز جلالہ نے اپنے دار العدل کا یہی ضابطہ رکھا ہے کہ جب تک وہ بندہ معاف نہ کرے معاف نہ ہوگا۔ اگرچہ مولا تعالیٰ ہمارا اور ہمارے جان و مال و حقوق سب کا مالک ہے اگر وہ بے ہماری مرضی کے ہمارے حقوق جسے چاہے معاف فرما دے تو بھی عین حق و عدل ہے کہ ہم بھی اس کے اور ہمارے حق بھی اسی کے مقرر فرمائے ہوئے ہیں۔ اگر وہ ہمارے خون و مال و عزت وغیرہا کو معصوم و محترم نہ کرتا تو ہمیں کوئی کیسا ہی آزار پہنچاتا نام کو بھی ہمارے حق میں گرفتار نہ ہوتا۔ یوں ہی اب اس حرمت و عصمت کے بعد بھی جسے چاہے ہمارے حقوق چھوڑ دے ہمیں کیا مجال عذر ہے۔ مگر اس کریم رحیم جل وعلا کی رحمت کہ ہمارے حقوق کا اختیار ہمارے ہاتھ رکھا ہے، بے ہمارے بخشے معاف ہو جانے کی شکل نہ رکھی کہ کوئی ستم رسیدہ یہ نہ کہے کہ اے مالک میرے میں اپنی داد کو نہ پہنچا۔ (فتاویٰ رضویہ قدیم، ۹/۴۸)

سلام و تحیت:

سلام و تحیت ہر قوم میں رائج ہے لیکن اسلام نے جس خوبی کے ساتھ اس کے آداب سکھائے وہ دوسرے مذاہب میں یکسر مفقود ہیں۔ سلام میں عزت و آبرو کی حفاظت ایمان و عمل اور جان و مال کی سلامتی کی دعا مقصود ہوتی ہے۔ لہٰذا ہر وہ طریقہ اپنانے سے گریز

کرے جس سے یہ مقصد حاصل نہ ہو۔ اس لئے فقط ہاتھ اور سر کے اشارے سے سلام کرنا اور جواب میں بھی اسی طرح کا رویہ اختیار کرنا یا جیتے رہو کہہ دینا کافی نہیں بلکہ اس سے گریز ضروری ہے کہ یہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب کے طریقوں سے ہے۔ امام احمد رضا نے اس اشعار اسلام کی یوں وضاحت فرمائی:

قال اللہ عزوجل:

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ط

''جب تم گھروں میں جاؤ تو سلام کرو اپنی جانوں پر ہر ملتے وقت کی اچھی دعا اللہ کی طرف سے برکت والی پاکیزہ''

ابتدا بہ سلام مسلمان سنی صالح پر سنت اور اعلیٰ درجہ کی قربت ہے مگر واجب کبھی نہیں سوا اس صورت کے، کہ سلام نہ کرنے میں اس کی طرف ضرر کا اندیشہ صحیح ہو۔ جن صورتوں میں سلام مکروہ ہے جیسے مصلی، یا قاری یا ذاکر یا مستنجی یا آکل پر، ان لوگوں کو اختیار ہے کہ جواب دیں یا نہ دیں۔ (فتاویٰ رضویہ، ۹/۱۵۸)

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا!

''جب تم اپنے اہل پر داخل ہو تو سلام کرو وہ برکت ہوگا تم پر اور اہل خانہ پر۔ جب تم میں کوئی گھر میں جاتے سلام کرتا ہے تو شیطان اس گھر میں داخل نہیں ہوتا''۔

رفق و مہربانی:

رفق و مہربانی اور نرمی و رافت انسانی اخلاق کا انمول ہیرا اور بیش بہا خزینہ ہے، ہدایت و تبلیغ میں اس کو کلیدی درجہ حاصل ہے اور اس کو اپنانے کی صورت میں اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ لہٰذا اسلام نے اس کو خصوصی توجہ کا مرکز بنایا امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''ایک جوان حاضر خدمت اقدس ہوا اور آ کر بے دھڑک عرض کی! یارسول اللہ؛ میرے لئے زنا حلال فرمادیجئے، نبی ﷺ سے براہ راست یہ درخواست کس حد تک پہنچتی ہے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کا قتل چاہا، حضور اقدس ﷺ نے منع فرمایا اور اسے قریب بلایا یہاں تک کہ اس کے زانو، زانوئے اقدس سے مل گئے، پھر فرمایا؛ کیا تو پسند کرتا ہے کہ کوئی شخص تیری ماں سے زنا کرے؟ عرض کی نہ، فرمایا! تیری بہن سے؟ عرض کی؛ نہ، فرمایا! تیری بیٹی سے؟ عرض کی؛ نہ، فرمایا! تیری پھوپھی سے؟ عرض کی؛ نہ، فرمایا! تیری خالہ سے؟ عرض کی؛ نہ، فرمایا! تو جس سے زنا کرے گا وہ بھی تو کسی کی ماں، بہن، بیٹی، پھوپھی، خالہ ہوگی، جب اپنے لئے پسند نہیں کرتا اوروں کے لئے کیوں پسند کرتا ہے۔ پھر دست اقدس اس کے سینے پر ملا اور دعا کی، الٰہی اس کے دل سے زنا کی محبت نکال دے۔ وہ صاحب فرماتے ہیں؛ اس وقت سے زنا سے زیادہ کوئی چیز مجھے دشمن نہ تھی۔ پھر صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا! اس وقت اگر تم اسے قتل کر دیتے تو جہنم میں جاتا۔ میری تمہاری مثل ایسی ہے جیسے کسی کا ناقہ بھاگ گیا ہو، لوگ اسے پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے دوڑتے ہیں، وہ بھڑکتا اور زیادہ بھاگتا ہے، اس کے مالک نے کہا تم رہنے دو، تمہیں اس کی ترکیب نہیں آتی، پھر سبز گھاس کا ایک مٹھا ہاتھ میں لیا اور اسے دکھایا اور چمکارتا ہوا اس کے پاس گیا یہاں تک کہ بٹھا کر اس پر سوار ہولیا۔ او کما قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (فتاویٰ رضویہ، ۹/۱۸۴)

رہا خالی بلانا وہ مصلحت دینی پر ہے، اگر جانے کہ نرمی سمجھانے میں زیادہ اثر کی امید ہے تو یونہی کرے اور اگر جانے کہ دور

کرنے اور سختی برتنے میں زیادہ نفع ہوگا تو یہی کرے اور حال یکساں ہے تو شریعت کی غیرت اور دوسروں کی عبرت کے لئے علانیہ دوری بہتر اور اپنے عیبوں پر نظر اور مسلمانوں کے ساتھ رفق و رحمت کیلئے خفیہ نرمی اولیٰ۔ (فتاویٰ رضویہ-۹/۲۲۸)

ظلم وتشدد:

اسلام نے انسانی حقوق کی پاسداری یہاں تک کہ اگر کسی کو قتل کرنا ناگزیر ہوجائے۔ یا قصاص لینا پڑے جب بھی حد سے تجاوز نہ کرے، لہٰذا مثلہ کرنا، یا آگ میں جلاکر کسی کو مار ڈالنا سراسر ناجائز و حرام ہے۔ بلکہ اسلام نے یہ رویہ کسی جانور کے ساتھ بھی روا نہ رکھا۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے اس معنی کی احادیث بکثرت ذکر فرمائی ہیں۔ بعض یہ ہیں۔

حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں!

''چلو خدا کے نام پر خدا کی راہ میں جہاد کرو خدا کے منکروں سے اور نہ مثلہ کرو، نہ بدعہدی، نہ خیانت، نہ بچے کا قتل، یہ اللہ تعالیٰ کا عہد ہے اور اس کے نبی کا شیوہ۔'' ﷺ

نیز فرماتے ہیں!

مثلہ نہ کرو، نہ کسی آدمی کو، نہ چوپائے کو'

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا!

''میں نے حضور سید عالم ﷺ کو خود فرماتے ہوئے سنا کہ مثلہ سے منع فرماتے تھے اگر چہ سگ گزندہ کو''۔

(فتاویٰ رضویہ، ۱۳۲۲ھ)

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے مدت العمر شعائر اسلامیہ کی شرح و بسط کے ساتھ تبلیغ فرمائی اور ہر شعار اسلامی کی حفاظت میں بھر پور توانائیاں صرف کیں، زیرِ نظر مضمون میں تو اسلامی اخلاقی قدروں کی آبیاری میں انکا جو حصہ رہا ہے اس کے حوالے چند نمونے ہی پیش کئے گئے ہیں۔

☆☆☆

ڈاکٹر مسز تنظیم الفردوس کو مبارکباد

''رضویات'' سے تعلق رکھنے والے محققین و مصنفین کے لئے یہ خبر باعث مسرت ہے کہ جامعہ کراچی نے ۲۵ مارچ ۲۰۰۴ء کو ڈاکٹر مسز تنظیم الفردوس لکچرار شعبۂ اردو جامعہ کراچی کی ''اردو کی نعتیہ شاعری میں مولانا احمد رضا خاں کی انفرادیت واہمیت'' کے عنوان پر پی۔ایچ۔ڈی کی تھیسس منظور کرلی ہے۔ مقالہ کے نگراں اردو کے معروف ادیب ناقد اور ماہر لسانیات حضرت ڈاکٹر فرمان فتحپوری ہیں، جب کہ وائیوا دوسری معروف علمی و ادبی شخصیت اور سابق وائس چانسلر جامعہ کراچی جناب ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب نے لیا۔ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کے سرپرست اعلیٰ ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ العالی، صدر ادارہ سید وجاہت رسول قادری صاحب، جنرل سیکریٹری جناب پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری اور دیگر اراکین ادارہ ڈاکٹر مسز تنظیم الفردوس صاحبہ کو ان کی شاندار کامیابی پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے علمی فیضان سے مالا مال فرمائے اور مزید فتوحات عطا فرمائے۔ (آمین)

امام احمد رضا کا اسلوبِ تحقیق و تحریر

صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری*

الحمد للمتوحد
بجلاله المتفرد
وصلاته دوما علی
خیر الانام محمد

علم کا لغوی معنی ہے "حقیقتِ شے کا ادراک" (۱)۔ اسی طرح عالم کے اجمالی معنی ہوا، "موصوف بالعلم ہونا" (۲)۔ لیکن اگر اس کے تفصیلی معنی کیئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ:

"علم پر عمل پیرا ہوکر اس کی تبلیغ و ابلاغ کرنے والے"

اسلام کی سب سے پہلی وحی:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ (۳)

علم کی فضیلت پر دال ہے "اِقراء" کا مطالبہ اس لئے ہوا کہ تحریر و کتابت کی اہمیت دنیا پر روشن ہوجائے اور علم کو سینوں سے نکال کر کتابوں کی امانت میں دینے کی راہ کھل جائے۔ ذرا آیت کریمہ کی ترتیبِ جمیل ملاحظہ ہو "نعمتِ تخلیق" عام ہے جس میں تمام انسان اور تمام مخلوق برابر کے شریک ہیں اس لیئے اس نعمت کو محض رب کی طرف منسوب کیا گیا، لیکن اس کے بعد ہی کلمۂ خطاب "اِقراء" کو دہرا کر "نعمتِ علم" کو نہ "رب" کی طرف منسوب کیا گیا نہ "رب کریم" کی طرف بلکہ "رب الاکرم" سے اسے نسبت دی تاکہ معلوم ہوجائے کہ "علمِ حقیقی" کی نعمت وہ نعمت ہے جو از حد کرم والے پروردگار کا کرم ہے، اس لئے یہ سب سے بڑا کرم ہے، یعنی وہی فضل و اکرام والا ہے جو صاحبِ علم و تقویٰ ہے۔ اسی بنیاد پر معلّمِ کائنات، اعلمِ ہر دوسرا ﷺ نے "اَلْعِلْمُ نُوْرٌ" فرمایا۔ یعنی جو شے اس نور کے دائرے میں آگئی وہ منکشف ہوگئی اور جس سے یہ مرتسم ہوگیا اس کی صورت ہمارے ذہن میں مرتسم ہوگئی۔ (۴)

سید عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کے نور سے روشن ہوئے، ان سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ان سے تابعین اور تبع تابعین اور ان سے ہمارے ائمہ کرام درجہ بدرجہ یہاں تک کہ عبدِ مصطفیٰ احمد رضا ان سے روشن ہوئے۔ قرآنِ حکیم ہمارے علم و دانش کی بنیاد ہے۔ اگر ایک طرف علمِ حقیقی و نافع کی بڑی فضیلت ہے تو دوسری طرف اس کے حامل کا بھی بڑا رتبہ اور قدر و منزلت ہے۔

تحقیق اور علم کا چولی دامن کا ساتھ ہے، اس کی اصل "حق" ہے (ثابت ہونا) اسی سے تحقق ہے یعنی کسی خبر کا پایۂ ثبوت تک پہنچنا "حَقَّقَ الْقَوْلَ اَوِ الظَّنَّ" کسی قول یا گمان کی تصدیق کے لیئے بولا جاتا ہے (۵)۔ گویا تحقیق نام ہے مجتہدانہ بصیرت کے ساتھ حقیقت یا سچائی کی دریافت، تصدیق یا انکشاف کا، اسے احقاقِ حق بھی کہتے ہیں۔ اس کی اصل باری تعالیٰ کے ارشادِ گرامی میں ہے:

*(صدر ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی)

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۙ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○(۶)

''وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن کہ اسے ڈرائے جو زندہ ہو اور کافروں پر بات ثابت ہو جائے''

اہل علم و تحقیق سچائی کے امین، متقی اور امانت دار ہوتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ○(۷)

''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کرو''

پھر ایک اور جگہ یوں ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ○(۸)

''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو''

مخبرِ صادق سیدِ عالم ﷺ نے بلا تحقیق و تصدیق کوئی بات دوسروں تک پہنچانے کو سخت ناپسند فرمایا ہے:

عن ابی هریره رضی الله تعالیٰ عنه قال، قال رسول الله صلی الله علیه وسلم کفی بالمرءِ کذباً ان یحدث بکل ماسمع ''(۹)

''آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیئے یہی کافی ہے کہ وہ بات کی تحقیق کیئے بغیر دوسروں تک پہنچا دے''

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ''علم'' ربِ اکرم کی عظیم نعمت اور ''فوق ذی کل علم علیم'' ''اعلم عالم سید عالم ﷺ'' کا ورثہ ہے اور تحقیق اسی علم کے ابلاغ کی ایک سنجیدہ کاوش اور انفس و آفاق کو نورِ حقیقت و معرفت سے منور کرنے کی ایک صالح کوشش۔

اس تمہید سے بتانا یہ مقصود ہے کہ محقق کا صاحب علم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ نظر اور صاحب تقویٰ ہونا بھی ضروری ہے۔ ماضی قریب میں برصغیر پاک و ہند میں ایسی ہی صاحبِ علم و نظر محقق اور با کرامت و باصلاحیت ہستی امام احمد رضا محدث بریلوی (۱۸۵۶ء-۱۹۲۱ء) قدس سرہ العزیز کی رہی ہے۔ فاضل بریلوی کو ان کے عشقِ صادق کے طفیل بارگاہِ الٰہی سے ''دانشِ نورانی'' کی دولت سے نوازا گیا۔ تبحرِ علمی، استحضارِ علمی، زود نویسی، قوتِ حافظہ اور اسلوب تحریر و تحقیق میں وہ اپنے تمام ہمعصروں سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ علامہ ابن عبدالبر اندلسی علیہ الرحمہ کا یہ قول کہ:

''جید عالم وہ ہے جو اپنی بہترین مسموعات لکھتا ہے، اپنی بہترین مکتوبات حفظ کرتا ہے اور اپنی بہترین محفوظات روایت کرتا ہے''(۱۰)

دورِ جدید میں امام احمد رضا کی شخصیت پر حرف بحرف صادق آتا ہے۔

حسنِ بیان و زبان، سلاست و روانی، فصاحت و بلاغت، زبان کی شستگی و شگفتگی، الفاظ و محاورات اور روزمرہ کے استعمال پر کامل دسترس، معلومات کی فراوانی، نکتہ آفرینی، ژرف نگاہی، تجزیہ نگاری، علم و حکمت کے تمام موجود وسائل کا استعمال اور ان سے برتنے کا سلیقہ، نفسِ موضوع سے متعلق تمام علوم و فنون سے نہ صرف آگاہی بلکہ ان پر اور ان کی فروعات پر بھی کامل دسترس، دلائل و براہین کا نظم و ضبط، اصل مآخذ و مراجع سے براہِ راست استفادہ، قولِ فیصل صادر کرنے کی صلاحیت وغیرہ، یہ وہ خصوصیات ہیں جو کسی تصنیف کو مستند و مؤقر اور قابلِ اعتماد بناتی ہیں۔ جب ہم امام احمد رضا کی جامع العلوم شخصیت کی نگارشات کا مطالعہ اور تجزیہ کرتے ہیں تو یہ تمام خصوصیات

وہاں بدرجۂ اتم موجود پاتے ہیں ۔ ذیل میں ہم اس صاحبِ طرز مصنف اور دورِ حاضر کے عظیم اسلامی مفکر و محقق کے اسلوبِ تحقیق و تحریر کی چند نمایاں خصوصیات کا جائزہ پیش کرتے ہیں جس سے قارئین کرام کو اندازہ ہو جائے گا کہ امام احمد رضا کی تحقیق و تحریر کا معیار کس قدر بلند ہے۔

۱۔ مقصدیت:

امام صاحب کی نگارشات مقصدی لٹریچر کا اعلیٰ نمونہ اور افراط و تفریط اور لایعنی باتوں سے بالکل مبرہ ہوتی ہیں ۔ خواہ آپ کی اردو تصانیف ہوں، یا فارسی یا عربی کی، منثور ہوں یا منظوم ۔ وہ اپنی ہر سطر اور ہر لفظ میں اپنے قاری کو کوئی نہ کوئی صالح پیغام دیتے نظر آتے ہیں۔

ان کی تحریر کا مقصد اسلامی شعائر کی حکمت و افادیت واہمیت، اللہ عزوجل کی عظمت و بزرگی اور اس کے رسولِ معظم سیدِ عالم ﷺ، صحابۂ کرام، بزرگانِ دین (علیہم الرضوان) کے فضائل و مناقب کا اس اسلوب میں بیان کہ قاری کے دل میں ان کی عظمت و محبت کے ساتھ ساتھ اسوۂ حسنہ پر عمل کی رغبت پیدا ہو، بدلتے ہوئے زمانہ اور حالات کے ساتھ دینِ اسلام پر عمل پیرا ہونے میں آسانی پیدا ہو، اور علم و حکمت اور دینِ متین کو فروغ حاصل ہو۔ حکیم محمد سعید صاحب بانی مدینۃ الحکمت و ہمدرد یونیورسٹی امام ممدوح کی تحریر کی اسی خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان کا مقصدِ حیات، علم و حکمت کا فروغ تھا ان کے افکار میں رفعت تھی ۔ عقائد کی صحت پر کامل اور غیر متزلزل ایمان و ایقان ان کا وہ ممتاز وصف تھا جو ان کی دعوتِ تبلیغ کے ہر گوشے خاص کر تبلیغی مساعی میں نمایاں اور روشن ہوتا تھا۔ علم و حکمت کی صد ہا تصانیف سے ان کی انفرادیت نمایاں ہے''(۱۱)

امام احمد رضا کی تحریر میں اس کی مثال ملاحظہ ہو۔

وہ تعلیم کے بنیادی مقاصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اسلام کی تعلیم کو بنیادی حیثیت حاصل ہونی چاہیے۔ تعلیم کا محور دین اسلام ہونا چاہیے کیونکہ ملّتِ اسلامیہ کے ہر فرد کے لیئے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ کیا ہے؟ اور اس کا دین کیا ہے؟''

پھر آگے مزید تشریح فرماتے ہوئے کتنی بامقصد گفتگو فرماتے ہیں:

''تعلیم کا بنیادی مقصد خدارسی اور رسول شناسی ہونا چاہیے تاکہ ایک عالمگیر فکر ابھر کر سامنے آئے، سائنس اور مفید علومِ عقلیہ کی تحصیل میں مضائقہ نہیں مگر ہیئتِ اشیاء کی معرفت سے زیادہ خالقِ اشیاء کی معرفت ضروری ہے۔ ابتدائی سطح پر رسولِ اکرم ﷺ کی محبت کے ساتھ ساتھ آل و اصحاب اور اولیاء و علماء کی محبت و عظمت دل میں پیدا کی جائے''(۱۲)

۲۔ احتیاط اور تدبر:

امام احمد رضا لفظوں کے انتخاب اور جملوں کے استعمال میں نہایت محتاط ہیں ۔ ان کی نگارشات احتیاط، تدبر اور توازن کا مرقع ہیں ۔ انہوں نے فتویٰ نویسی میں بھی بڑی احتیاط اور تدبر کا مظاہرہ کیا ہے۔ جس کا اعتراف ان کے وقت کے جید معتبر علماء نے بھی کیا ہے۔ امام احمد رضا بریلوی کے پاس ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء گائے کی قربانی کے سلسلے میں متعدد سوالات پر مشتمل ایک استفتاء آیا۔ جو بظاہر مسلمان کے پردے میں ہندوؤں کا استفتا تھا۔ امام صاحب نے اس کا مفصل و

محقق جواب دیا اور لکھا:

''ہنود کی بے جاہٹ رکھنے کیلئے یک قلم اس رسم کو اٹھادینا ہرگز جائز نہیں''

امام احمد رضا کے اس فتویٰ پر علمائے رامپور نے جن میں علامہ شبلی نعمانی صاحب کے استاذ مولانا ارشاد حسین رامپوری علیہ الرحمہ (م ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء) بھی شامل تھے، بھی اپنی تصدیقات ثبت کیں، مولانا ارشاد حسین صاحب نے دستخط کرتے وقت جو تبصرہ تحریر فرمایا وہ قابل غور ہے:

الناقد بصیر (پرکھنے والا آنکھیں رکھتا ہے)

یعنی مولانا ارشاد حسین نے فرمایا کہ فاضل نوجوان مفتی احمد رضا خان نے مستقبل پر نظر رکھتے ہوئے مستفتی کی اصل منشاء و مدعا کو سامنے رکھ کر فیصلہ صادر کیا ہے (۱۳)۔

امام احمد رضا ایک بالغ النظر مجدد کی طرح عوام کی ضروریات، مزاج، رواج اور زمانہ و حالات اور دیگر عوامل کو مدنظر رکھتے ہوئے تحقیق اور غور وفکر کے بعد کوئی فیصلہ صادر فرماتے ہیں۔ احتیاط کی ایک اور مثال ملاحظہ ہوں۔

۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء میں آپ کے پاس انگلستان سے برآمدہ ''شکر'' کے استعمال کے بارے میں ایک استفتاء آیا۔ امام احمد رضا کے جواب سے پتہ چلتا ہے کہ امام احمد رضا سے رجوع سے قبل دیگر علماء و مفتیان کرام سے مسئلہ پوچھا جا چکا تھا اور انہوں نے اس کے استعمال کو ناجائز قرار دیکر عام مسلمان کو جو اس شکر کو استعمال کررہے تھے گنہگار ٹھہرایا۔ محدث بریلوی علیہ الرحمۃ نے اس شکر کے استعمال کو جائز قرار دیتے ہوئے تحریر کیا:

''فقیر غفرلہ اللہ تعالیٰ نے آج تک اس شکر کی صورت دیکھی، نہ کبھی منگائی، نہ آگے منگائے جانے کا قصد، مگر بایں ہمہ ہرگز ممانعت نہیں مانتا، نہ جو مسلمان استعمال کریں انہیں آثم جانتا ہے، نہ تورع و احتیاط کا نام بدنام کرکے مومنین پر طعن کرے نہ اپنے نفس مہین رذیل کیلئے ان پر ترفع و تعلّی روا رکھے''۔ (۱۴)

امام احمد رضا کی انہی خصوصیات کی بنیاد پر علامہ اقبال فرماتے ہیں:

''مولانا (احمد رضا خاں) ایک مرتبہ جو رائے قائم کر لیتے ہیں اس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں، یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور وفکر کے بعد کرتے ہیں۔ انہیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاویٰ میں کبھی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی'' (۱۵)

۳- مسئلہ کی جزئیات پر عبور:

امام احمد رضا جس مسئلہ پر قلم اٹھاتے ہیں خواہ اس کا تعلق علوم نقلیہ سے ہو یا علوم عقلیہ سے یا ان دونوں کی کسی فرع سے، وہ اس کی جزئیات و اصول پر کامل عبور رکھنے کا ثبوت دیتے ہوئے نہایت ہی تحقیق و تدقیق کے ساتھ اس کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں اور قاری کو اپنے افادات و افاضات سے متحیر کردیتے ہیں، ان کے ہم عصر مخالف و موافق تمام علماء نے ان کے اس خصوصی وصف کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ علامہ حکیم عبدالحی لکھنوی (والد ماجد مولوی ابو الحسن ندوی، مہتمم ندوۃ العلماء) لکھتے ہیں:

''یندر نظیرہ فی الاطلاع علی الفقہ الحنفی و جزئیاتہ'' (۱۶)

''فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر ان کو جو عبور حاصل ہے، اس کی نظیر شاید ہی کہیں ملے''

امام صاحب کی نگارشات سے اس خصوصیت کی بے شمار مثالیں دی جاسکتی ہے، لیکن ہم یہاں پر صرف چار مثالیں مختصراً بیان کریں گے:

۱.........اس سوال پر کہ کس پانی سے وضو جائز ہے اور کس سے نہیں؟ آپ نے اس کے جواب اور مسئلہ کی تفہیم کے لیئے ایک مسبوط مقالہ تحریر کیا جس میں آپ نے وہ پانی جس سے وضو جائز ہے اس کی ایک سو ساٹھ (۱۶۰) قسمیں بیان کیں (۱۷)۔ اور وہ پانی جس سے وضو ناجائز ہے اس کی ایک سو چھیالیس (۱۴۶) قسمیں بیان کیں (۱۸)۔ اسی طرح پانی کے استعمال سے عجز کی ایک سو پچھتر (۱۷۵) صورتیں بیان کیں اور اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ بعنوان ''سمح النداء فیما یورث العجز عن الماء'' رکھا (۱۹)۔

۲.........اسی طرح دوسری مثال تیمم کے مسئلہ کی ہے جس میں امام ممدوح نے فقہ کی جزئیات پر نہ صرف دسترس کامل کا ثبوت دیا ہے بلکہ اپنی بیش بہا تحقیقات میں جدید سائنسی اور ریاضیاتی علوم پر اپنی کمالِ مہارت کے نمونے پیش فرمائے ہیں۔ جنسِ ارض سے وہ اشیاء جن سے تیمم جائز ہے ان کی ایک سو اکیاسی (۱۸۱) قسمیں بیان کیں (۲۰)۔ چوہتر (۷۴) تو وہ منصوصات ہیں جو دیگر کتب فقہ سے یکجا کیں اور ایک سو سات (۱۰۷) اپنی مزیدات (اضافی تحقیقات) اسی طرح وہ اشیاء جن سے تیمم جائز نہیں ان کی ایک سو تین (۱۰۳) قسمیں بیان فرمائیں (۲۱)۔ اٹھاون (۵۸) منصوصات اور بہتر (۷۲) زیادات۔ امام احمد رضا نے ان مسائل کے بیان کے دوران پانی کا جو کیمیائی تجزیہ بیان کیا ہے اور زمین، چٹانوں، معدنیات اور سمندر کے اندر پائے جانے والے پتھروں کا جس طرح سے تفصیلاً ذکر کیا ہے، جدید سائنسداں بھی اس تحقیق پر حیران ہیں۔

۳.........تیمم کے سلسلے میں ایک مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص تیمم سے نماز پڑھ رہا ہو اور نماز کے فوراً بعد معلوم ہوا کہ پانی مل رہا ہے پانی حاصل کرنے میں رکاوٹ نہیں ہے تو ایسے شخص کے بارے میں حکم شرع کیا ہے؟ نماز ہوئی یا نہیں تو فقہائے کرام نے اس مسئلہ کے حل میں بڑی لمبی بحثیں کی ہیں۔ دلائل و براہین کا ہجوم نظر آتا ہے۔ لیکن یہ ساری بحثیں نظم وضبط سے خالی تھیں۔

امام احمد رضا نے سارے مباحث کے انتشار کو اس طرح دور فرما کر منظم شکل دی کہ پہلے آپ نے ان علماء کی کتابوں سے تین قوانین وضع کیے پھر ان قوانین پر فقہی دلیل کے اعتبار سے پائی جانے والی کمزوریوں پر مفصل کلام کیا اس کے بعد مسئلہ تیمم کے صرف ایک جزئیہ پر قانون رضوی کے نام سے ایک نیا قانون ایجاد کیا اور یہ کمال بھی مخفی نہ رہے کہ اس ایک جزئیہ پر آپ نے چار سو چھبیس اقسام بیان کیں اور ان اقسام کو انیس قاعدوں کے تحت ترتیب دے کر ایک حتمی منظم شکل امت مسلمہ کے سامنے پیش کردیا۔ (۲۲)

۴.........امام احمد رضا کی فقہی بصیرت اور فکر ونظر پر اس بیان سے بھی بڑی حد تک روشنی پڑتی ہے کہ اسراف فی الوضوء کے مسئلہ پر فقہا کا بظاہر بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ علامہ حلبی نے غنیۃ میں اور علامہ طحطاوی نے شرح درمختار میں بغیر سبب پانی صرف کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ مدقق علائی نے مکروہ تحریمی کا قول کیا ہے۔ صاحب بحرالرائق نے مکروہ تنزیہی بتایا ہے۔ جب کہ امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں خلاف اولیٰ ہونے کا فتویٰ صادر فرمایا ہے۔ ان اقوال کو پڑھنے کے بعد عام لوگوں کے ذہن میں اضطرابی کیفیت پیدا ہوتی تھی کہ ایک مسئلہ پر جب مختلف اقوال ہیں تو آخر کس قول پر عمل کیا جائے؟ جب کہ یہ اقوال جدا جدا پائے جاتے تھے اور تطبیق بین الاقوال کے لیئے

کوئی صورت یہاں موجود نہ تھی تو امام احمد رضا نے چاروں اقوال کے الگ الگ محل ظاہر کیئے اور تطبیق دے کر بظاہر نظر آنے والے تضاد کو اس طرح رفع کیا کہ اگر سنت سمجھ کر پانی کو زیادہ خرچ کیا جائے اور پانی کا ضیاع بھی ہو تو یہ حرام ہے۔ اگر سنت سمجھے بغیر پانی زیادہ خرچ کیا جائے اور پانی کا ضیاء ہو تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اگر پانی کا ضیاء نہ ہو لیکن پانی ضرورت سے زیادہ خرچ ہو جائے تو یہ مکروہ تنزیہی ہے اور اگر پانی کا ضیاع بھی نہ ہو عادت بھی نہ ہو مگر اتفاقاً زیادہ خرچ ہو جائے تو یہ خلاف اولیٰ ہے۔

۴۔ غیر معمولی مہارت، دقّتِ نظر اور تعمق:

امام احمد رضا محدث بریلوی کے اسلوبِ تحریر کی ایک اہم خصوصیت مختلف علومِ قدیمہ و جدیدہ میں (جن کی تعداد جدید تحقیق کے مطابق ۲۰۰ر بھی زیادہ ہے)(۲۴) ان کی غیر معمولی مہارت ہے۔ امام احمد رضا کی تصانیف میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں، مثلاً علمِ فقہ میں آپ کی غیر معمولی مہارت اور دقّتِ نظری کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

> تنویر الابصار، متنِ درمختار میں ہے کہ کسی شہر میں اسلامی حاکم نہ ہو تو وہاں کے باشندگان کسی قابل اعتماد آدمی کے قول پر روزہ رکھیں، علامہ طحطاوی اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں نہ تو وہاں قاضی ہو نہ حاکم۔ (بحوالہ فتاویٰ ہندیہ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں اس پر ارقام فرماتے ہیں:

> "جہاں حاکم نہ ہو وہاں علماء حکمراں ہیں اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کی طرف رجوع کریں اور ان کا حکم مانیں، اگر علماء زیادہ ہوں تو جو ان میں زیادہ علم والا ہو وہی والی ہوگا اور اگر سب علم میں برابر ہیں تو قرعہ اندازی کی جائے گی، جس کا نام آئے گا اس کو مانا جائے گا، اس مسئلہ کی صراحت الحدیقة الندية (مصنفہ، علامہ عبدالغنی نابلسی علیہ الرحمۃ) میں موجود ہے"

اب اعلیٰ حضرت کی علم فقہ میں مہارت اور دقتِ نظری ملاحظہ ہو:

تنویر الابصار چونکہ متن ہے اس لئے اس پر اختصاراً حاکم کا ذکر فرمایا جس میں ضمناً وہ لوگ بھی آ گئے جو بجائے حاکم مانے جاتے ہیں مثلاً قاضی اور عالمِ دین اور جب یہ دونوں بھی نہ ہوں تو بستی کے قابل اعتماد دیندار شخص کی بات پر (فیصلہ) ہوگا۔ مسلمانوں پر اس کی اتباع لازم ہوگی تاکہ ان کی اجتماعیت نہ ٹوٹنے پائے کیونکہ اتحاد و اتفاق ہی زندگی کا نام ہے اور اختلاف موت ہے، علامہ طحطاوی نے حاکم کے علاوہ قاضی کا بھی ذکر کیا جبکہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس کی پوری تفصیل کرتے ہوئے علمائے دین کو بھی حاکم قرار دیا اس ضمن میں یقیناً آیۂ کریمہ "اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ" کی تفسیر بھی پیشِ نظر ہوگی، پھر "الحدیقه الندیه" کے حوالے سے اسے موئید بھی کر دیا۔ مسئلہ مسئولہ کے بیان کے علاوہ آپ نے فقہ کے اس جزیہ سے عامۃ المسلمین کو ایک کلیہ بھی دیا کہ اگر ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کسی شہر یا ملک میں حاکم، سلطان، بادشاہ ناپید یا معزول ہو جائے اور مسلمانوں کا کوئی پُرسانِ حال نہ ہو تو مسلمانوں کی یکجہتی، قوت اور اقتدار اعلیٰ کی حفاظت کی خاطر علماء میں سے کسی قابل ترین شخص کو فوری طور پر سربراہ مقرر کر لیا جائے تو افراتفری، فساد اور انتشار سے بچا جا سکتا ہے۔ (۲۵)

علومِ فقہ اور حدیث میں اس غیر معمولی مہارت کی وجہ سے امام احمد رضا مرجع خلائق تھے۔ آپ کے دارالافتاء میں پاک و ہند

کے علاوہ افغانستان، امریکہ، افریقہ، چین اور عرب ممالک سے ایک ایک وقت میں پانچ پانچ سو استفتاء جمع ہو جایا کرتے تھے (۲۶)۔ آپ کے زمانے میں شاید ہی کوئی دارالافتاء عالم اسلام میں ہو جہاں اس کثرت سے فتوے آتے ہوں۔ (۲۷)

اسی طرح علومِ عقلیہ ہیئت ہو یا ہندسہ، علمِ مثلث کروی ہو یا سطحی، ارتھمیٹک ہو یا الجبراء، زیج ہو یا تکسیر، کوئی صنف آپ کی تحقیق و تدقیق اور تحریر و تنقیح سے محروم نہیں۔ مثال کے طور پر آپ کی ایک کتاب ''کشف العلہ عن سمت القبلہ'' ۱۳۳۲ھ۔ یہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے سمت قبلہ دریافت کرنے کیلئے دس قواعد اور اس کے حسابات پر مشتمل ہے۔ اس کے متعلق ماہرِ علومِ ریاضی فاضل نوجوان علامہ مفتی قاضی شہید عالم استاذ جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف رقم طراز ہیں:

''اس عنوان پر اب تک جتنی کتب یا مضامین لکھے گئے ان میں سب سے زیادہ تفصیلی، آسان، تحقیقی اور تمام روئے زمین کے لئے جامع مجدد اعظم احمد رضا قدس سرہ العزیز کی یہی معرکۃ الآراء تصنیف ہے، امام احمد رضا نے پوری دنیا کی سمتِ قبلہ دریافت کرنے کیلئے قاعدے خود ایجاد کیئے ہیں''۔

مزید تحریر کرتے ہیں:

''قواعد علمِ مثلثِ کروی (Spherical Trignometry) کے فارمولوں پر مبنی ہیں اور تحقیق و تسہیل کے پیشِ نظر شکلِ مغنی و شکلِ ظلی دونوں سے کام لیا ہے۔ مطلوب کو ثابت کرنے کیلئے جو فارمولے خود ایجاد کیئے ہیں ان کو مثلث کروی کے مسلمہ اصولوں کے ذریعہ اس طرح ثابت کر دیا ہے کہ کسی کے لئے شک و ریب کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی'' (۲۸)

۵-قول فیصل کا صدور:

امام احمد رضا مفتی کی اہلیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''والمراد بالاهلية ههنا ان يكون عارفاً مميزا بين الاقاويل له قدرة على ترجيح بعضها علىٰ بعض'' (۲۹)

یعنی مفتی کیلئے یہی کافی نہیں کہ وہ مختلف اقوال کو نقل کر دے بلکہ اس کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مختلف اقوال میں تمیز کر کے ایک کو دوسرے پر ترجیح دے سکے اور قولِ فیصل صادر کر سکے۔

امام احمد رضا کے فتاویٰ میں حتیٰ کہ اوائل عمر کے فتاویٰ میں بھی یہ خوبی موجود ہے۔ مثلاً گز کی شرعی تحقیق پر ابتدائی عمر کا ایک فتویٰ، جس میں ائمہ کرام کے تین (۳) اقوال بیان کیئے پھر قول اول کی تائید میں ۱۳/کتب فقہ کے ۲۲/حوالے پیش کیئے اور اس کے بعد ''اقول'' کہہ کر ایک قول کو ترجیح دے کر قولِ فیصل صادر کیا۔ (۳۰)

لفظ ''اقول'' (میں کہتا ہوں) سے اعلیٰ حضرت کے فقیہانہ اور مجتہدانہ طنطنے (شان) کا اظہار ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

وانا اعرف حيث يحل للمقلد ان يقول اقول، (۳۱)

''میں خوب جانتا ہوں کہ مقلد کیلئے کب روا ہوتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں کہتا ہوں''

چنانچہ فتاویٰ رضویہ ج ۱ (قدیم) میں ۱۱۴، فتاویٰ اور ۲۸/رسائل ہیں ان میں امام احمد رضا کی تحقیق اور قولِ فیصل کی تعداد لفظ ''اقول'' سے تین ہزار پانچ سو چھتیس (۳۵۳۶) ہے (۳۲)۔

۶۔للّٰہیت:

امام احمد رضا نے جس چیز کو اپنا معیار زندگی بنایا وہ سید عالم ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے۔ اسوۂ حسنہ کی شان یہ ہے کہ اس میں فرصت کے لمحات نہیں کیونکہ ایک مومن کا ہر لمحہ اقامتِ دین، تزکیۂ نفس، تعلیم و حکمت اور رضائے محبوب میں بسر ہوتا ہے۔ اخلاص اور للّٰہیت ان کے گفتار و کردار کی طرح ان کی تحریر کے اسلوب سے بھی نمایاں ہے۔

اعلیٰ حضرت، حصولِ تعلیم کا مقصد خدارسی اور رسول شناسی کو قرار دیتے ہوئے اس امر کی مخالفت کرتے ہیں کہ علم و خدمت دین کو حصولِ زر کا ذریعہ بنایا جائے، وہ فرماتے ہیں:

''رزق علم میں نہیں وہ تو رزاق مطلق کے پاس ہے، وہ خود بندوں کا کفیل ہے'' (۳۳)

ان کے نزدیک تعلیم و تعلم، درس و تدریس، فتویٰ نویسی اور تحریر و تصنیف کا اصلِ اعظم دین متین کا حصول، اس پر عمل اور اس کی خدمت ہے (۳۴) وہ مسند افتاء پر اپنے آبائے کرام کی سو سالہ مسند نشینی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس نو کم سو برس میں کتنے ہزار فتوے لکھے گئے، بارہ مجلدات تو صرف اس فقیر کے فتاویٰ کے ہیں، بحمداللہ تعالیٰ یہاں کبھی ایک پیسہ نہیں لیا گیا، نہ لیا جائے گا، بعونہ تعالیٰ ولہ الحمد، معلوم نہیں کون لوگ ایسے پست فطرت، دنی ہمت ہیں جنہوں نے یہ صیغۂ کسب اختیار کر رکھا ہے جس کی باعث دور دور کے ناواقف مسلمان پوچھ چکے ہیں کہ فیس کیا ہوگی؟

بھائیو!

مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

''میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا میرا اجر تو سارے جہان کے پروردگار پر ہے'' (۳۵)

۷۔مخاطب کی استعدادِ علمی اور سطح فہم کا ادراک:

محدث بریلوی کی تحریر کی ایک نمایاں خصوصیات یہ بھی ہے وہ مخاطب کی استعدادِ علمی اور سطح فہم (I.Q Frequency) کے مطابق گفتگو کرتے ہیں۔ عامۃ المسلمین سے سادہ زبان میں مختصراً علماء سے عالمانہ اور محققانہ انداز میں۔ جس زبان اور صنفِ سخن میں مستفتی نے سوال کیا اسی زبان اور صنفِ سخن میں اس کو جواب دیا گیا۔ عربی، اردو، فارسی تینوں زبانوں میں آپ کے فتاویٰ موجود ہیں ایک فتویٰ انگریزی میں بھی ہے۔ حتیٰ کہ منظوم استفتاء کے جواب منظوم دیئے گئے (۳۶)۔ فتاویٰ رضویہ (جدید) ج-۱، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور میں ہندوستان کے اس دور کے ۵۴۱ علماء، مشائخ اور اسکالرز کے اسمہائے گرامی کی فہرست ہے جو اعلیٰ حضرت کے مستفتیوں میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے مستفتیوں میں یونیورسٹی، کالج اور اسکول کے بے شمار اساتذہ بھی شامل ہیں۔ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کے جنرل سکریٹری پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری نے پاکستان کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے اس دور کے علماء اور اساتذۂ کرام پر تحقیقی کام کیا ہے جن کے اعلیٰ حضرت سے کسی نہ کسی اعتبار سے روابط مراسلت تھے۔

۸۔حوالوں کی کثرت:

امام احمد رضا کی تحریر کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ اس میں حوالہ جات کی کثرت ہوتی ہے۔ آپ کے اکثر فتاویٰ اعلیٰ ترین

تحقیقی مقالات ہوئے ہیں جن میں ڈیڑھ ڈیڑھ سو، دو دو سو مآخذ سے بیک وقت رجوع کیا گیا ہے۔ ان کی قوتِ حافظہ حیرت انگیز اور محیر العقول تھی جس کتاب کو ایک مرتبہ پڑھ لیا کرتے متون مدتوں محفوظ ہو جاتے۔(۳۷)

علالت اور وطن سے دوری کے باوجود استفتاء آپ کے پاس آتے تھے اور آپ کتب کے بغیر ان کا جواب لکھتے تھے، چنانچہ اسی قسم کے ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں:

''فقیر ۲۹ رشعبان سے بوجہ علالت رمضان شریف کرنے اور شدتِ گرما گزارنے پہاڑوں پر آیا ہے وطن سے مہجور اپنی کتب سے دور لہذا زیادہ شرح وبسط سے معذور مگر حکم مسئلہ بفضل اللہ تعالیٰ میسور''۔(۳۸)

لیکن علالت اور کتبِ دینی کی عدم موجودگی کے باوجود جو جواب عنایت فرمایا اس میں کتبِ فقہ کے ۳۱ حوالے موجود تھے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سامنے کتابیں متحضر تھیں۔(۳۹)

کثرتِ حوالہ اور آپ کے استحضار علمی کی مثالوں میں سے ایک اور مثال ''علمِ رسول'' ﷺ پر آپ کی شاہکار عربی تصنیف ''الدولة المکیة بالمادة الغیبیه'' ہے۔ یہ کتاب بھی آپ نے بحالتِ بخار، کتب دینی سے دوری، سفرِ حج میں مکہ شریف میں وہاں موجود ہندوستان کے بعض دیوبندی وہابی علماء کے الزامات کے رد میں لکھی۔ صرف ساڑھے آٹھ گھنٹے کی قلیل مدت میں لکھی ہوئی یہ کتاب ۱۳۵ ر صفحات پر مشتمل ہے (بموجب نسخہ مطبوعہ مؤسسہ رضا، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء، لاہور)۔ جس میں ۱۷ آیات قرآنی، ۳۷ احادیث مبارکہ کے علاوہ ۱۴۰ کتب تفسیر و حدیث، سیر، مغازی اور فتاویٰ سے سینکڑوں اقوال نقل فرمائے اور خود جوان کی نفیس تشریح و تفسیر فصیح و بلیغ عربی میں فرمائی اس کی شان علیحدہ ہے۔ یہ کتاب حقائق و دقائق معارفِ قرآن و حدیث کا ایسا بحرِ ذخار ہے کہ اس وقت کے بے شمار علمائے حرمین شریفین اور علمائے عرب نے اس سے استفادہ کیا اور اس پر ۶۰ ر سے زیادہ جید علماء نے تقاریظ لکھیں۔ اس کتاب کی وجہ سے آپ کا علم و فضل کا شہرہ عالم اسلام میں پھیل گیا۔(۴۰)

۹۔علوم کثیرہ پر دسترس:

امام احمد رضا ایک جامع العلوم، یگانۂ روزگار اور عبقری شخصیت تھے۔ آپ نے نہ صرف علوم دینیہ ہی میں بے محابانہ محققانہ اور مجتہدانہ کام کیا بلکہ علومِ عقلیہ میں بھی اپنے ہم عصر علماء بلکہ بعض ماہرین فن سے کہیں زیادہ تصانیف و تالیف تحریر کر ڈالیں۔ آپ کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد محققین نے ایک ہزار سے زیادہ بتائی ہیں، جو خود امام صاحب کی خودنوشت تحریر کے مطابق ۵۵ ر سے زیادہ علوم پر محیط ہیں اور ہر علم وفن میں انہوں نے کوئی نہ کوئی تصنیف یادگار چھوڑی ہے۔ لیکن جدید تحقیق کے مطابق امام ممدوح کے علوم کی تعداد ۲۰۰ ر سے بھی زیادہ ہے۔(۴۱)

بقول پروفیسر جمیل قلندر صاحب، (استاذ قاعد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد):

''تقسیم ہند سے پہلے ہندوستان میں علامہ امام احمد رضا بریلوی دینی پلیٹ فارم پر غالباً واحد شخصیت نمودار ہوئے جنہوں نے نرے تخصص (Specialisation) کی روش سے ہٹ کر علوم و فنون کے بارے میں وہی انسائیکلوپیڈیائی (موسوعاتی) انٹرڈسپلینری اور ہولسٹک (Holistic) رویہ اپنایا جو مشرق کے قدیم سائنسدانوں، فلسفیوں، علماء، فقہاء اور

مؤرخین کا وطیرہ اور معمول رہا ہے''۔(۴۲)

کثرتِ علوم اور اس پر دسترس کے حوالے سے صرف ایک مثال ملاحظہ ہو، امام احمد رضا کی ۲۵ رصفحات پر مشتمل ایک کتاب ''الصمصام علی مشکک فی آیة الارحام'' جس کا موضوع ہے حاملہ عورت کے پیٹ میں کیا ہے ذکور یا اناث۔ یہ ایک انگریز پادری کے رد میں لکھی گئی کتاب ہے، جس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ قرآن مجید کا یہ اعلان کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے، غلط ہے اس لئے کہ انگریز نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے، جس سے پتہ چل سکتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے، بچہ ہے یا بچی۔ امام احمد رضا نے اس کے دعویٰ کا جو کافی و شافی رد کیا ہے اس کی مثال نہیں، توحید کے تصور سے لبریز فاضل بریلوی کی اس تحریر کی ایک ایک سطر سے خالق کائنات کی وحدانیت کا نور پھوٹ رہا ہے اور ہر ہر کلمہ اسی کی ترجمانی کرتا نظر آرہا ہے(۴۳)۔ قطع نظر اس کے اس مختصر سے رسالے میں امام احمد رضا نے بحیثیت ایک ماہر طبیب اور استاد میڈیکل سائنس انسانی جسم کے اندرونی اعضاء کے فنکشن کی جو تصویر کشی کی ہے وہ نہایت جامع اور حیرت انگیز ہے بلکہ مسئلہ کی تحقیق اور تفصیل جزئیات کے بیان کے دوران، علومِ الٰہیات، قرآن، تفسیر، حدیث، علمِ طب، نسخہ نویسی، طریقۂ تشخیصِ امراض، علمِ ادویات، جدید میڈیکل سائنس، علمِ ایجادِ آلات و ٹیکنیکل سائنس، طبیعات، جیومیٹری وغیرہ سمیت تقریباً ساٹھ (۶۰) مختلف علوم کے قضایا بیان فرمائے ہیں جو اہلِ علم وفن کے لیئے دعوتِ غور وفکر ہیں۔ ایک حیرت انگیز اور ششدر کرنے والی بات یہ ہے کہ کسی آلے کے ذریعہ غیر شفاف اجسام کے اندر کے زاویے معلوم کرنے کا رواج (مثلاً Veginal Speculttem سے) نہایت ابتدائی مرحلے میں تھا اور ایکسرے الٹرا ساؤنڈ وغیرہ ابھی ایجاد نہیں ہوئے تھے، امام احمد رضا نے اپنی طبعی ذہانت اور فطانت سے ایسے سائنسی آلہ کی تھیوری پیش فرمائی ہے جس کی کارکردگی، ایکسرے اور الٹرا ساؤنڈ مشین سے ملتی جلتی ہے۔ گویا امام احمد رضا آج سے تقریباً سو سال قبل ہندوستان میں اس تھیوری کے پیش کرنے والے پہلے مسلمان سائنسداں قرار پاتے ہیں۔(۴۴)

۱۰۔ علمی نظم وضبط:

اب آیئے بحث کے اختتام پر امام احمد رضا کا رنگ اجتہاد اور علمی نظم وضبط ملاحظہ فرمایئے جس کا تعلق اصول وقواعد سے ہے۔ ان نادر تحقیقات کو دیکھنے اور ان گہرائی وگیرائی کا جائزہ لینے کے بعد یہ کہنا پڑتا ہے۔

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

احکام شرعیہ کی تقسیم میں علمائے اصولیین اور فقہائے معتمدین کے چار اقوال ملتے ہیں:

قول اول:۔احکام شرعیہ کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) واجب　(۲) مندوب　(۳) مکروہ
(۴) حرام　(۵) مباح

قول ثانی:۔احکام شرعیہ کی سات قسمیں ہیں:

(۱) فرض　(۲) واجب　(۳) مندوب
(۴) مباح　(۵) حرام　(۶) مکروہ تحریمی
(۷) مکروہ تنزیہی

ان دونوں اقوال کا ذکر کتب اصول میں بکثرت ملتا ہے۔ صاحبِ مسلم الثبوت نے بھی ان دونوں کو ذکر کیا ہے۔

قول ثالث:۔بعض حضرات نے قدرے تبدیلی کے ساتھ ساتوں

قسموں کو یوں بیان فرمایا:

(۱)فرض (۲)واجب

(۳)سنت (۴)نفل

(۵)حرام (۶)مکروہ (۷)مباح

صدر الشریعہ نے متنِ تنقیح میں اسی کو رکھا اور ''مرقاۃ الوصول'' میں مولیٰ خسرو نے اور ''فصول البدائع'' میں شمس الدین محمد ابن حمزہ نفاریؔ نے ان کی پیروی کی۔

قول رابع:۔احکام شرعیہ کی نو قسمیں ہیں:

(۱)فرض (۲)واجب

(۳)سنتِ ھدیٰ (سنت مؤکدہ) (۴)سنتِ زائدہ (غیر مؤکدہ)

(۵)نفل (۶)حرام

(۷)مکروہ تحریمی (۸)مکروہ تنزیہی

(۹)مباح

صاحب فصول البدائع علامہ شمس الدین محمد ابن حمزہ نفاریؔ نے اپنے کلام کے آخر میں اسے صراحۃً ذکر کیا اور صدر الشریعہ نے توضیح میں اس کا اشارہ دیا۔(۴۵)

مذکورہ بالا چاروں تقسیم میں سے ہر ایک میں اصولی نظم و ضبط کے اعتبار سے کچھ نہ کچھ کمی یا خلل موجود ہے۔ چنانچہ اس کی نشاندہی کرتے ہوئے امام احمد رضا رقم طراز ہیں:

''اقول، تقسیمِ اول میں کمالِ اجمال اور مذہبِ شافعی سے الیق ہونے کے علاوہ صحتِ مقابلہ اس پر مبنی کہ ہر مندوب کا ترک مکروہ ہو، وقد علمت انه خلاف التحقيق، نیز سنت و مندوب میں فرق نہ کرنا مذہب حنفی و شافعی کسی کے مطابق نہیں۔ یہی دونوں کی تقسیم دوم میں بھی ہیں۔ سوم و چہارم میں عدم مقابلہ بدیہی کہ سوم میں جانبِ فعل چار چیزیں ہیں اور جانبِ ترک دو، چہارم میں جانبِ فعل پانچ ہیں اور جانبِ ترک تین، پھر جانب ترک بسط اقسام کر کے تصحیح مقابلہ کیجئے تو اسی مقابلہ نفل و کراہت سے چارہ نہیں۔ مگر بتوفیق اللہ تعالیٰ تحقیق فقیر سب خللوں سے پاک ہے، بلکہ اس نے ظاہر کیا کہ احکام گیارہ ہیں۔ پانچ جانب فعل میں متنازلاً، فرض، واجب، سنت مؤکدہ، غیر مؤکدہ، مستحب، اور پانچ جانب ترک میں متصاعداً، خلاف اولیٰ، مکروہ تنزیہی، اساءت، مکروہ تحریمی، حرام۔ جن میں میزانِ مقابلہ اپنے کمالِ اعتدال پر ہے کہ ہر ایک اپنے نظیر کا مقابل ہے اور سب کے بیچ میں گیارھواں مباح خالص''۔(۴۶)

اپنی اس نادر و نایاب تحقیق کا تذکرہ اور اس پر مسرّت کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''اس تقریر منیر کو حفظ کر لیجئے کہ ان سطور کے غیر میں نہ ملے گی اور ہزار ہا مسائل میں کام دے گی اور صدہا عقدوں کو حل کرے گی، کلمات اس کے موافق، مخالف سب طرح کے ملیں گے، مگر بحمد اللہ تعالیٰ حق اس سے متجاوز نہیں۔ فقیر طمع رکھتا ہے کہ اگر حضور سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور یہ تقریر عرض کی جاتی، ضرور ارشاد فرماتے کہ عطرِ مذہب و طرازِ مذہب ہے والحمد للہ رب العالمین''(۴۷)

اس تنقیح و تقریر سے معلوم ہوا کہ امام احمد رضا نے احکام شرعیہ کی کل گیارہ قسمیں نکالیں ہیں، جن میں ۵/جانبِ فعل اور

۵/جانبِ ترک جبکہ ''مباح'' دونوں میں مشترک ہے۔

(۱) فرض (۲) واجب
(۳) سنت مؤکدہ (۴) سنت غیر مؤکدہ
(۵) مستحب (۶) خلاف اولیٰ
(۷) مکروہ تنزیہی (۸) اساءت
(۹) مکروہ تحریمی (۱۰) حرام
(۱۱) مباح

امام احمد رضا نے اس علمی ونظم وضبط کی ترتیب سمجھانے کیلئے جس جدید گرافک ٹیکنک کا استعمال کیا ہے اس کو مندرجہ ذیل نقشے سے سمجھا جاسکتا ہے:

امام احمد رضا کی نظم کردہ احکام شرعیہ کی اقسام کی نادرونایاب تحقیق کا گرافک میزان

پانچ جانبِ فعل - ایک مشترک - پانچ جانب ترک

مباح (۱۱)

(۱) فرض — (۱۰) حرام
(۲) واجب — (۹) مکروہِ تحریمی
(۳) سنتِ مؤکدہ — (۸) اساءت
(۴) سنتِ غیر مؤکدہ — (۷) مکروہِ تنزیہی
(۵) مستحب — (۶) خلاف اولیٰ

تنزلاً (DESCENDING ORDER) — تصاعداً (ASCEDING ORDER)

(نوٹ: ملاحظہ ہو! میزانِ مقابلہ اپنے کمالِ اعتدال پر ہے کہ ہر ایک اپنے نظر کا مقابل ہے اور سب کے بیچ میں گیارھواں مباحِ خالص ہے)
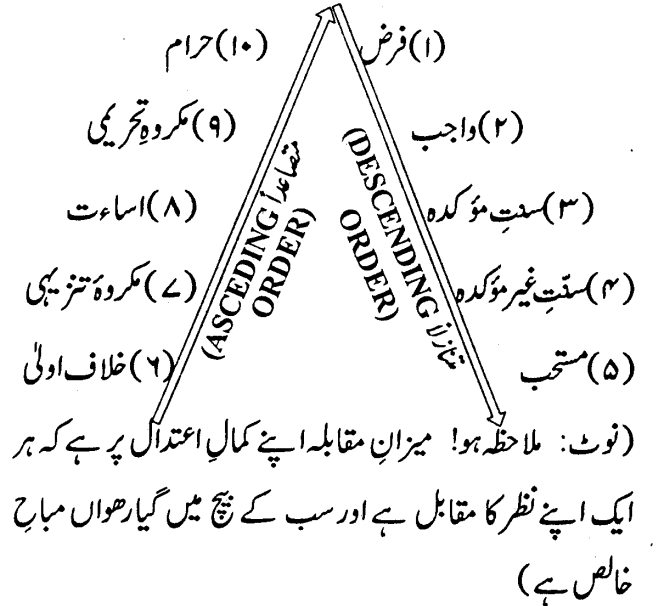
امام احمد رضا کے اسلوبِ تحقیق وتحریر کی یہ چند خصوصیات ہیں جو بیان کی گئیں۔ اگر وقت کی قلت ومضمون کی طوالت کا خوف نہ ہوتا تو مزید خصوصیات پر بھی اظہار خیال کیا جاسکتا تھا، مثلاً ان کا:

(۱) جودتِ قلم (۲) تدقیق وتحقیق
(۳) زبان وبیان کی ادبی وفنی خوبیاں
(۴) سائنٹفک طرز استدلال
(۵) فکری ماڈرن ازم (۶) سرعتِ فکر
(۷) فقاہت میں رسوخ اور مزید دیگر خصوصیات

بھی دعوتِ تحریر دیتے ہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ اگر زندگی رہی تو کسی اور نشست میں ان پر گفتگو ہوگی؛ ویسے یہ موضوع تو اس قابل ہے کہ مطالعۂ رضویات سے وابستہ کوئی محقق اس پر کئی سو صفحات کا بسیط تحقیقی مقالہ سپردِ قلم کرسکتا ہے۔

خلاصۂ کلام:

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کو وصال کیئے ۸۴ برس سے زیادہ ہوئے۔ ابھی تک آپ کی ایک تہائی سے زیادہ تصانیف یا تو مخطوطہ کی صورت میں ہیں یا نادریافت ہیں۔ اھلِ علم وتحقیق کو چاہیے کہ اس عظیم علمی ورثہ کی قدر کریں اور امام ممدوح کی تالیفات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے میدانِ علم میں تحقیق کیلئے انہیں موضوع بنائیں اور اس نابغۂ روزگار شخصیت کے افکار وخیالات اور اس کی علمی، فنی اور ادبی نگارشات کو، کالج، اسکول اور جامعہ کی سطح پر نصاب میں متعارف کرواکر مستقبل کے نوجوانوں کی تعلیم، ان کی فکری اور روحانی تربیت اور ان کی کردار سازی کے لیئے ساز وسامان بہم پہنچائیں۔

امام احمد رضا ہمارے محسن ہیں بلکہ دورِ جدید کے دور پرفتن میں ہمارے رہنما اور رہبر بھی ہیں۔ محسنوں کو بھول جانا ہماری عادت

ہے، لیکن زندہ قوموں کا یہ دستور نہیں، وہ اپنے محسنوں کا یاد رکھتی ہیں، ہمیں بھی یہی شیوہ اختیار کرنا چاہیے۔ اپنے محسنوں کی یاد میں صرف مجلسیں منعقد کرلینا کافی نہیں بلکہ ان کے ورثۂ علمی کی تشہیر و ابلاغ اور اس کی نشر و اشاعت کرنا بھی ضروری ہے تاکہ ملّت کی حرکی قوت ترقی پذیر رہے اور آنے والی مسلمان نسلیں، علم و فن اور فکر و عمل کے اعتبار سے دنیا پر غالب رہیں۔ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی پاکستان اس محسنِ ملّت کے حوالے سے گذشتہ ۲۳ ؍ برسوں سے ثابت قدمی کے ساتھ یہی خدمات انجام دے رہا ہے۔ بحمد للہ آج ادارے کی تحریک اور جدوجہد کا ثمرہ ہے کہ دنیا میں ۲۰ ؍ سے زیادہ ادارے امام احمد رضا پر کام کررہے ہیں اور ۳۳ ؍ سے زیادہ عالمی جامعات پر تحقیقی کام ہوا ہے اور مزید ہورہا ہے۔ پی۔ایچ۔ڈی، ام فل، ام۔ایڈ اور ام۔اے کے تحقیقی مقالات جس تواتر اور دل جمعی سے لکھے جارہے ہیں اس کی مثال برصغیر پاک و ہند اور شائد عالم اسلام کی کسی دوسری شخصیت میں نظر نہیں آتی مگر پھر بھی بقول شاعر:

مصطفیٰ ﷺ کے نور کا اتمام باقی ہے ہنوز
مسلکِ احمد رضا کا کام باقی ہے ہنور
بو جہل ہو، بو لہب ہو کہ ہو ابن اُبی
صاحب لولاک کا اسلام باقی ہے ہنوز
(خوشتر)

لہٰذا آیئے ہم سب ملکر اس مبارک مشن پر کام کریں کیونکہ یہی ہماری شناخت ہے اور یہ کہ اس کام ہی نے ہمیں زندہ رکھا ہے، یہ کام ہی ہمیں تاقیامت زندہ رکھے گا۔ (اِن شاء اللہ العزیز)

کام کا دم جو بھر نہیں سکتا
زندہ رہ کر بھی کوئی مردہ ہے
مرد ہی کیا جو کر نہیں سکتا
کوئی مرکر بھی مر نہیں سکتا
(خوشتر)

وآخر دعونا ان الحمدلله وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا مولانا محمدواٰله وصحبه وبارك وسلم

حوالہ جات:

(۱) المنجد (عربی، اردو) مطبوعہ دارالاشاعت، کراچی، جولائی ۱۹۷۵ء، ص ۶۷۷
(۲) ایضاً، ص ۶۷۸
(۳) علق: ۹۶: ۱ تا ۴
(۴) احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ (قدیم) ج ۱، مطبوعہ بیسلپور، انڈیا
(۵) المنجد (عربی-اردو) دارالاشاعت، کراچی ۱۹۷۵ء، ص ۲۴۴
(۶) یٰسین ۳۶: ۶۹ تا ۷۰۔
(۷) الاحزاب ۳۳: ۷۰
(۸) التوبہ: ۹: ۱۱۹
(۹) مسلم شریف، ج ۱، مطبوعہ مصر، ص ۷۳
(۱۰) ابن عبدالبراندلسی، علامہ، العلم والعلماء (اردو ترجمہ "جامع البیان العلم وفضلہ" عربی) مترجم عبدالرزاق ملیح آبادی، مطبوعہ ادارۂ اسلامیات، انارکلی لاہور، دسمبر ۱۹۷۷ء، ص ۸۶
(۱۱) محمد سعید، حکیم، مکتوب بنام صدر ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۸ء
(۱۲) محمد مسعود احمد، ڈاکٹر، فاضل بریلوی کے تعلیمی نظریات، معارف رضا سالنامہ، صد سالہ جشن دارالعلوم منظر اسلام بریلی نمبر ۲۰۰۱ء، ص ۳۱۔
(۱۳) محمد مسعود احمد، ڈاکٹر، حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی، مطبوعہ سیالکوٹ، ۱۹۸۱ء، ص ۱۷۲۔
(۱۴) احمد رضا خاں، امام، الاحلی من السکر لطلبۃ سکر روسر، مشمولہ فتاویٰ رضویہ (قدیم) ج ۲، ۱۲۲ تا ۱۲۵
(۱۵) مقالات یوم رضا، حصہ ۳، مطبوعہ مرکزی مجلس رضا، لاہور ۱۹۷۱ء،

ص ۱۰۱۔

(۱۶) عبدالحئی لکھنوی، حکیم، نزھت الخواطر، ج ۸، مطبوعہ حیدر آباد (ھند) ص ۴۱

(۱۷) احمد رضا خان، امام، فتاویٰ رضویہ (قدیم) ج ۱ ص ۴۵۶

(۱۸) ایضاً ص ۳۵۰، ۴۷۲، ۵۴۳

(۱۹) ایضاً ص ۶۱۱-۶۵۹

(۲۰) ایضاً ص ۴۰۷-۵۵۳

(۲۱) ایضاً ص ۶۶۸-۷۱۹

(۲۲) فتاویٰ رضویہ، ج ۱ (قدیم) ص ۷۸۷

(۲۳) ایضاً ص ۱۶۶

(۲۴) اسحاق رضوی، محمد، مولانا، امام احمد رضا ایک جامعہ العلوم شخصیت، شمولہ معارف رضا، سالنامہ ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء، ص ۷۲۔

(۲۵) محمد عبدالمبین نعمانی، مفتی، امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، مشمولہ معارف رضا سالنامہ ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء، کراچی، ص ۲۱-۲۲، فتاویٰ رضویہ، ج ۱ ص ۷۸۷

(۲۶) احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ (قدیم) ج ۳ ص ۲۳، فتاویٰ رضویہ، ج ۱ ص ۱۶۶

(۲۷) محمد مسعود احمد، ڈاکٹر، حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی، مطبوعہ سیالکوٹ، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء، ص ۱۲۲

(۲۸) قاضی شہید عالم، مولانا، مفتی، امام احمد رضا اور علم ریاضی، مشمولہ معارف رضا سالنامہ ۲۰۳ء، ص ۵۷-۵۸

(۲۹) احمد رضا خان، امام، فتاویٰ رضویہ (قدیم) ج ۱ ص ۳۸۱

(۳۰) ایضاً ص ۳

(۳۱) ایضاً

(۳۲) محمد مسعود احمد، ڈاکٹر، حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی، مطبوعہ سیالکوٹ، ۱۹۸۱ء، ص ۱۳۲

(۳۳) احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ (قدیم) ج ۱۰، مطبوعہ بیسلپور، انڈیا، ص ۲۲

(۳۴) احمد رضا خاں، امام، مکتوب بنام لعل خاں، کلکتہ محررۂ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ، مشمولہ حیات صدر الافاضل، مطبوعہ لاہور، ص ۱۵۹

(۳۵) احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ، (قدیم) ج ۳ ص ۲۳۰

(۳۶) ملاحظہ ہوں فتاویٰ رضویہ (قدیم) ج ۳ ص ۶۵۴-۶۵۵

(۳۷) ظفر الدین بہاری، مولانا، حیات اعلیٰ حضرت، ج ۱ ص ۱۳۸

(۳۸) احمد رضا خاں بریلوی، امام، فتاویٰ رضویہ (قدیم) ج ۳ ص ۴۸۵

(۳۹) محمد مسعود احمد، ڈاکٹر، حیات مولانا احمد رضا خاں، مطبوعہ سیالکوٹ، ۱۹۸۱ء، ص ۱۲۵

(۴۰) ملاحظہ تقریظات "الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیۃ مع تعلیقاتہاللمصنف الفیوضات المکیہ لمحب الدولۃ المکیہ، مطبوعہ مؤسسۂ رضا (رضا فاؤنڈیشن) لاہور، رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ/نومبر ۲۰۰۱ء

(۴۱) محمد اسحاق رضوی، علامہ، امام احمد رضا جامع العلوم شخصیت، مشمولہ معارف رضا سالنامہ ۲۰۰۳ء، ص ۷۲

(۴۲) جمیل قلندر، پروفیسر، امام احمد رضا خاں - ایک موسوعاتی سائنسداں مشمولہ معارف رضا سالنامہ ۲۰۰۳ء، کراچی، ص ۸۵

(۴۳) رضوان احمد خاں، علامہ، فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ بحثیت ایک موحد، مشمولہ معارف رضا سالنامہ ۲۰۰۳ء، ص ۵۵

(۴۴) احمد رضا خاں، امام، اَلصَّمْصَام عَلٰی مُشَکِّکٍ فِیْ آیَۃِ عُلُوْمِ الْاَرْحَام، (اردو عنوان: شکم مادر میں کیا ہے) مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی، انڈیا، ۱۴۲۱ھ/۱۹۹۹ء، ص ۱۰

(۴۵) آل مصطفیٰ مصباحی، فقہی عبارت پر امام احمد رضا کا کلام اور ان کی تحقیق و تنقیح، مشمولہ "پیغام رضا" کا امام احمد رضا نمبر، ۱۹۹۷ء، ناشر رضا دار المطالعہ، پوکھیرا، سیتامڑھی، بہار، ص ۱۶۱ تا ۱۶۲۔

(۴۶) احمد رضا، امام فتاویٰ رضویہ، ج ۱ (قدیم) ص ۱۷۵، بحوالہ پیغام رضا کا امام احمد رضا نمبر ۱۹۹۷ء، ص ۱۶۳

(۴۷) ایضاً

"معارف رضا" مارچ میں فقیر نے مجلۂ فقہ اسلامی میں شائع شدہ مقالہ "مغفرت ذنب" پر ایک مختصر تبصرہ تحریر کیا تھا، اس مقالے کے ایک جملہ پر بعض احباب نے شرعی گرفت کی ہے فقیر مذکورہ مقالے کے ایسے کسی بھی قول سے جس میں احتمال کے ادنیٰ درجہ میں بھی استخفاف قول رسول ﷺ یا علماء ملت کا شائبہ ہو اپنی لاتعلقی، برأت اور رجوع کا اعلان کرتا ہے اور امید کرتا ہے کہ ہمارے ناقدین کرام بھی یہی روش اپنائیں گے۔ (مدیر اعلیٰ)

چشم وچراغِ خاندان برکاتیہ

﴿اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ﴾

ماہر رضویات...... پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد *

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مجدد دین وملت، امام اہلسنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ کی روشن حیات اور آپ کی گرانقدر خدمات کسی سے پوشیدہ نہیں۔ آپ کی علمی خدمات سے عالم اسلام ہی نہیں سارا عالم فیضیاب ہو رہا ہے، ماضی قریب میں دور دور تک ایسی تابناک شخصیت نظر نہیں آتی۔

آپ ۱۰ر شوال المکرم ۱۲۷۲ھ/ ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء کو ہندوستان کے صوبہ اُتر پردیش کے مشہور شہر بریلی میں پیدا ہوئے (۱) اور ۲۵ر صفر المظفر ۱۳۴۰ء/ ۱۹۲۱ء یوم جمعۃ المبارک کو اسی شہر میں وصال فرمایا۔ آپ کے اجداد کرام افغانستان کے علاقہ قندھار کے مضافاتی قبیلے ''بڑیچ'' سے تعلق رکھتے تھے بعد میں ہندوستان کو اپنا مستقل مسکن بنالیا (۲)۔ والد ماجد مولانا نقی علی خاں (م-۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) اور دادا مولانا محمد رضا علی خاں علیہما الرحمہ (م-۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۶ء) اپنے زمانے کے بلند مرتبہ عالم ومصنف اور عارف کامل تھے۔ والد ماجد کی تصانیف کی تعداد تیس سے متجاوز ہے جن میں "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد"، "البیان فی اسرار الارکان" اور "الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرح" قابل ذکر ہیں (۳)۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے والد ماجد کے علاوہ اپنے زمانے کے جلیل القدر علماء سے علوم نقلیہ وعقلیہ حاصل کیئے۔ یہ بات مخالفین کی طرف سے غلط مشہور کی گئی ہے کہ انہوں نے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی، آپ ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء میں فارغ التحصیل ہو چکے تھے جبکہ اس وقت دارالعلوم دیوبند ایک چھتہ کی مسجد کے نیچے صرف تین چار برس ہی کا تھا، آپ کی ذات اقدس تو پورے دارالعلوم دیوبند پر بھاری ہے۔ عبدالستار ہمدانی نے اپنے تحقیقی رسالہ ''کہی ان کہی'' میں اس کے متعلق تاریخی شواہد پیش کیئے ہیں (۴)۔

آپ نے مندرجہ ذیل علماء سے سند حدیث وفقہ حاصل کی۔

۱..........السید احمد زینی دحلان الشافعی المکی (م-۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۱ء)

۲..........الشیخ عبدالرحمٰن سراج مفتی الاحناف مکی (م-۱۳۰۱ھ/ ۱۸۸۳ء)

۳..........الشیخ حسین بن صالح جمل اللیل مکی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ (م-۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۴ء) (۵)

اعلیٰ حضرت کا سلسلہ حدیث ان اکابر تک پہنچتا ہے:

*(سرپرست اعلیٰ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی)

۱.........حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م-۱۱۷۶ھ/۱۷۵۹ء)

۲.........مولانا عبدالعلی لکھنوی (م-۱۲۳۵ھ/۱۸۲۰ء)

۳.........شیخ عابد السندی المدنی (م-۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء)

﴿رحمہم اللہ تعالیٰ﴾

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء میں محب رسول ﷺ مولانا عبدالقادر بدایونی علیہ الرحمۃ کے ایماء پر حضرت سید شاہ آلِ رسول مارہروی علیہ الرحمہ کی خدمت عالیہ میں اپنے والد ماجد کے ساتھ حاضر ہوئے اور شرفِ بیعت حاصل کیا۔ حضرت سید شاہ آلِ رسول مارہروی ابن حضرت سید شاہ آلِ برکات ستھرے میاں قدس سرہ العزیز ۱۲۰۹ھ/۱۷۹۴ء میں مارہرہ شریف میں پیدا ہوئے اور ۱۲۹۸ھ/ ۱۸۸۰ء کو وہیں وصال فرمایا(۶)! ابتدائی تعلیم خانقاہ برکاتیہ میں حاصل کرنے کے بعد علمائے فرنگی محل سے تکمیل علوم فرمائی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے درسِ حدیث میں شریک ہوئے اور سلاسلِ حدیث اور سلاسلِ طریقت کی اسناد حاصل کیں(۷)، آپ اپنے زمانے کے جلیل القدر عالم و عارف تھے آپ کا روحانی فیضان عام تھا۔ آپ ان اربابِ طریقت سے تھے جو اپنے مسترشدین و مریدین کو عبادت و ریاضت اور مجاہدہ کی سخت منازل سے گزارتے، پھر ان کے قلوب کا تزکیہ فرماتے اور اگر وہ مسندِ ارشاد و ہدایت کے اہل ہوتے تو اجازت و خلافت عطا فرماتے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور ان کے والد گرامی علیہما الرحمہ جب حاضر خدمت ہوئے تو بیعت کے ساتھ ہی اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا، آپ کے پوتے اور خلیفۂ خاص حضرت شاہ ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمہ بھی اس وقت موجود تھے۔ عرض کیا کہ حضور آپ کے یہاں تو بڑی ریاضت و مجاہدہ کے بعد خلافت عطا کی جاتی ہے پھر ان کو ابھی کیسے عنایت کردی گئی.....؟

حضرت سید شاہ آلِ رسول مارہروی علیہ الرحمہ نے جو جواب ارشاد فرمایا اس سے جہاں ان کے مقامِ ولایت و معرفت کا پتہ چلتا ہے وہیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے روحانی مرتبہ اور شیخِ کامل کی نظر میں آپ کی عزت و عظمت کا بھی پتہ چلتا ہے، سید شاہ آلِ رسول علیہ الرحمہ نے فرمایا:

''اور لوگ میلا کچیلا زنگ آلود دل لے کر آتے ہیں اس کے تزکیہ کے لئے ریاضت و مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے یہ مصفّٰی و مزکّٰی قلب لے کر آئے انہیں ریاضت و مجاہدہ کی کیا ضرورت تھی؟ صرف اتصالِ نسبت کی حاجت تھی جو بیعت کے ساتھ ہی حاصل ہو گیا''۔

پھر مزید فرمایا:

''مجھے بڑی فکر تھی کہ بروزِ حشر اگر احکم الحاکمین نے سوال فرمایا کہ آل رسول تو میرے لیئے کیا لایا ہے! تو میں کیا پیش کروں گا مگر خدا کا شکر ہے کہ آج وہ فکر دور ہو گئی، اب میں اس وقت ''احمد رضا'' کو پیش کروں گا''۔(۸)

حضرت سید شاہ آلِ رسول مارہروی علیہ الرحمہ نے اپنے ولی عہد سید شاہ ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمہ (۱۲۵۵ھ-۱۳۲۴ھ) کو اس موقع پر ایک وصیت فرمائی جس سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی جملہ علوم و فنون میں مہارت کا پتہ چلتا ہے جبکہ اس وقت اعلیٰ حضرت کی عمر صرف ۲۲ ربرس تھی، آپ نے فرمایا:

''دیکھو اب ہماری اور ہمارے خاندان کے اکابر کی جو کتابیں شائع ہوں ان دونوں عالموں (مولانا احمد رضا اور مولانا عبدالقادر بدایونی) کو دکھائی جائیں اور یہ جیسے

اصلاح کریں قبول کی جائے پھر اشاعت ہو''۔(۹)

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی شخصیت قرآن فہمی سے لے کر شعر گوئی تک تمام علوم وفنون کا ایک جہانِ نو لئے ہوئے ہیں، چیف جسٹس فیڈرل شریعت کورٹ آف پاکستان جسٹس میاں محبوب احمد امام احمد رضا کے علمی مقام ومرتبہ سے متعلق فرماتے ہیں:

''وہ مترجم کی حیثیت میں ہوں تو شعور و بیان اور اداؤ زبان کا ایک دبستانِ جدید نظر آتے ہیں۔ محدث کی حیثیت سے دیکھیں تو امام نوی، امام عسقلانی، امام قسطلانی اور امام سیوطی یاد آجاتے ہیں، فقہ میں امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے کرمِ توجہ سے کشکولِ فکر بھرے نظر آتے ہیں، علمِ کلام میں امام احمد رضا ابو منصور ماتریدی اور اشاعرہ کے ائمۂ وقت اور دقتِ نظر کا نمائندہ ہیں، منطق اور فلسفہ کا میدان بھی ان کی شہسوارئ فکر سے پامال ہے''۔(۱۰)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ علوم دینیہ کے علاوہ علوم قدیمہ وجدیدہ پر بھی کامل دسترس رکھتے تھے آپ کے سائنسی افکار سے پروفیسر حاکم علی اور ڈاکٹر ضیاء الدین احمد جیسی نامور شخصیات نے اکتساب کیا(۱۱)۔ ردِ حرکتِ زمین پر آپ کے دلائل سے پاکستان کے عظیم ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خان بھی بے حد متاثر نظر آتے ہیں (۱۲)۔ امام احمد رضا کی ذات ایک بحرِ ذخار اور روشن آفتاب و ماہتاب ہے جس کی موجوں اور شعاؤں کا شمار کرنا ممکن نہیں۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے حقائق سے پردے اٹھتے چلے جارہے ہیں۔ آپ کی تصنیفات، تالیفات، تعلیقات اور شرح وحواشی کی نامکمل فہرست علامہ محمد ظفر الدین رضوی، علامہ عبدالمبین نعمانی، عبدالستار ہمدانی، سید ریاست علی قادری اور راقم نے مرتب کی تھی جو پچاس سے زیادہ علوم وفنون میں لگ بھگ ایک ہزار ہیں۔ آپ کی بعض کتب اس قدر اہمیت کی حامل ہیں کہ ان پر ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالے لکھے جارہے ہیں (۱۳)۔ امام احمد رضا کی علمی خدمات پر تقریباً ۲۵ر جامعات میں ڈاکٹریٹ کے مقالے لکھے جارہے ہیں اور لکھے جاچکے ہیں جن کی تفصیل ''امام احمد رضا اور عالمی جامعات'' نامی کتاب میں فقیر پیش کرچکا ہے (اور بعد میں ۲۰۰۳ء میں صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری صدر ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل نے ''امام احمد رضا اور انٹرنیشنل جامعات'' کے نام سے مزید اضافات اور تفصیل کے ساتھ ادارہ ھذا کی طرف سے شائع کیا)، اعلیٰ حضرت پر امریکہ، یورپ، ایشیاء، افریقہ کے بعد اب عرب ممالک میں بھی علمی و تحقیقی کام شروع ہوچکا ہے۔ جامعہ الازھر، قاھرہ میں ڈاکٹر سید حازم محفوظ مصری نے ایک کتاب ''**الامام الاکبر المجدد محمد احمد رضا خان و العالم العربی**'' لکھی ہے جو ۱۹۹۸ء میں رضا فاؤنڈیشن لاہور نے شائع کردی ہے، اسی فاضل نے حدائق بخشش کا عربی منثور ترجمہ کیا ہے، عالم عرب کے مشہور فاضل ڈاکٹر حسین مجیب مصری نے جس کا منظوم ترجمہ کیا ہے (جو ''صفوۃ المدیح'' کے نام سے شائع ہوچکا ہے، اور اس سے قبل ڈاکٹر مجید مصری کا ''سلام رضا'' کا منظوم عربی ترجمہ بعنوان ''منظومۃ السلامیہ فی مدح خیر البریۃ'' بھی قاھرہ ہی سے شائع ہوچکا ہے)۔(۱۴)

ہندوستان میں سب سے پہلے ڈاکٹر حسن رضا اعظمی نے پٹنہ یونیورسٹی سے اعلیٰ حضرت پر ڈاکٹریٹ کیا، پاکستان میں سب سے پہلے پروفیسر حافظ عبدالباری صدیقی نے سندھ یونیورسٹی سے اعلیٰ حضرت پر ڈاکٹریٹ کیا، امریکہ میں سب سے پہلے ڈاکٹر اوشا سانیال نے کولمبیا یونیورسٹی سے اعلیٰ حضرت پر ڈاکٹریٹ کیا، مصر میں سب

سے پہلے مولانا مشتاق احمد شاہ نے ازہر یونیورسٹی سے اعلیٰ حضرت پر ایم فل کیا۔ بعد میں مولانا ممتاز احمد سدیدی نے اسی یونیورسٹی سے اعلیٰ حضرت کی عربی شاعری پر ایم فل کیا اور اب جامعۃ القاہرہ، مصر سے سید جلال الدین بنگلہ دیشی، امام احمد رضا پر ایم فل کا مقالہ لکھ رہے ہیں اور یہ خبر ہم سب کے لئے انتہائی مسرت انگیز ہے کہ محی الدین اسلامی یونیورسٹی (آزاد کشمیر) میں ''امام احمد چیئر'' قائم کرنے کا اعلان کیا گیا ہے۔

اعلیٰ حضرت کی تصانیف میں ترجمۂ قرآن ''کنزالایمان'' اور فتاویٰ ''العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ'' اپنی مثال آپ ہیں۔ ''کنزالایمان'' پر ڈاکٹر مجید اللہ قادری نے کراچی یونیورسٹی سے پی.ایچ.ڈی بھی کیا ہے جبکہ صرف ''کنزالایمان'' کے حوالے سے تقریباً پچاس کتب ورسائل اور مقالات پاک وہند میں شائع ہو چکے ہیں۔ حال ہی میں عالمِ اسلام کی عظیم یونیورسٹی ''جامعۃ الازہر'' کے سربراہ (شیخ ازہر) کو بھی ''کنزالایمان'' کا تحفہ پیش کیا گیا ہے (۱۵)۔ اس ترجمہ پر بعض مفسرین نے تفسیری حواشی اور تفاسیر لکھی ہیں (۱۶)۔ ''کنزالایمان'' کا تقریباً ۵ر زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے، عنقریب فارسی زبان میں ترجمہ کا کام بھی شروع ہونے والا ہے۔

''فتاویٰ رضویہ'' فقہ حنفی کا ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا ہے جسے دیکھ کر علماء عجم ہی نہیں بلکہ فضلاء عرب بھی حیران رہ گئے، چنانچہ محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض کے کلیۃ الشریعہ کے پروفیسر شیخ عبدالفتاح ابو غدہ نے فتاویٰ رضویہ کا ایک فتویٰ ملاحظہ فرمایا تو حیرانی کے عالم میں فرمایا:

''میں نے جلدی جلدی میں عربی فتویٰ مطالعہ کیا، عبارت کی روانی اور کتاب وسنت واقوال سلف سے دلائل کے انبار دیکھ کر میں حیران وششدرہ گیا اور اس ایک ہی فتویٰ کے مطالعہ کے بعد میں نے یہ رائے قائم کرلی کہ یہ شخص کوئی بڑا عالم اور اپنے وقت کا زبردست فقیہ ہے''۔ (۱۷)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی علمی خدمات پر اہلِ علم وفن کے تاثرات کے متعدد مجموعے اردو، انگریزی وغیرہ میں شائع ہو چکے ہیں آپ پر لکھے گئے مضامین ومقالات اور تحقیقی کام کی تفصیل الگ ہے۔ اعلیٰ حضرت واحد ایسی شخصیت ہیں جن کی ذات کے حوالے سے تحقیقی کام کرنے کیلئے دنیا بھر میں افراد ہی نہیں ادارے بھی فعّال کردار ادا کر رہے ہیں جن میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی، رضا اکیڈمی لاہور، مجلس رضا، رضا فاؤنڈیشن لاہور، رضا اکیڈمی ممبئی، انٹرنیشنل سنی رضوی سوسائٹی ماریشس، رضا فاؤنڈیشن امریکہ، اعلیٰ حضرت فاؤنڈیشن اور رضا اسلامک اکیڈمی، چٹاگانگ، بنگلہ دیش، رضا اکیڈمی برطانیہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

رضا فاؤنڈیشن لاہور نے علامہ مفتی عبدالقیوم ہزاروی (علیہ الرحمہ) کی سرپرستی میں فتاویٰ رضویہ کی عربی وفارسی عبارات کے تراجم اور تخریج کا تاریخی کارنامہ سرانجام دیا، اس طرح اب تک فتاویٰ رضویہ قدیم کی ۱۰ر جلدیں، ۲۶ر جلدوں میں شائع ہو چکی ہیں، توقع ہے کہ فتاویٰ رضویہ کی ۱۲ر جلدیں تقریباً ۳۰ر جلدوں میں سمائیں گی

امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے فکر وخیال کے بہت سے پہلو ہیں مگر اس وقت ہم صرف ''کنزالایمان'' کے حوالے سے آپ کے علوم وفنون کا نظارہ کرانا چاہتے ہیں۔

قرآن حکیم کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی، اور پھر باطن کا باطن ہے اور یہ سلسلہ لامتناہی ہے ظاہر بیں نگاہ اس گہرائی میں اتر سکتی ہی نہیں۔ ترجمہ کرتے وقت مترجم کی ایک ذہنی فضا ہوتی ہے، باکمال

مترجم کی اس ذہنی فضا میں ستارے ڈھلتے ہیں۔ علم و دانش کی وسعت کے ساتھ ساتھ یہ فضا بھی وسیع ہوتی جاتی ہے ورنہ مترجم لغت میں اٹک کر رہ جاتا ہے بلکہ اس کے لئے مختلف المعانی لفظ کے لئے یہ تمیز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ کس معنیٰ کا انتخاب کرے اور کن معانی کو چھوڑ دے۔ وہ ایک معنی کی تنگ نائے میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ ایسی محدود نظر رکھنے والا مترجم ہرگز قرآن جیسی عظیم کتاب کے ترجمے کا حق نہیں رکھتا۔ جس طرح نگینے جڑنے والا زیورات میں رنگ برنگے چھوٹے بڑے نگینے بٹھاتا چلا جاتا ہے ٹھیک اسی طرح باکمال مترجم الفاظ کے سامنے الفاظ بٹھاتا چلا جاتا ہے بلکہ کبھی کبھی تو الفاظ خود بخود بیٹھتے چلے جاتے ہیں۔ کنزالایمان کے مطالعہ سے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے بے پناہ تدبر کا بھی اندازہ ہوتا ہے، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ عوام الناس کے سامنے کیا بات آنی چاہیے اور کیا بات نہیں آنی چاہیے۔ وہ ترجمہ کرتے وقت پڑھنے والوں کے دلوں کو سنبھالے رکھتے ہیں۔ اس خوبی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

اردو کے مترجمین قرآن میں امام احمد رضا اپنے تبحر علمی کی وجہ سے بے نظیر اور بے مثال معلوم ہوتے ہیں جس نے ان کا مطالعہ کیا ہے اور مختلف علوم و فنون اور مختلف زبانوں میں ان کی مطبوعات و مخطوطات اور شرح و حواشی دیکھے ہیں وہ اس امر کی تصدیق کرسکتا ہے، وہ ایک باخبر ہوشمند اور باادب مترجم تھے، ان کے ترجمے کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے آنکھیں بند کر کے ترجمہ نہیں کیا بلکہ وہ جب کسی آیت کا ترجمہ کرتے تھے تو پورا قرآن، مضامینِ قرآن اور متعلقاتِ قرآن ان کے سامنے ہوتے تھے۔ آپ کے ترجمۂ قرآن میں برسوں کے فکری کاوشیں پنہاں ہیں، مولیٰ تعالیٰ کا کرم ہے کہ وہ اپنے بندے کو ایسی نظر عطا فرمادے جس کے سامنے علم و دانش کی وسعتیں سمٹ کر ایک نقطہ پر آجائیں، فی البدیہہ ترجمہ قرآن میں ایسی جامعیت کا پیدا ہو جانا عجائباتِ عالم میں سے ایک عجوبہ ہے، اس سے مترجم کی عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

کسی حسین کے کمالِ حسن کا اس وقت پتہ چلتا ہے جب کوئی اور حسین اس کے پہلو میں بٹھایا جائے۔ اردو کے تمام تراجمِ قرآن میں اعلیٰ حضرت کا ترجمہ نہایت ہی حسین معلوم ہوتا ہے مگر حیرت ہے کہ بعض لوگوں کو دوسرے ایسے تراجم حسین لگتے ہیں جن کو عقلِ سلیم تسلیم نہیں کرتی۔ ہم اس حسین ترجمے کے ساتھ اردو کے دیگر تراجم کی بعض مثالیں پیش کر رہے ہیں پھر آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ حسن و رعنائی، ادب اور گہرائی و گیرائی کس ترجمہ ہے۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۖ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝

(سورۂ آل عمران، ۳-آیت ۵۴)۔

ترجمہ مولوی محمود حسن دیوبندی:

''اور مکر کیا ان کافروں نے اور مکر کیا اللہ نے اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے''۔

ترجمہ مولوی فتح محمد جالندھری:

''اور وہ (یعنی یہود قتل عیسیٰ کے بارے میں ایک) چال چلے اور خدا بھی (عیسیٰ کو بچانے کیلئے) چال چلا اور خدا خوب چال چلانے والا ہے''۔

ترجمہ مولوی اشرفعلی تھانوی:

''اور ان لوگوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب تدبیریں کرنے والوں سے اچھے ہیں''

ترجمہ اعلیٰ حضرت:

''اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ

تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے"۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ

(سورۃ النساء (۴)، ۱۴۲)

ترجمہ مولوی محمود حسن دیوبندی:

"البتہ منافق دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا"

ترجمہ مولوی فتح محمد جالندھری:

"منافق ان چالوں سے اپنے نزدیک خدا کو دھوکا دیتے ہیں (یہ اس کو کیا دھوکا دیں گے) اور وہ انہیں کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے"

ترجمہ مولوی اشرفعلی تھانوی:

"بلاشبہ منافق لوگ چالبازی کرتے ہیں اللہ سے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس چال کی سزا ان کو دینے والے ہیں"

ترجمہ اعلیٰ حضرت:

"بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور وہی انہیں غافل کر کے مارے گا"

فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِكَ ؕ

(سورۂ شوریٰ ۴۲-آیت ۲۴)

ترجمہ مولوی محمود حسن دیوبندی:

"سو اگر اللہ چاہے مُہر کر دے تیرے دل پر"

ترجمہ مولوی فتح محمد جالندھری:

"اگر خدا چاہے تو اے محمد تمہارے دل پر مہر لگا دے"

ترجمہ مولوی اشرفعلی تھانوی:

"سو خدا اگر چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے"

ترجمہ اعلیٰ حضرت:

"اور اگر اللہ چاہے تو تمہارے دل پر اپنی رحمت و حفاظت کی مُہر لگا دے"

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ

(سورۂ محمد ۴۷، ۱۹)

ترجمہ مولوی محمود حسن دیوبندی:

"اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایمان دار مردوں اور عورتوں کیلئے"

ترجمہ مولوی فتح محمد جالندھری:

"اور گناہوں کی معافی مانگو اور (اور) مومن مردوں اور مومن عورتوں کیلئے بھی"

ترجمہ مولوی اشرفعلی تھانوی:

"اور آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہیے اور سب مسلمان مردوں اور عورتوں کیلئے بھی"

ترجمہ اعلیٰ حضرت:

"اور اے محبوب! اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو"

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ۙ لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ○ (سورۂ الفتح ۴۸، آیت ۱-۲)

ترجمہ مولوی محمود حسن دیوبندی:

"ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے"

ترجمہ مولوی فتح محمد جالندھری:

"(اے محمد) ہم نے تم کو فتح دی۔ فتح بھی صریح اور صاف تاکہ خدا تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے"

ترجمہ مولوی اشرفعلی تھانوی:

"بیشک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی تاکہ اللہ

تعالیٰ آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معارف فرمادے"

ترجمہ اعلیٰ حضرت:

"بے شک ہم نے تمہارے ئے روشن فتح فرمادی تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے"

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ (سورۃ الضحیٰ ۹۳: آیت ۷)

ترجمہ مولوی محمود حسن دیوبندی:

"اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سمجھائی"

ترجمہ مولوی فتح محمد جالندھری:

"اور رستے سے ناواقف دیکھا تو رستہ دکھایا"

ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی:

"اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو (شریعت سے) بے خبر پایا سو (آپ کو شریعت کا) راستہ بتلادیا"

ترجمہ اعلیٰ حضرت:

"اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی"

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (سورۃ الکہف ۱۸، آیت ۱۱۰)

ترجمہ مولوی محمود حسن دیوبندی:

"تو کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم"

ترجمہ مولوی فتح محمد جالندھری:

"کہہ دو کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں"

ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی:

"اور آپ یوں بھی کہہ دیجئے کہ میں تم ہی جیسا بشر ہوں"

ترجمہ اعلیٰ حضرت:

"تم فرماؤ ظاہری صورتِ بشری میں تو میں تم جیسا ہی ہوں"

وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ (سورۃ طٰہٰ ۲۰: آیت ۱۲۱)

ترجمہ مولوی محمود حسن دیوبندی:

"اور حکم ٹالا آدم نے اپنے رب کا پھر راہ سے بہکا"

ترجمہ مولوی فتح محمد جالندھری:

"اور آدم نے اپنے پروردگار کے حکم کے خلاف کیا تو (وہ اپنے مطلوب سے) بے راہ ہو گئے"۔

ترجمہ؛ مولوی اشرف علی تھانوی:

"اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہو گیا سو غلطی میں پڑ گئے"

ترجمہ اعلیٰ حضرت:

"اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی"

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ (سورۃ الشعراء ۲۶، ۲۰)

ترجمہ مولوی محمود حسن دیوبندی:

"کیا کیا تو تھا میں نے وہ کام اور میں تھا چوکنے والا"

ترجمہ مولوی فتح محمد جالندھری:

"(موسیٰ نے) کہا کہ (ہاں) وہ حرکت مجھ سے ناگہاں سرزد ہوئی تھی اور میں خطا کاروں میں تھا"

ترجمہ؛ مولوی اشرف علی تھانوی:

موسیٰ نے جواب دیا کہ (واقعی) اس وقت وہ حرکت میں کر بیٹھا تھا اور مجھ سے غلطی ہو گئی تھی"

ترجمہ اعلیٰ حضرت:

"موسیٰ نے فرمایا؛ میں نے وہ کام کیا جب کہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی"

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا

(سورہ التحریم (۶۶): آیت ۱۲)

ترجمہ مولوی محمود حسن دیوبندی:

''اور مریم بیٹی عمران کی، جس نے روکے رکھا اپنی شہوت کی جگہ کو''

ترجمہ مولوی فتح محمد جالندھری:

''اور (دوسری) عمران کی بیٹی مریم کی جنہوں نے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھا''

ترجمہ؛ مولوی اشرفعلی تھانوی:

''(اور نیز مسلمانوں کی تسلّی کیلئے) عمران کی بیٹی (حضرت) مریم (علیہا السلام) کا حال بیان کرتا ہے جنہوں نے اپنے ناموس کو (حرام اور حلال دونوں سے) محفوظ رکھا''۔

ترجمہ اعلیٰ حضرت:

''اور عمران کی بیٹی مریم، جس نے اپنی پارسائی کی حفاظت کی''

یہ چند نمونے پیش کیئے گئے ہیں، پورے قرآن پاک سے لئے جاتے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوجاتی۔ ترجمہ کا جائزہ لیتے وقت اس حقیقت کو فراموش نہ کرنا چاہیے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے شاگرد و خلیفہ، فاضلِ جلیل مولانا محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ کو فی البدیہہ یہ ترجمہ املا کرایا تھا، ان کے سامنے نہ سابقہ اردو تراجم تھے اور نہ متعلقہ کتابیں، ہاں وہ دماغ ضرور تھا جس کو دنیا کا عظیم علمی خزانہ کہا جائے تو بجا ہے۔ ترجمۂ قران فی البدیہہ املا کرانے کے باوجود یہ ترجمہ ایسا گٹھا ہوا اور بندھا ہوا معلوم ہوتا ہے جیسے برسوں محنت کی ہو اور مہینوں نوکِ پلک درست کی ہو۔ الحمدللہ اس ترجمہ کے اصل متن کا مخطوطہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی کے کتب خانے میں محفوظ ہے، اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ املا بھی اتنی سرعت سے کرایا گیا کہ تشریحی کلمات کیلئے قوسین لگانے کا وقت بھی میسر نہ آیا۔ یہ کام ناشرین کو کروانا چاہیے۔

الغرض اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے علم و فضل کی شعاعوں سے ہر شعبۂ زندگی کو منور کیا۔ وہ جب تک رہے عالمِ اسلام کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

.........انہوں نے علوم قرآنیہ میں راہ دکھائی (۱۸)۔

.........علوم قدیمہ میں راہ دکھائی (۱۹)۔

.........علوم جدیدہ میں راہ دکھائی (۲۰)۔

.........ردِّ بدعات میں راہ دکھائی (۲۱)۔

.........ادبیات میں راہ دکھائی (۲۲)۔

.........سیاسیات میں راہ دکھائی (۲۳)۔

وہ ایک عظیم رہنما تھے، زندگی بھر بھولے بھٹکوں کو راہ دکھاتے رہے۔ انہوں نے مارہرہ شریف سے جو روشنی حاصل کی تھی سارے عالم میں اس کو پھیلاتے رہے اور دنیا کو روشن کرتے رہے۔ وہ مارہرہ شریف کے پیارے دُلارے تھے، اپنے مرشد کامل کے محبوب و مطلوب تھے۔ آج بھی مرشد کا خاندان آپ کے خاندان کا قدرداں ہے، مولیٰ تعالیٰ محبت و الفت کے ان روحانی رشتوں کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے (آمین)۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے صاحبزادگان حجۃ الاسلام علامہ محمد حامد رضا خاں اور مفتی اعظم علامہ مصطفیٰ رضا خاں علیہما الرحمہ بھی آفتاب و ماہتاب تھے اور عرب و عجم کے خلفاء نورٌ علیٰ نور، ایک ایک پر کسی بھی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کیا جا سکتا ہے۔

الحمدللہ محترم حاجی محمد رفیق برکاتی زید مجدہ کی مخلصانہ فرمائش پر مکرمی جناب حاجی محمد امین برکاتی زید عنایۃ کی صاحبزادی کی شادی کے مبارک موقع پر ۲۲/اور ۲۳/شوال المکرم ۱۴۲۱ھ کی درمیانی شب یہ مقالہ قلمبند کیا گیا۔

حواشی و حوالے

(۱) ملک العلماء مولانا ظفر الدین رضوی، حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول مطبوعہ کراچی ۱۹۳۸ء، ص ۱،

(۲) ایضاً، ص ۲ (نوٹ: بڑیچ قبیلے کی اکثریت آج کل کوئٹہ اور اس کے مضافات میں آباد ہے، حال ہی میں ان لوگوں نے ''بڑیچ قومی اتحاد'' نامی تنظیم بھی قائم کی ہے۔

(۳) مولوی رحمٰن علی، تذکرۂ علماء ہند، مطبوعہ کراچی، ص ۵۳۰ (نوٹ: مولانا شہاب الدین رضوی نے ''تذکرہ مولانا نقی علی خاں'' کے عنوان سے آپ کے حالات وعلمی خدمات جمع کی ہیں (لاہور اور بریلی سے شائع ہو چکی ہے)

(۴) ملاحظہ کریں، عبدالستار ہمدانی ''کہی اَن کہی'' مطبوعہ کراچی ۱۹۹۸ء

(۵) ابو الحسن علی ندوی ''نزہۃ الخواطر''، جلد ۸، مطبوعہ ۱۹۷۶ء، ص ۳۸ (نوٹ: ان عرب علماء کے حالات ماہنامہ ''معارف رضا'' کراچی، قسط وار شائع کر رہا ہے)

(۶) مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی، تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ، مطبوعہ بنارس ۱۹۸۹ء، ص ۳۶۸

(۷) مولانا محمود احمد قادری، تذکرۂ علمائے اہلسنت، مطبوعہ کانپور ۱۹۷۱ء، ص ۲۱

(۸) علامہ محمد احمد مصباحی، امام احمد رضا اور تصوف، مطبوعہ مبارک ۱۹۸۸ء، ص ۹-۱۰

(۹) ایضاً، ص ۱۰

(۱۰) مجلہ امام احمد رضا کانفرنس کراچی ۱۹۹۲ء، ص ۳۱

(۱۱) ملاحظہ کریں، اقبال احمد اختر القادری، امام احمد رضا اور ڈاکٹر ضیاء الدین احمد، مطبوعہ حیدرآباد سندھ

(۱۲) مجلہ امام احمد رضا کانفرنس، کراچی ۱۹۹۸ء، ص ۲۱

(۱۳) ملاحظہ کریں، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ''امام احمد رضا اور عالمی جامعات''، مطبوعہ، کراچی ۱۹۹۸ء

(۱۴) ملاحظہ کریں، اقبال احمد اختر القادری، ''امام احمد رضا اور جامعۃ الازہر'' مطبوعہ لاہور ۱۹۹۹ء

(۱۵) ہفت روزہ ''الدعوۃ'' لیبیا، شمارہ ۲۶ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ

(۱۶) سالنامہ ''معارف رضا'' کراچی ۱۹۸۹ء، ص ۱۴۰

(۱۷) مولانا محمد یٰسین اختر مصباحی، ''امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں''، مطبوعہ کراچی، ص ۱۸۴

(۱۸) ملاحظہ کریں، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری ''کنز الایمان اور معروف تراجم قرآن'' مطبوعہ کراچی ۱۹۹۹ء

(۱۹) ملاحظہ کریں، ''الکلمۃ الملہمۃ فی الحکمۃ المحکمۃ''، از: امام احمد رضا، مطبوعہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی

(۲۰) ملاحظہ کریں:

(الف) ''فوز مبین در ردِ حرکتِ زمین''، از: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، مطبوعہ ادارہ سنی دنیا بریلی، انڈیا،

(ب) ''معینِ مبین بہر دور شمس وسکون زمین''، از: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، مطبوعہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی

(ج) ''کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم''، از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، مطبوعہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی

(۲۱) ملاحظہ کریں، مولانا یٰسین اختر مصباحی، ''امام احمد رضا، ردِّ بدعات ومنکرات''، مطبوعہ لاہور۔

(۲۲) ملاحظہ کریں:

(الف) حدائق بخشش، از: امام احمد رضا بریلوی، مطبوعہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی

(ب) شرح سلام رضا، از: علامہ مفتی محمد خان قادری، مطبوعہ لاہور

(ج) ''الحقائق فی الحدائق'' از: علامہ فیض احمد اویسی، مطبوعہ، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی

(۲۳) ملاحظہ کریں:

(الف) ''دوام العیش'' از: اعلیٰ حضرت، مطبوعہ مرکزی مجلس رضا، لاہور

(ب) ''فاضل بریلوی اور ترک موالات''، از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۱ء

(ج) ''المحجۃ المؤتمنۃ''، از: امام احمد رضا خاں، مشمولہ رسالہ رضویہ، جلد دوم مطبوعہ لاہور، ص ۷۵

☆☆☆

مناظر کائنات، حسن رسول صلی اللہ علیہ وسلم

از: علامہ محمد اشرف آصف جلالی*

خالق کائنات جل جلالہ نے اپنے حبیب ﷺ کو ایجادِ عالم کی علّت بنایا آپ ہی کی خاطر بزم کون و مکان کو آراستہ و پیراستہ کیا گیا۔ آپ ہی کے شوق میں نقشِ ہستی ابھرا، دیدۂ کن کا سرمہ آپ ہی کا نور بنا۔ کونین کی تمام تر بزم آرائیوں، جلوہ سامانیوں اور حسن افزائیوں کا اہتمام آپ ہی کے اعزاز میں تھا، بقول محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ؎

برائے جلوۂ یک گلبنِ ناز
ہزاراں باغ و بُستاں آفریدند

چونکہ کائنات کے رنگین مناظر اور حسین مظاہر کو قوتِ رعنائی، جلوۂ زیبائی اور منصبِ چمن آرائی کی عطا اسی قاسم مطلق ﷺ کی بارگاہ سے ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ مناظرِ کائنات اپنے اسی محور کی تڑپ میں سرگرداں ہیں اور رنگین نظارے اپنے اسی مبداء کی خبر دیتے ہیں۔

جب سیدِ عالم سیدِ مجسم ﷺ کی ذات گرامی ان سب تابشوں اور تازگیوں کا مصدر ٹھہری تو حسن و جمال کے ان مظاہر کی مجال کہ انہیں اپنے اصل کے مقابلہ میں پیش کیا جاسکے۔

مجدّدِ دین وملت حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مجموعۂ نعت ''حدائق بخشش'' میں اس حقیقت کو بڑی تفصیل سے پیش کیا ہے۔ یہ تو ایک عام مسلمان کے ضمیر کی بھی آواز ہے لیکن وہ شخص کہ جس کی محرابِ دل کا قبلہ گنبدِ خضریٰ ہو جس کی آنکھ کی تسکین خارِ مدینہ ہو۔ جس کی آرزو کا موقف عہدِ نبوی ہو، جس کی روح کا چین چہرۂ والضحیٰ ہو۔ جس کی زبان کا وظیفہ ندائے یارسول اللہ ﷺ ہو۔ جس کے قلم کا مشغلہ عشقِ رسول ﷺ کی سوغات تیار کرنا ہو۔ وہ جب حریمِ عشق میں بیٹھا اپنے سیلِ احساسات اور کاروانِ شوق کے مطالبے پر اپنے محبوب کے لب و رخسار کا ذکر چھیڑے تو اس کے سوز و گداز کا عالم کچھ اور ہوتا ہے۔

محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات بابرکت کائنات میں حسن و جمال کا سب سے بڑا حوالہ ہے۔ مناظرِ کائنات اسی حسن کے درجات کا اپنی اپنی حیثیت کے مطابق پرتو ہیں۔

عام لوگوں کے نزدیک شمس و قمر، ستارگانِ فلک، گلہائے رنگارنگ، سبزہ زاروں، رواں دواں نہروں اور ان کے اردگرد ہرے بھرے درختوں کی قطاروں کا حسن بڑا اہم ہے آیئے محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے افکارِ عشق سے تو پوچھیں کہ یہ سب کس کے حسن تمام کا پرتو ہیں:

*(پرنسپل جامعہ جلالیہ رضویہ مظہر الاسلام، لاہور)

۱......چاند:

چاند کو بیانِ حسن میں مشبہ بہ ہونے کا منصب حاصل رہا ہے اور لوگ اپنے محبوبوں کو چاند کہہ کر سمجھتے ہیں کہ ہم نے ان کے بیان حسن کا حق ادا کر دیا اور یہ ان کے ہاں واقعی آخری مرتبہ ہے۔ گو جانِ جاناں خسرو خوباں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے عشاق بھی بشمول اعلیٰ حضرت کے آپ ﷺ کو چاند کہتے ہیں لیکن وہ محض عرفِ عام میں سمجھانے کیلئے تھا ورنہ حقیقت یہ جو آئندہ اشعار سے واضح ہے۔

آپ نے نبی اکرم نورِ مجسم ﷺ کا رخِ زیبا تو کیا آپ کے دستِ انور کی انگلیِ مبارک کی رعنائی کی بھی چاند پر فوقیت بیان کی اور واضح کر دیا کہ جب چاند محبوبِ کریم ﷺ کی انگلی کی تجلیات کے سامنے مغلوب ہو گیا تو آپ کے چہرے کے حسنِ بے حجاب کا مقابلہ کس طرح کر سکتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے آپ فرماتے ہیں ؎

برقِ انگشتِ نبی چمکی تھی اس پر ایک بار
آج تک ہے سینہ مہ میں نشانِ سوختہ

کہ نبی اکرم ﷺ نورانی انگلی کی بجلی ایک مرتبہ چمک کے چاند پہ پڑی مگر آج تک چاند کے سینے میں جلن کا نشان موجود ہے۔ معجزہ شق القمر بیان کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت نے کتنے حسین اور قوی انداز میں چاند کے نور پر اپنے محبوب ﷺ کی انگلی کے نور کی شعاع کی برتری بیان کی، کہ یہ نہ سمجھو کہ اس انگلی کو کئی بار اٹھنا پڑا اور تب جا کر انگلی کی رعنائی اثر انداز ہو سکی بلکہ اس کی تجلی اتنی قوی تھی کہ ایک بار ہی اٹھنے سے چاند پر غالب آ گئی اور حال یہ تھا ؎

تیری انگلی اٹھ گئی ماہ کا کلیجہ چر گیا

یہاں چاند کے حسن کی رعنائی کا ضعف دو طرح سے بیان کیا کہ ایک تو فوری مغلوب ہو گیا اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ دوسرا یہ کہ انگلی کے ہٹ جانے کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ وہ فوراً انگلی کے اثر کو زائل کر دیتا مگر آج تک چاند کے سینے پر یہ نشان برقرار ہے، زائل نہیں ہو سکتا، آپ چاند کو یہ داغ مٹانے کا طریقہ بھی بتاتے نظر آتے ہیں بیانِ معراج میں آپ نے فرمایا ؎

ستم کیا کیسی مَت کٹی تھی قمر وہ خاک ان کے رہ گذر کی
اٹھا نہ لایا کہ مَلتے مَلتے یہ داغ سب دیکھنا مٹے تھے

یہ تو پھر بھی محبوبِ پاک ﷺ کے دستِ اقدس کی انگلی تھی محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا سوز دروں بات کو مزید آگے بڑھاتا ہے، آپ فرماتے ہیں ؎

دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخنِ پا کا
اتنا بھی مہِ نو پہ نہ اے چرخِ کُہن پھول

یوں لگتا ہے صاف شفاف آسمان پر، لال نئے بانکپن کیسا تھا نمودار تھا اپنے دامن میں ماہِ نو کی موجودگی سے فلک کی شان عجیب تھی، محدث بریلوی نے جب اسے ماہ نو پر اتر تا محسوس کیا تو فرمانے لگے اے پُرانے آسمان ٹھیک ہے نیا چاند پا لینے پر تجھے خوشی ہے، لیکن تو خوشی میں اتنا بھی بھول نہ جا کہ جس سے اوروں کو تو یہ احساس دلانے لگے کہ تمہارے پاس اتنی حسین چیز نہیں جتنی مجھے نصیب ہوئی، اس لئے کہ احمد رضا کا دل تجھ سے بڑھ کر ہے، کیونکہ اے فلک تمہارے پاس تو ماہِ نو ہے اور میرا دل حبیبِ خدا ﷺ کے پائے اطہر و انور کے ناخن کا شیدائی ہے۔ جس کی چمک دمک ماہِ نو سے کہیں زیادہ ہے بلکہ اس ماہِ نو میں تو انہی ناخنوں کے نور کی ایک ادنیٰ جھلک ہے۔ یہ تو عام ماہِ نو تھا جس پر محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے عشق نے سید عالم ﷺ کے ناخن کی افضلیت و نورانیت بیان فرمائی آپ نے تو ہلالِ عید جس کا بڑا انتظار کیا جاتا ہے اور جسے بڑے شوق سے دیکھا جاتا ہے اس پر بھی ان مبارک ناخنوں کی فوقیت بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

عیدِ مشکل کشائی کے چمکے ہلال
ناخنوں کی بشارت پہ لاکھوں سلام

کہ اگر وہ ہلالِ عید ہے تو سرکار کے ناخن بھی، ہلالِ عید ہیں اور یہ ناخن کسی عام عید کی بشارت بن کر نہیں چمکے بلکہ عیدِ مشکل کشائی کا ہلال بن کر مصیبت زدوں اور بے سہاروں کو مشکل کشائی کی بشارت دینے والے ہیں جبکہ ضروری نہیں کہ ہلالِ عید سب کیلئے نوید مسرت کی بشارت لیکر آئے۔ محدث بریلوی اپنی داستانِ شوق کی مزید لذّت افزائی کرتے ہوئے عجیب نکتہ بیان کرتے، فرماتے ہیں پہلے جو بیان ہوا وہ تو یہ تھا کہ چاند کی اپنی ایک مستقل حیثیت تو ہے اس کی رعنائی خواہ مغلوب سہی ناخنِ پا سے کم تر سہی لیکن اس کی جو ضیا پاشیاں ہیں منسوب تو اس کی طرف ہوتی ہیں۔ اب محدث بریلوی یہ بھی واضح کر دینا چاہتے ہیں چاند کی جو چمک دمک ہے اس کا اپنا کچھ بھی نہیں، یہ تو میرے محبوب ﷺ کی نورانی ایڑیوں کی جھلک ہے، ملاحظہ ہو آپ فرماتے ہیں۔

جا بجا پر تو فگن ہیں آسماں پر ایڑیاں
دن کو ہیں خورشید شب کو ماہِ اختر ایڑیاں

یعنی چاند جو کچھ بھی ہے یہ آپ ﷺ کی ایڑی کا نشان ہے، اس کے بعد نقشِ ذوق کو مزید اجاگر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ چاند اپنے تئیں بارگاہِ نبوت سے بے نیاز بھی نہیں اسے چاند کہلانے کے بعد اپنی چاندنی کے مختلف مدارج کیلئے اسی بارگاہ کا رخ کرنا پڑتا ہے۔ جس قدر خیرات ملتی ہے اتنا ہی اس کے نور کی شوخی میں اضافہ ہوتا ہے۔ محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک چاند سید عالم ﷺ کے جبینِ انور سے شعاعیں سمیٹتا ہے، آپ فرماتے ہیں۔

اتار کر ان کے رخ کا صدقہ یہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا
کہ چاند سورج مچل مچل کر جبیں کی خیرات مانگتے تھے

اور آپ ﷺ کی ذات سے چاند کی عقیدت وارادت کا حال یہ ہے کہ آپ کی جبیں تو جبیں رہی وہ تو آپ ﷺ کے نقشِ کفِ پا کو بوسہ دینا بھی سعادت سمجھتا ہے، محدث بریلوی فرماتے ہیں۔

رخِ انور کی تجلّی جو قمر نے دیکھی
رہ گیا بوسہ دہِ نقشِ کفِ پا ہوکر

پھر آپ نے چاند کی الفت اور عقیدت کا اگلا مرحلہ بیان کیا یہ چاند تو حضور نبی اکرم ﷺ کے عشق میں اس قدر وارفتہ ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ کا نقشِ پا تو کجا آپ جس سواری پر تشریف فرما ہوں چاند اس سواری کے سموں کی گرد کو بھی اپنی آنکھوں کا سرمہ بنالیتا ہے۔ محدث بریلوی فرماتے ہیں۔

نور کی خیرات لینے دوڑتے ہیں مہرو ماہ
اٹھتی ہے کس شان سے گردِ سواری واہ واہ

امامِ اہلسنّت کے ذہن وروح پر جمالِ مصطفیٰ ﷺ کے نئے نئے جلوے منکشف ہوتے چلے جاتے ہیں تو آپ کی فکر نے اپنے محبوب جانِ جہاں ﷺ کی شانِ حسن بیان کرتے ہوئے فضائے عشق میں یہاں تک پرواز کی، کہ فرمانے لگے کہ گردِ سواری کی طرف چاند کا دوڑنا حیرت ناک نہیں ہے کیونکہ کائنات کے اس عظیم سوار کے دورانِ سفرِ معراج آسمانوں پر جلوہ ریزی نے فلک وافلاک کی گردِ راہ کو بھی وہ تجلیِ خاص اور شانِ استغنیٰ عطا کی کہ مہرو ماہ بھی بے اختیار نور کی خیرات ان ذرّوں سے لینے کے لئے دوڑ پڑے۔ محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں! میرے محبوب ﷺ کا فیضان حسن تو اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ آپ ﷺ نے سرزمین عرب پہ قدم رکھا تو اس کا ذرّہ ذرّہ ایوان سحر کا نور ٹھہرا اور آپ کی نسبت سے اس سرزمین کے چراغوں کا دھواں بھی چاند کیلئے متاعِ آرائش و زیبائش بن گیا۔

تابِ مرآتِ سحر گردِ بیابانِ عرب
غازۂ روئے قمر دودِ چراغانِ عرب

کہ عرب کے گلزار تو گلزار، عرب کے بیابانوں کا غبار، سحر کے آئینے کی آب و تاب ہے، اور عرب کے چراغوں کی روشنی تو کجا ان کا دھواں بھی چاند کے چہرے کا غازہ ہے۔ محدّث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حسنِ رسول ﷺ کی طلعت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے چاند پر دیگر کئی زاویوں سے بھی گفتگو کی ہے۔ آپ نے چاند کو گدائے فلک کا سہ بھی قرار دیا ہے کہ یہ کاسۂ گدا جب سیدِ عالم نورِ مجسم ﷺ کی بارگاہ میں پہنچتا ہے سرکار اسے جواہر سے بھر دیتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

مرے غنی نے جواہر سے بھر دیا دامن
گیا جو کاسۂ مہ لیکے شب گدائے فلک

آپ یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں، کہ غنی اور کاسۂ گدا کا آپس میں کیا تقابل ہوسکتا ہے پھر آپ نے چاند پر غور کیا تو آپ کو چاند کی حیثیت کچھ اور نظر آئی۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ اس استفسار کا جواب دے رہے تھے کہ کیا وجہ ہے کہ چاند ماہِ کامل بن جانے کے بعد شکلِ ھلال اختیار کر لیتا ہے؟ وہ اپنے قالب کو خالی کر لیتا ہے، تو محدّث بریلوی عشقِ رسول ﷺ کے سائباں تلے اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

قالب تہی کیئے ہمہ آغوش ہے ہلال
اے شہ سوارِ طیبہ میں تیری رکاب ہوں

کہ یہ ماہِ نو جسے ہلال کہا جاتا ہے یہ بن سنور کے نئے بانکپن میں آیا ہے۔ اس نے اپنے جسم میں اس گولائی سے ایک شگاف بنایا ہے گویا کہ اس نے اپنی شکل اس آہنی حلقے جیسی بنالی ہے کہ گھوڑے پر چڑھنے کیلئے سوار جس میں قدم رکھتا ہے اور پھر حالت سواری میں بھی قدر اسی میں رہتے ہیں تو مسکراتا ہوا ہلال اپنے آپ کو رکاب کی شکل میں تیار کر کے، سلطانِ مدینہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں پیش کر رہا ہے کہ آپ شاہ سوارِ طیبہ ہیں آپ ایسے سوار ہیں کہ جن کی ایڑیاں رخسارِ شمس سے بھی منوّر تر ہیں ان کے قدموں کیلئے میں نے اپنے آپ کو ہمہ آغوش بنایا تا کہ آپ کی رکاب بن سکوں۔

کبھی محدّث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ چاند کو سیدِ عالم ﷺ کا دورِ طفلی کا کھلونا قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ بیہقی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے نبی ﷺ سے کہا:

رایتک فی المهد تناغي القمر وتشير اليه . باصبعک فحیث أشرت اليه مال

کہ میں نے آپ کو پنگھوڑے میں چاند سے سرگوشی کرتے دیکھا، آپ انگلی سے اس کی طرف اشارہ کرتے تھے آپ جدھر اشارہ کرتے تھے وہ ادھر جھک جاتا تھا۔ (الوررالردی، ص۱۰۳)، اعلیٰحضرت بھی یہی کہتے ہیں ۔

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

غرض کہ یہ منوّر و تاباں چاند، جب اپنے جوبن پر ہوتا ہے تو سید عالم ﷺ کی منوّر ایڑیوں کا عکس بن جاتا ہے، جب ہلال کی صورت میں آسمانِ دنیا میں نمودار ہوتا ہے تو آقائے کائنات ﷺ کے حسنِ تمام کیلئے کاسۂ گدا کا حلیہ اختیار کر لیتا ہے اور جب چودھویں کا چاند بن کر افلاک کے میدان میں بھاگتا نظر آتا ہے تو سیدِ دوسرا کے ایام طفولیت کے ایک ادنیٰ کھلونے سے زیادہ اس کی حقیقت نہیں تو بھلا اس کے حسن کو جمالِ مصطفیٰ ﷺ سے کیا نسبت؟ ان سب باتوں سے قطع نظر بھی آسمان کے چاند اور طیبہ کے چاند میں واضح فرق برقرار ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ آسمان کا چاند چاندنی تو

بکھیرتا ہے مگر وہ چاندنی عارضی ہوتی مگر مدینہ کے چاند کی روشنی اور چاندنی لازوال ہے، آپ فرماتے ہیں ؎

ماہِ مدینہ اپنی تجلی عطا کرے
یہ ڈھلتی چاندنی تو پہر دوپہر کی ہے

پھر اس نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ آسمان کا چاند صرف آفاق کو منور کرتا ہے اس کی چاندنی انفس کو منور نہیں کرتی مگر طیبہ کا چاند تو آفاق کے علاوہ انفس کو بھی روشن کرتا ہے، آپ بارگاہِ محبوب میں التجا کرتے ہیں ؎

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دل بھی چمکادے چمکانے والے

اعلیٰ حضرت کے برادر اصغر حضرت مولانا حسن رضا رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مزید تشریح یوں کی ہے ؎

تیرہ دل کو جلوۂ ماہِ عرب درکار ہے
چودھویں کے چاند تیری چاندنی اچھی نہیں

اس مقام پر نگاہِ التفات اس حدیث شریف پر بھی کرنا چاہیے، جو شمائلِ ترمذی اور بہت سے دوسرے مآخذ میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں:

رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم فی لیلة اضحیان و علیه حلة حمراء فجعلت النظر إلیه والی القمر فهو عندی احسن من القمر ۔

''میں نے رسول اکرم ﷺ کو چاند رات میں دیکھا آپ سرخ دھاریوں والی پوشاک میں تھے۔ آپ ﷺ کے چہرہ انور اور چاند کی طرف دیکھنے لگا کبھی اِدھر دیکھتا کبھی اُدھر دیکھتا، خدا کی قسم نبی اکرم ﷺ کا چہرۂ انور میرے نزدیک چاند سے زیادہ حسین قرار پایا''

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس ترجیح کی وجوہات بیان کی ہیں، آپ فرماتے ہیں:

لأنّ نوره ظاهر فی الآفاق والأنفس مع زیادة الکمالات الصوریة والمعنویة بل فی الحقیقة کل نور خلق من نوره وکذا قیل فی قوله تعالیٰ: "الله نور السمٰوات والأرض مثل نور، نور محمد فنور وجهه صلی الله علیه وسلم ذاتی لاینفک عنه ساعة فی اللیالی ولأیّام ونور القمر مکتسب مستعار ینقص تاره ویخسف أُخری ۔

(جمع الوسائل فی شرح الشمائل: ۱/۵۶)

آسمان کے چاند سے طیبہ کے چاند کہیں زیادہ حسین ہے اس لئے کہ:

(۱) آسمان کا نور آفاق کو روشن کرتا ہے فضا کا منور کرتا ہے، مگر سینہ سے گزر کر ظلمتِ دل کو ختم نہیں کرتا۔ مگر طیبہ کے چاند سے زمین و آسمان کے علاوہ کروڑوں سینوں کی محرابِ دل بھی روشن ہے۔ افلاک کے چاند کی چاندنی کے آگے چھت دیواریں اور پہاڑ حجاب بن جاتے ہیں، مگر طیبہ کے چاند کی چاندنی کی راہ میں کوئی شئ رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ وہ دار ارقم میں ہوں تب بھی ان کی چاندنی عمر بن خطاب تک پہنچ جاتی ہے، وہ مکہ شریف میں بھی ہوں تو ان کی چاندنی یمن کے حبیب اور فارس کے سلمان کے دلوں کو ایوانِ نور بنا سکتی ہے۔

(۲) آسمان کے چاند کے مقابلہ میں طیبہ کے چاند میں کئی صوری اور معنوی کمال بھی ہیں جن سے آسمان کا چاند محروم ہے۔ آسمان کا چاند چمکتا ہے مگر مسکراتا نہیں۔ چمکتا ہے مگر باتیں نہیں کرتا، دمکتا ہے مگر لوگوں کی غمخواری نہیں کرتا۔ چمکتا ہے مگر لوگوں کی مشکل کشائی نہیں کرتا۔ دنیا کی راہیں تو روشن کرتا ہے مگر آخرت کی راہیں چمکا نہیں سکتا۔ طیبہ کا چاند، مسکراتا بھی ہے، چمکتا بھی ہے، گل فشانیاں بھی کرتا ہے، ضیاباریاں بھی کرتا ہے غمخواریاں بھی کرتا ہے، جلوہ نمائی

بھی کرتا ہے، مشکل کشائی بھی کرتا ہے۔ دنیا کے نشیب و فراز بھی دکھاتا ہے اور آخرت کی منازل بھی چمکاتا ہے۔

(۳) آسمان کا چاند مستعار نور سے چمکتا ہے جبکہ طیبہ کے چاند کا نور ذاتی ہے۔

(۴) آسمان کا چاند بڑھتا ہے پھر گھٹ جاتا ہے، عروج کے بعد زوال پذیر ہو جاتا ہے، مگر طیبہ کا چاند ہر لحہ محو عروج ہے اس کیلئے زوال نہیں ''ولـلآخـرة خير لک من الاولیٰ'' آسمان کا چاند غروب ہو جاتا ہے مگر طیبہ کا چاند غروب نہیں ہوتا بلکہ محدث بریلوی فرماتے ہیں ۔

خورشید تھا کس زور پر کیا بڑھ کے چمکا تھا قمر
بے پردہ جب وہ رخ ہوا یہ بھی نہیں ، وہ بھی نہیں

(۵) آسمان کے چاند کو گرھن لگ جاتا ہے، مگر طیبہ کا چاند اندیشۂ گرھن سے آزاد ہے اور اس کی بہارِ حسن خزاں کی چیرہ دستیوں سے ہمیشہ کیلئے محفوظ ہے۔ محدث بریلوی تو فرماتے ہیں ۔

طیبہ کے سوا سب باغ پامالِ فنا ہوں گے
دیکھو گے چمن والو جب عہدِ خزاں آیا

آپ نے حدائقِ بخشش میں ان فروق کی طرف بھی اشارات کیئے ہیں جو حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلہ کی شرح میں بیان کیئے ۔ محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ آسمان کے چاند کے گرد کبھی ھالہ بنتا ہے جسے بارش کے نزول کا قرینہ سمجھا جاتا ہے۔ آپ فرماتے مدینہ کے چاند کے گرد بھی ایک ہالہ ہے اور وہ بھی ایک بارش کے نزول کی علامت ہے، آپ فرماتے ہیں ۔

درودیں صورتِ ہالہ محیطِ ماہ طیبہ ہیں
برستا امت عاصی پر اب رحمت کا پانی ہے

کہ ماہ طیبہ کا ہالہ درود و سلام کا ہے اور یہ گنہگار امت پر رحمت کی برسات کی خبر دیتا ہے کہ رحمت کی پھوہار عصیاں کی گرد بہادے گی اور امت کو سیراب کردے گی۔ دوسرے مقام پر آپ نے داڑھی شریف کو ہالہ قرار دیا ہے، فرماتے ہیں ۔

ریشِ خوش معتدل مرہمِ ریشِ دل
ہالۂ ماہِ ندرت پہ لاکھوں سلام

۲......سورج:

اسے مناظرِ کائنات کی جان سمجھا جاتا ہے، یہ بھی سید عالم نورِ مجسم علیہ السلام کے مظاہرِ نور میں سے ایک ہے۔ مذکورہ اشعار میں چاند کے ضمن میں اس سے متعلق بھی ذکر ہوا کہ یہ بھی آپ علیہ السلام کے درِ فیض بار کا گدا ہے محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی قاموسِ عشق میں اس کا کچھ اور نام ہے۔ آپ اپنے آقا و مولیٰ علیہ السلام کے جود و سخا کی بات کررہے تھے تو قلم سے یہ نقش ابھرے ۔

جس کو قرصِ مہر سمجھا ہے جہاں اے منعمو!
ان کے خوانِ جود سے ہے ایک نانِ سوختہ

اے دنیا کے تاجورو! سارا جہاں جسے سورج کی ٹکیا کہتا ہے، لوگ آفتابِ دنیا کہہ کے پکارتے ہیں یہ تو میرے محبوب علیہ السلام کے دسترخوانِ جود و سخا کی ایک جلی ہوئی روٹی ہے۔ جس محبوب علیہ السلام کے خوانِ جود کی جلی ہوئی روٹی پر کائنات کا گزارہ ہو رہا ہو اور اس کی تابانی و تپش سے کائنات کو حیات آفریں روشنی مل رہی ہو تو اس کی جلن سے محفوظ روٹیوں کا حال کیا ہوگا اور جس محبوب علیہ السلام کی جلی ہوئی روٹی کی طرف دیکھنے سے آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اس کے چہرہ کے انوار کا عالم کیا ہوگیا۔

محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس بارگاہ گوہر بار کا

حسن وجود بیان کرتے ہوئے چرخ نیلگوں اور سورج کا ایک اور روپ بھی بیان کیا ہے، ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں ۔

زمہر و چرخ بہر خوانِ جودت
عجب قرص و نمکداں آفریدند

یارسول اللہ ﷺ آپ کی بارگاہ کے دسترخوان کا اندازہ کون کرسکتا ہے کہ آسمان جس دسترخوان کی روٹی ہے اور سورج نمکدان ہے۔

۳......ستارے:

رات کو آسمان پر ستاروں کا کھلا ہوا گلستاں کتنا حسین منظر پیش کرتا ہے، ان ستاروں کی جبیں میں چمکنے والے نور کے ٹیکے محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دُرِ ماخذ ہیں، ایک تو آپ نے قصیدہ معراجیہ میں بیان کیا ہے ۔

وہی تو اب تک چمک رہا ہے وہی تو جوبن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی کٹورے تاروں نے بھر لیئے تھے

کہ تاروں کی جبین میں سید عالم ﷺ کے نورانی پیکر کو مس کر کے گرنے والے پانی کی چمک دمک ہے۔ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی نعلین شریفین سے جھڑنے والے ذرات کو سارے سیاروں نے اپنے سر کا تاج بنا کر سجا رکھا ہے ملاحظہ ہوں، فرماتے ہیں ۔

ذرّے جھڑ کر تری پیزاروں کے
تاجِ سر بنتے ہیں سیاروں کے

محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی فرہنگِ محبت میں ستاروں کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ چرخِ کہن سیدِ عالم ﷺ کی تلاش وجستجو میں کروٹوں پر کروٹیں بدل رہا ہے اور آپ ﷺ کے جلوۂ زیبا کی زیارت سے فیض یاب ہونے کیلئے مسلسل سفر میں ہے یہاں تک کہ چلتے چلے لاکھوں چھالے پڑ گئے ہیں۔ یہ محبوب پاک ﷺ کے عشق کا فیضِ عام ہے کہ ان کی راہ میں پڑنے والے چھالے بھی اتنے تابندہ ہوتے ہیں کہ لوگ انہیں ستارے کہہ کے پکارتے ہیں، آپ فرماتے ہیں ۔

اگر چہ چھالے ستاروں سے پڑ گئے لاکھوں
مگر تمہاری طلب میں تھکے نہ پائے فلک

اور یہ لاکھوں چھالے فلک افلاک کی سید عالم ﷺ سے عشقِ کامل کی دلیل ہے کہ باوجود فلک ابھی تک تھکا نہیں ہے۔ محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حدائق بخشش میں ستاروں کی ایک اور تشریح بھی کی ہے ۔ پوری رات جگمگاتے ستارے اور وقتِ سحر غائب ہوجانے والے آپ کی زبانِ عشق میں آسمان کی آنکھیں ہیں۔ ساری رات آسمان کی آنکھیں کھلی رہتی ہیں اور وہ اپنے محبوب کریم ﷺ کی یاد میں جاگتا رہتا ہے جب نسیم سحر چلتی ہے تو رات بھر جاگتے رہنے کی وجہ سے ناچار آسمان پر نیند کا غلبہ ہوجاتا ہے اور اس کی آنکھیں بند ہوجاتی ہیں، آپ فرماتے ہیں ۔

تمہاری یاد میں گزری تھی جاگتے شب بھر
چلی نسیم بند ہوئے دیدھائے فلک

کائنات میں راتوں کو بے چین لوگ اختر شماری کرتے رات گزارتے ہیں۔ قربان جائیے اس محبوب پہ کہ جس کی یاد میں اختر بھی شب بیداری کرتے ہیں۔

وصی اللہ علی حبیبہ سیدنا و مولانا محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

مولایا صل وسلم دائما آبداً
علی حبیبک خیر الخلق کلھم

☆☆☆

فن شاعری اور حسان الہند

ایک جائزہ

ڈاکٹر تنظیم الفردوس*

اردو شاعری کی تاریخ میں جن نعت گو شاعروں نے غیر فانی نقش ثبت کیے ہیں ان میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ ممتاز اہمیت کے حامل ہیں۔ آپ نامور محدث، فقیہہ اور عالمِ باعمل تھے۔ قدرت نے انہیں دوسری علمی و روحانی صفات کے ساتھ عشق مصطفی ﷺ کی دولتِ بے بہا سے بھی نواز رکھا تھا۔ یہی عشقِ رسالت مآب ﷺ طبعِ موزوں کی بدولت صفت وثنائے نبی ﷺ کے نغمات میں ڈھلتا رہا۔ آپ تمام اصنافِ سخن پر یکساں حاوی تھے۔ انہوں نے ہر پیرایۂ نظم میں گلہائے نعت مہکائے ہیں۔ مولانا احمد رضا علیہ الرحمہ چونکہ علومِ شریعت پر غیر معمولی دسترس رکھتے تھے، اس لئے وہ جوشِ عشق وعقیدت کے باوجود نعت گوئی میں کمالِ احتیاط سے کام لیتے ہوئے قرآن حکیم کو اپنی نعت گوئی کا منبعِ حقیقی قرار دیتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کے عہد تک پہنچتے پہنچتے نعت گوئی کا فن ترقی کر کے کمالِ بلوغ کو پہنچ گیا تھا۔ زبان بھی عروج وارتقاء کی سرحدوں کو عبور کر گئی تھی۔ صفائی، ستھرائی، متانت و سنجیدگی، لطافت اور شستگی، زبان کا مقدر بن چکی تھی۔ مگر ان سب کے باوجود نعت کے فن میں عشقِ رسول ﷺ کی جو سچی تڑپ اور کسک ہونی چاہیے اس سے یہ فن ہنوز محروم تھا۔ حضرت رضا نے نعت کے اس فن کو سرحدِ کمال سے آگے سفر کرا دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ رضا بریلوی نہ صرف فنِ نعت کے اسرار و رموز سے پوری طرح واقف تھے بلکہ اس فن کے شناور، غواص اور ایک ماہرِ فن استاد تھے۔

مولانا احمد رضا خان کی نعت گوئی داخلی کیفیات کے بیان اور اظہارِ شیفتگی کے باوصف فنی شکوہ سے عبارت ہے۔ ناقدینِ نعت نے مولانا کے جذبۂ حبِ رسول ﷺ کا ذکر تو اکثر کیا ہے مگر ان کی نعت کے فنی محاسن، شعری پختگی اور قادر الکلامی کا تذکرہ بہت کم ہوا ہے۔ حدائق بخشش کا جوہر اگرچہ مولانا کی داخلی کیفیات اور محبتِ رسول ﷺ کا والہانہ پن ہی ہے، لیکن مظفر عالم جاوید صدیقی کے مطابق:

> ''اگر فنی محاسن و صفات کے نقطۂ نظر سے مولانا کی نعت گوئی کا تجزیہ کیا جائے تو ان کے تبحر علمی، شعری صلاحیت، تخلیقی استعداد، صنعت گری اور زورِ بیان کے متعدد نمونے ملتے ہیں'' (۱)

مولانا احمد رضا خاں نے نعتیہ شاعری کے حوالے سے

*(لیکچرار شعبۂ اردو، جامعہ کراچی)

اردو زبان و ادب کو تیکنیک، ہیئت سازی، لسانی تجربے، تراکیب مصطلحات، تلمیحات اور محاورات میں جو وسعت دی ہے اور مضمون آفرینی و نزاکتِ خیال کو جو جلوہ بخشا ہے وہ ایک کارنامہ ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہماری ادبی تاریخ میں نعتیہ شاعری کو کبھی کوئی مناسب جگہ نہیں دی گئی۔ شاید اس لئے کہ نعتیہ شاعری، یکسر مذہبی اور موضوعاتی شاعری ہے۔ حالانکہ کسی موضوع کو محض دینی یا مذہبی ہونے کے سبب شعری نقد و نظر سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے باوجود ہمارے یہاں فنِ نعت گوئی اور اس فن سے منسلک شعراء کے ساتھ طویل عرصے سے یہی انداز برتا گیا۔ لیکن خوش آئند بات ہے کہ گزشتہ چند برسوں میں نعت کے موضوع پر اور نعت گو شعراء کے حوالے سے نتیجہ خیز کام سامنے آیا ہے اور اس کام کی رفتار سے یوں اطمینان ہوتا ہے کہ بعض جامعات نے اس پر تحقیقی کام پر Ph.D کی ڈگریاں بھی عطا کی ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں کے ساتھ یہ المیہ اور شدید اس لئے بھی ہوگیا کہ آپ محض نعت گو شاعر نہیں بلکہ ایک مشہور عالم دین بھی ہیں اور وسیع حلقۂ اثر کے مالک بھی ہیں۔ اسی وسعتِ مقبولیت کے باعث آپ کی تمام مجتہدانہ کاوشوں اور کارناموں کو تعصب کی عینک لگا کر جانچا گیا اور اس مقام و مرتبہ سے محروم رکھنے کی کوشش کی گئی جس کے آپ قدرتی طور پر حقدار تھے۔

لیکن سچائی دبانے سے اور ابھرتی ہے۔ اسی حقیقت کے مصداق مولانا احمد رضا خاں کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر ریسرچ پوری دنیا میں کی جارہی ہے۔ خصوصاً بیسوی صدی کے ربع آخر میں جس رفتار سے تحقیقی و اشاعتی کام ہوا ہے اس نے، بقول ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم، یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ:

''جو کچھ ہے اس صدی میں وہ تنہا رضا کا ہے'' (۲)

اسی سلسلہ کی ایک کڑی مرکزِ اہلسنّت برکات رضا، امام احمد رضا روڈ، پور بندر، گجرات سے شائع ہونے والی خوبصورت کتاب ''فن شاعری اور حسان الہند'' ہے۔ جو کہ خوبصورت گیٹ اپ کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔ کتاب میں تین تقاریظ شامل ہیں:

☆ از سید آل رسول حسنین میاں نظمی

☆ از سید شرف ملت اشرف مارہروی،

☆ از ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم

یہ شخصیات علمی اور ادبی اعتبار سے کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان حضرات نے کتاب کے نفس مضمون پر بھی ماہرانہ تبصرہ پیش کیا ہے اور علامہ عبدالستار ہمدانی کی شخصیت علمی اور تحقیقی مشاغل اور دلچسپیوں کا بھی تفصیلی تبصرہ کیا ہے۔ راقم الحروف کی علمی کم نظری کو جناب ہمدانی صاحب کی علمی شخصیت سے لاعلمی کا اعتراف ہے لہٰذا آپ کے بارے میں اتنا ہی جان سکی جتنا کتاب کے تعارفی مضامین میں شامل ہے۔ جس کے مطابق علامہ ہمدانی گجرات کے رہنے والے ہیں اور جدید و قدیم علوم کا کما حقہٗ ادراک رکھتے ہیں۔ پیشے کے اعتبار سے تاجر ہیں اور اعتقاداتِ اہلسنّت کی پاسداری کے لئے ہمہ دم کوشاں۔ رضویات کے فروغ کے لئے حیات وقف کر رکھی ہے۔ تجارتی مصروفیات کے باوجود علم و فن سے دلچسپی کا یہ عالم ہے کہ تصانیف و تراجم کی نصف سنچری مکمل کر چکی ہیں۔ ان کی کتابوں سے ان کا ذوقِ تحقیق اور جذبۂ جستجو جھلکتا ہے۔ طبیعت کی جولانی موضوع سے متعلق نئے نئے گوشے ڈھونڈ لاتی ہے اور جب تک موضوع سے انصاف نہیں کر لیتے انہیں چین نہیں آتا۔ اس انداز تحقیق سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں اپنے مقصد سے جنون کی حد تک وابستگی ہے۔

مذکورہ کتاب کا سببِ تصنیف لکھتے ہوئے علامہ نے مرقوم کیا ہے کہ وہ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' سے صنعت تجنیس کامل کے ایک سوتیس اشعار کی انحصاراً تشریح ''عرفانِ رضا اور مدحِ مصطفیٰ ﷺ'' کے نام سے لکھنے بیٹھے جو ایک ہزار صفحات میں مکمل ہوئی اور مقدمہ لکھنے کا ارادہ کیا۔ مضامین کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا تو مقدمہ، مقالہ بن گیا اور یہی مقالہ بنام ''فن شاعری اور حسان الہند'' برائے تبصرہ پیشِ نظر ہے۔ (۳)

کتاب کے عنوان سے ظاہر ہے کہ اس میں مصنف نے لوازماتِ فن شاعری اور کلام رضا پر بحث کی ہے۔ اس عنوان پر اکثر پیروانِ رضا اور معتقدین نے قبل ازیں اظہار خیال کیا ہے، مثلاً ڈاکٹر پروفیسر غلام مصطفیٰ خان، ڈاکٹر پروفیسر ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر پروفیسر فرمان فتح پوری، علامہ شمس بریلوی علیہ الرحمہ، ڈاکٹر ریاض مجید، ڈاکٹر سراج احمد بستوی، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، سید اسماعیل رضا ذبیح ترمذی، محمد امجد رضا خاں، محمد اسحٰق ابڑو، محمد مظفر عالم جاوید صدیقی، نجیب جمال، محمد اقبال جاوید وغیرہم۔

راقم الحروف کے مقالے ''اردو کی نعتیہ شاعری میں مولانا احمد رضا خان کی انفرادیت و اہمیت'' کے ایک طویل باب میں لوازمات اور فن شاعری کے حوالے سے مولانا کی شاعری کو نقد و نظر کے پیمانے سے جانچنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس حصے کی تکمیل کے دوران قدم قدم پر یہ احساس ہوا کہ کلام رضا میں صنائع بدائے کے فنکارانہ اور تخلیقی استعمال پر بھی ایک پورا مقالہ تحریر کیا جاسکتا ہے۔ اس وقت میرے مقالے کے عنوانات میرے اس خیال کی تکمیل میں مانع رہے تھے۔ لیکن جب میرے ہاتھوں میں عبدالستار ہمدانی صاحب کی زیر تبصرہ کتاب آئی تو اس تشنگی کا خاتمہ ہوگیا۔

علامہ صاحب موصوف نے مذکورہ کتاب میں محض کلامِ رضا میں صنائع بدائے کا تجزیہ ہی نہیں کیا بلکہ فنِ عروض اور کلام رضا پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔ اور فن شاعری کے مختلف پہلوؤں پر بڑی مہارت، فنکاری اور مشاقی سے بحث کی ہے۔ فن شاعری اور لوازماتِ شاعری کے تمام عنوانات کا تعارف پیش کرتے ہوئے ایک تقابلی تجزیہ پیش کیا ہے۔ اردو غزل کے اکابر شعراء (قدیم جدید) میں ااوازماتِ شعری کے تخلیقی استعمال کی وضاحت کرتے ہوئے کلامِ رضا میں لاوازماتِ شعری کی نئی جہات سے بھی اپنے قارئین کو آگاہ کیا ہے جو کہ ایک قابل قدر کاوش ہے۔ گزشتہ چند برسوں میں کلام رضا کے حوالے سے کتب، مقالہ جات اور مضامین کثرت سے لکھے گئے اور شائع ہوئے ہیں۔ ان میں سے کئی مضامین میں محاسنِ کلام رضا کے ساتھ ساتھ کلام رضا کے تنقیدی جائزے بھی شامل ہیں۔ خصوصاً علمِ عروض کے حوالے سے چند نعتیہ نظموں اور اشعارِ رضا پر کڑی تنقید کی گئی ہے۔ شاعری کے اوزان و بحور پر گفتگو کرتے ہوئے علامہ ہمدانی نے بڑی محنت کی ہے۔ وزن اور بحر کی تعریف کرتے ہوئے وزن اور بحر کا ایک پورا نقشہ قارئین کی سہولت کیلئے فراہم کردیا ہے۔ اشعارِ رضا کی تقطیع بھی کی ہے اور مختلف نعتیہ غزلوں کی بحروں کے نام بتاتے ہوتے ایک مشہور عالم نعتِ رضا کا ذکر کرتے ہیں:

زمین و زماں تمہارے لئے

جو بحرِ وافر سالم میں ہے جو عربی سے مخصوص ہے۔ اردو اور فارسی میں مشکل سے کوئی غزل اس بحر میں ملتی ہے۔ مشکل اور کٹھن جانتے ہوئے اس بحر کو قریب قریب ترک کردیا گیا تھا۔ علامہ کے خیال میں مولانا احمد رضا خاں نے نہ صرف اس قریب الفنا اور متروک بحر کو نئی زندگی دی بلکہ بحر وافر سالم کی پتھریلی راہ کو ہموار کرکے اس کو مخملی

بنادیا ہے اور بعد میں آنے والے شعراء کے لئے اسے مرغوب بنادیا ہے۔اسی طرح مولانا رضاؔ کے نظمِ مستزاد ؎

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا

پر اس اعتراض کا جواب بھی فراہم کیا ہے کہ نظم مستزاد کے عروضی اصول پر پوری نہیں اترتی ۔علامہ ہمدانی نے اخلاق حسین دہلوی کی کتاب ''فن شاعری'' کے صفحہ ۴۵؍اور ۴۸؍ پر تقطیع کے اصول ۱۹؍اور ۲۸؍ کے تحت یہ ثابت کیا ہے کہ اس نعت کے پندرہ اشعار میں سے ہر شعر صنعت مستزاد کامل پر پورا اترتا ہے۔(۴)

اس کے علاوہ اس کتاب میں علامہ موصوف نے کلامِ رضا میں محاورات اور کہاوتوں کی عکاسی ، رسم و رواج کی عکاسی ، مقامی الفاظ و محاورات کے ساتھ سنسکرت کے الفاظ کی فراوانی پر سیر حاصل اور تفصیلی بحث کی ہے۔ساتھ ہی اعلیٰ حضرت کے اشعار پر بے بنیاد اعتراضات کا جواب بھی علامہ نے انتہائی مدلل انداز میں فراہم کیا ہے۔

تمام ہی موضوعات کو آپ نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ سمیٹا ہے۔دلکش انداز بیان اور رواں عبارت آپ کی تحریر کا حسن ہیں۔نکتہ سنجی اور نکتہ رسی نے اس تحریر کو عام و خاص تمام ہی قارئین کیلئے مفید بنادیا ہے۔کتاب کے آخر میں اردو تنقید کی ناانصافی کا محاکمہ بھی کیا ہے جو کہ نفسِ مضمون کے تجزیئے کے بعد لازم بھی تھا۔

جناب سید محمد اشرف برکاتی کے خیال میں:

''کتاب کلیتاً تنقیدی ہے نہ مکمل طور سے تحقیقی''(۵)

بلکہ اشرف صاحب کے مطابق کتاب کے مشمولات تحقیق و تنقید کا ایسا حسین امتزاج ہیں کہ اس کے باوصف ایک نئی اصطلاح ''محقدانہ'' وضع ہونے چاہیے۔

علامہ عبدالستار ہمدانی کی یہ تصنیف یقیناً تفصیلی تعارف و تجزیئے کی حقدار ہے اور چونکہ اس میں انہوں نے رضاؔ بریلوی کی شاعرانہ عظمت کو فن شاعری کی کسوٹی پر پرکھنے کی کامیاب کوشش کی ہے، لہٰذا ہم اپنی بات کا خاتمہ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم کی اس رائے پر کرتے ہیں کہ:

''علامہ موصوف نے ''فن شاعری اور حسان الھند'' لکھ کر دنیائے رضویات میں ایک گراں بہا اضافہ کیا ہے''۔(۶)

حوالہ جات

(۱) مظفر عالم جاوید صدیقی ، معارف رضا ، کراچی ، شمارہ ۱۹۹۶ء،ص ۱۲۰

(۲) ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم ، پیش لفظ ، ''فن شاعری اور حسان الہند''،ص ۷۰

(۳) علامہ عبدالستار ہمدانی ، ''فن شاعری اور حسان الہند''، ص ۱۵

(۴) ''فن شاعری اور حسان الہند''،ص ۱۷۷

(۵) ''فن شاعری اور حسان الہند''،ص ۶۷

(۶) ''فن شاعری اور حسان الہند''،ص ۲-۷

☆☆☆

مولانا احمد رضا بریلوی کی نعت نگاری

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی*

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

شہرِ یارِ ارم، تاجدارِ حرم، مہر چرخ نبوت، شرح انوارِ قدرت، قاسمِ کنزِ نعمت، نو بہارِ شفاعت، رسولِ کائنات، صاحبِ رجعتِ شمس وشق القمر، والی کون ومکاں، رحمتِ دو جہاں، نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی بارگاہِ عالیہ میں پیش کیئے گئے نذرانہ ہائے سلام کی گنج گرانمایہ میں مولانا احمد رضا خاں کا یہ شہرۂ آفاق سلام جس کا مطلع اوپر درج کیا گیا ہے اپنی اثر آفرینی اور قبولیت عام کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے، برصغیر پاک وہند کا کون سا فرد ہے جس نے مذکورہ بالا سلام کے اشعار سن کر یا پڑھ کر دل کی گہرائیوں میں عشق نبی ﷺ کی حدت محسوس نہ کی ہو اور جس کی پلکوں پر آنسوؤں کی کناری سی نہ لگ گئی ہو، بقول فاضل اقبالیات پروفیسر یوسف سلیم چشتی ''مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے سرکارِ ابد قرار، مصدرِ شش جہات، فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی بارگاہ میں جو سلامِ منظوم پیش کیا تھا، اسے یقیناً شرف قبولیت حاصل ہوگیا کیونکہ ہندو پاک میں شاید ہی کوئی عاشقِ رسول ﷺ ہوگا جس نے اس کے دو چار شعر حفظ نہ کر لئے ہوں'' چشتی صاحب کا یہ ارشاد بجا ہے یقیناً اس سلام کو حضور ﷺ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں شرف قبولیت کا اعزاز حاصل ہوا ہے، اپنے اس ارزاں اعزاز کا احساس خود مولانا احمد رضا خاں بریلوی کو بھی تھا چنانچہ اس قصیدہ مبارک کا اختتام یوں فرماتے ہیں۔

کاش محشر میں جب ان کی آمد ہو اور
بھیجیں سب ان کی شوکت پہ لاکھوں سلام

مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا
مصطفےٰ ﷺ جان رحمت پہ لاکھوں سلام

برصغیر پاک وہند کی ادبی، مجلسی، روحانی اور ثقافتی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کی وہ واحد شخصیت ہیں، جنہوں نے عشقِ رسالت مآب ﷺ کے بحرِ بے کنار میں ڈوب کر نعت کہی اور حضور ﷺ کے ذکرِ جمیل کے حوالے سے اپنی شخصیت اور اپنے فن کی پہچان کا مرحلہ طے کیا۔ فاضل بریلوی علم وفضل کے اہم اور منفرد مقام پر فائز تھے، ان کے علمی تبحر کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ علومِ درسیہ کے علاوہ دیگر علوم وفنون پر بھی قدرت کاملہ رکھتے تھے۔ ان علوم وفنون کی تعداد بچپن کے قریب ہے۔ صرف یہی نہیں انہوں نے مختلف علوم وفنون پر متعدد کتابیں بھی تصنیف فرمائیں۔ ان کی تصانیف وتالیفات کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہے۔ جن میں سے کچھ زیور طباعت سے آراستہ ہوچکی ہیں اور کچھ مسودہ جات ابھی غیر مطبوعہ شکل میں محفوظ ہیں۔ چنانچہ یہ بات

*(سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج، شاہدرہ روڈ، لاہور)

بلاشک وشبہ کہی جاسکتی ہے کہ عالمِ اسلام میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو ،جوعلوم وفنون پراس قدر دسترس رکھتا ہو۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی ،دینی ، اصلاحی ، سیاسی اور معاشرتی کارہائے نمایاں کا اختصار کے ساتھ بھی تذکرہ ایک مضمون میں ممکن نہیں اور پھر یہ فردواحد کے بس کی بات بھی نہیں کہ وہ مولانا کے آثارِقلم کا مکمل طور پر احاطہ کرسکے۔ یہ تو اداروں کا کام ہے،فقہ میں وہ کس مقام پر فائز تھے اوران کی فقہی بصیرت کا کیا عالم تھا۔اس کا اندازہ اس بات سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے فتاویٰ جہازی سائز کے تقریباً پندرہ ہزار صفحات پر محیط ہیں جن میں سے ایک تہائی حصہ شائع ہوکر ارباب فکرونظر سے حرف تحسین حاصل کرچکا ہے۔مولانا موصوف کے اس فقہی شاہکار کی علمی اور فنی اہمیت کا اندازہ غیر ملکی علمائے کرام خصوصاً علمائے حجاز کی آراء سے لگایا جاسکتا ہے ۔جب مکہ معظمہ کے جید عالم اور عالم اسلام کے مشہور فاضل سید اسماعیل خلیل حافظ کتب الحرام کی خدمت میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے چند اوراق ارسال کیئے گئے تو موصوف نے ان الفاظ میں ان اوراقِ فتاویٰ پر تبصرہ فرمایا''ہمارے آقا (مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ) نے فتاویٰ پر مشتمل ہمیں نمونے کے طور پر چند اوراق عنایت فرمائے ہیں،ہمیں اللہ تعالیٰ سے یہ امید ہے کہ وہ ان کی تکمیل کے لئے آپ کے درجات میں آسانی اور جلدی کے مواقع عطا فرمائے گا۔ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آپ کو آخرت میں سرخروئی عطا فرمائے گا اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان فتوؤں کو اگر حضرت ابوحنیفہ نعمان دیکھتے تو یقیناً ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی''اور اس کے مؤلف کو اپنے تلامذہ میں شامل فرماتے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ کا دوسرا علمی شاہکار قرآن مجید کا اردو ترجمہ ہے جو''کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن'' کے نام سے ۱۹۱۱ء میں شائع ہوکر منظر عام پر آیا۔قرآن پاک کے اس ترجمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قرآن کے ترجمہ کے ساتھ ساتھ عربی زبان کی گہرائی اور گیرائی کو اردو کے قالب میں بڑے ماہرانہ اور خوبصورت انداز سے ڈھالا گیا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ متبحر عالم اور بلند پایا فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ سخن فہمی اور شعر گوئی میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، آپ کو امام نعت گویاں کہا جاتا ہے۔آپ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ،عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے آثارِقلم کو چومتے ہوئے محبت رسول ﷺ کے ان گنت چراغ روشن کیئے۔آپ اقلیم نعت میں کس مقام پر جلوہ افروز تھے اس کا اظہار انہوں نے خود بھی کیا ہے۔

یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصف شاہ ہدیٰ مجھے شوخیٔ طبع رضا کی قسم

ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں ۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

اسے محض شاعرانہ تعلّی کا نام نہیں دیا جاسکتا۔حقیقت یہ ہے کہ مولانا نے اردو نعت کو جو آہنگ عطا کیا ہے، وہ صدیوں ایوانِ نعت میں گونجتا رہے گا۔ذیل میں چند ارباب علم ودانش کی آرا درج کی جارہی ہیں، جن سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دنیائے شعرو ادب میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کس مقام ومرتبے پر فائز ہیں۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری اپنی کتاب ''اردو کی نعتیہ شاعری'' میں تحریر کرتے ہیں کہ علمائے دین میں نعت نگاری کی حیثیت سے سب

سے ممتاز مقام مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ان کی شاعری کا محور خاص آنحضرت ﷺ کی زندگی اور سیرت تھی،مولانا عاملِ شریعت بھی تھے اور صاحبِ طریقت بھی۔صرف نعت،سلام اور منقبت کہتے تھے اور بڑی دردمندی اور دلسوزی کے ساتھ کہتے تھے۔سادہ و بے تکلف زبان اور برجستہ وشگفتہ بیان ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد اپنی یادگار کتاب ''فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں'' میں مولانا کی نعت پر اظہار خیال کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''آپ کی نعتیں جذبات قلبیہ کا بے سروپا اظہار نہیں بلکہ آدابِ عشق ومحبت کا آئینہ دار ہیں۔اس حیثیت سے اردو ادب میں آپ نعت گوشعراء کے سرتاج ہیں''

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں اپنے مضمون ''اردو شاعری اور تصوف'' میں مولانا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اب جناب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایک عاشقِ رسول ﷺ یعنی مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا ذکر بھی کردیا جائے ،جن سے ہمارے ادباء نے ہمیشہ بے اعتنائی برتی ہے حالانکہ یہ غالبًا واحد عالم دین ہیں ،جنہوں نے نظم ونثر دونوں میں اردو کے بے شمار محاورات استعمال کیئے ہیں اور اپنی عظمت سے اردوشاعری میں چار چاند لگادیئے ہیں''

ممتاز ادیب اور شاعر نیاز فتح پوری تحریر کرتے ہیں کہ ان (مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ) کے کلام سے پہلا تاثر جو عام پڑھنے والوں پر قائم ہوتا ہے وہ مولانا کے بے پناہ وابستگی رسول عربی ﷺ کا ہے۔ان کے کلام سے ان کے بیکراں علم کے اظہار کے ساتھ ساتھ افکار کی بلندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

پروفیسر افتخار اعظمی تحریر کرتے ہیں کہ ان (مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ) کا نعتیہ کلام اس پایہ کا ہے کہ انہیں طبقہ اولیٰ کے نعت گوشعراء میں جگہ دی جائے۔انہیں فن اور زبان پر پوری قدرت حاصل ہے۔ان کے یہاں تصنع اور تکلف نہیں بلکہ بے ساختگی ہے کیونکہ رسول پاک ﷺ سے انہیں بے پناہ محبت اور عقیدت تھی اس لئے انکا نعتیہ کلام شدت احساس کے ساتھ ساتھ خلوص جذبات کا آئینہ دار بھی ہے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ شعری دنیا میں کس مقام کے حامل ہیں اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے، جو مولانا ماہرالقادری نے ماہنامہ ''فاران'' کی ایک اشاعت میں یوں رقم کیا ہے،مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ مرحوم دینی علوم کے جامع تھے یہاں تک کہ ریاضی میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔دینی علم وفضل کے ساتھ شعلہ بیان شاعر بھی تھے اور ان کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ مجازی راہ سخن سے ہٹ کر صرف نعت رسول ﷺ کو اپنے افکار کا موضوع بنایا۔مولانا احمد رضا خاں کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا بڑے خوش گو شاعر تھے اور مرزا داغ سے نسبت تلمذ رکھتے تھے مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ غزل کا یہ مطلع ؎

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

جب استاد مرزا داغ کو حسن بریلوی نے سنایا تو داغ نے تعریف کی اور فرمایا:

''مولوی ہوکر اتنے اچھے شعر کہتا ہے''

مختلف اساتذہ فن کی ان آراء کے بعد اس بات کی

ضرورت نہیں رہتی کہ ان کی شاعری پر مزید کچھ کہا جائے لیکن یہ بات بہر حال مسلمہ ہے کہ شعر گوئی میں نعت ایک مشکل ترین صنف ہے۔

نعت گوئی کی جملہ مشکلات کے متعلق خود مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ خود ان الفاظ میں اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں حقیقتاً نعت لکھنا نہایت مشکل ہے۔ جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے۔ غرض حمد میں ایک طرف اصلاً کوئی حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں طرف سخت حد بندی ہے

احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل سچ فرمایا ہے کیونکہ نعت کا ہی وہ مشکل میدان ہے جس میں بہت سے بھٹک کر بلندی سے پستی کی طرف گر جاتے ہیں یعنی آداب رسالت سے بے پرواہو کر وہ باتیں بھی کہہ جاتے ہیں جو شان رسالت سے فروتر ہوتی ہیں۔ نعت کا محبوب غزل کے محبوب سے مختلف ہے، یہ تو مقام ادب ہے۔

ادب گاہ ہیست زیر آسمان از عرش نازک تر

نفس گم کردہ می آید جنید بایزید ایں جا

اس قسم کا ایک واقعہ خود مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی پیش آیا جس کا انہوں نے سختی سے رد فرمایا۔ اس واقعہ میں ایک طرف مولانا کی شعر گوئی پر تخلیقی گرفت کا اظہار ہوتا ہے تو دوسری طرف مقام رسالت کا احترام معجزاتی انداز میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔ یہ واقعہ مقبول جہانگیر نے اردو ڈائجسٹ میں تحریر کیا ہے ''حضرت اطہر ہاپوڑی اردو کے مشہور شاعر تھے اور ان کا شمار اس دور کے نہایت جید اساتذہ غزل میں ہوتا تھا ایک دفعہ انہوں نے فاضل بریلوی کی موجودگی میں نعت سنائی مطلع تھا۔

کب ہیں درخت حضرت والا ﷺ کے سامنے

مجنوں کھڑے ہیں خیمہ لیلیٰ کے سامنے

مطلع سنکر مولانا ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ اس کا دوسرا مصرع مقام محبت کے لائق نہیں۔ اسے بدلنے کی کوشش کرو اطہر صاحب حیران کھڑے تھے مولانا نے برجستہ فرمایا اسے یوں کرلو۔

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے

قدری کھڑے ہیں عرش معلیٰ کے سامنے

مولانا کی نعت احترام و احتیاط کے دائرے میں رہتے ہوئے شمائل و فضائل حضور ﷺ کے تذکار جلیلہ کی آئینہ دار ہے۔ آپ احکام شریعت سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ عشق حضور ﷺ ہی مومن کی میراث ہے۔ اس لئے اس محبت کا اظہار بھی محبوب پاک ﷺ کے ارشادات عالیہ اور حکم خداوندی کے تحت ہونا چاہیے۔ مولانا احمد رضا کے مجموعہ کلام ''حدائق بخشش'' میں تو بعض مقامات پر متعدد اشعار قرآن و حدیث کا اردو جامہ ہی دکھائی دیتے ہیں لیکن یہاں ایک چیز بہر حال مختلف نظر آئے گی کہ ان موضوعات اور اظہار کے پس منظر میں عقیدت و احترام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ایک اور ہی تخلیقی انداز میں دکھائی دیتا ہے۔

اسم محمد ﷺ کی رعنائی دل و جاں پر محیط ہو جاتی ہے۔ ایک دردمند دل اسم گرامی کی حلاوتوں میں کھو جاتا ہے۔ نام حضور ﷺ اور اس نام کی برکات نعت کا ایک اہم موضوع ہے، عام انسانی نقطہ نظر سے بھی دیکھا جائے تو محب کیلئے محبوب کا نام ہی سب کچھ ہوتا ہے اور وہ محبوب کے نام کی سرشاریوں میں گم رہتا ہے۔ اقبال نے کہا ہے۔

سالارِ کارواں ہے میر حجاز اپنا

اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

مولانا احمد رضا خاں کہتے ہیں ۔

نہ کیوں کر کہوں یا حبیبی اغثنی
اسی نام سے ہر مصیبت ٹلی ہے

شہر محبوب، مرکز دل ونگاہ ہوتا ہے۔ محبوب کا شہر اور اس شہر دلآویز کے مکین حتیٰ کہ شہر محبوب کے جانور تک عشاق کی آنکھوں کا تارا ہوتے ہیں۔ چنانچہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے لئے مدینہ پاک کی گلیوں کی مٹی جنت سے بڑھ کر ہے۔ یہ مٹی آنکھوں کا سرمہ ہے۔ یہ وہ مٹی ہے جسے محبوب پاک ﷺ کی قدم بوسی کا شرف لازوال حاصل ہوا ہے۔ اس نے حضور ﷺ کے قدموں کو بوسے دیئے ہیں، فرماتے ہیں ۔

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سید ﷺ عالم
اس خاک پہ قرباں دل شیدا ہے ہمارا
ہے خاک سے تعمیر مزار شہ ﷺ کونین
معمور اسی خاک سے قبلہ ہے ہمارا

گدایان کوئے پیمبر کے احترام کا انداز بھی نرالا ہے۔ عشق کی بلندی کی اس سے زیادہ اور کیا انتہا ہوسکتی ہے اور پھر سگان کوئے یار کی خاطر مدارت یوں ہورہی ہے ۔

دل کے ٹکڑے نذر حاضر لائیں
اے سگان کوچہ دلدار ہم

شہر حضور ﷺ کے گلی کوچوں سے وابستگی اس لئے ہے کہ اس خطہ زمین پر حضور ﷺ کا روضہ ہے۔ اس قریہ محبت میں گنبد خضرا ہے چنانچہ مکہ مکرمہ میں حج کی ادائیگی کے بعد اس شہر خنک کی زیارت کی حاجیوں کو دعوت دیتے ہوئے عشق کی وادیوں میں کھو جاتے ہیں۔ جذب ومستی کا ایک عجب عالم ہوتا ہے، شوق دیدار شہر رسول ﷺ میں دل کی بے قراری بڑھ جاتی ہے، اضطراب کیفیت اپنے جوبن پر ہے۔ اظہار میں، زبان میں شستگی اور سلاست اپنے نقطۂ عروج پر ہے، جو صرف حضور ﷺ سے بے پناہ عشق ہی کی مرہون منت ہے ۔

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے، کعبے کا کعبہ دیکھو
رکن شامی سے مٹی وحشت شام غربت
اب مدینے کو چلو صبح دل آرا دیکھو
آب زمزم تو پیا خوب بجھائی پیاسیں
آؤ جود شہ ﷺ کوثر کا بھی دریا دیکھو
دھوم دیکھی ہے در کعبہ پہ بیتابوں کی
ان کے مشتاقوں میں حسرت کا تڑپنا دیکھو

واقعہ معراج تاریخ انسانی کا ایک عظیم واقعہ ہے۔ یہ واقعہ ہمارے شعراء کا بھی محبوب موضوع ہے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی واقعہ معراج کو موضوع بنا کر عظمت ورفعت رسول ﷺ کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے نسبتاً مشکل بحر میں قصیدہ معراجیہ لکھا۔ لیکن کہیں بھی جمال وجلال کے آبگینوں کو ٹھیس نہیں لگنے دی، مولانا کے حسنِ بیان نے بحر کے مشکل مراحل کو آسان بنا دیا۔ پوری نعتیہ نظم موسیقیت اور ترنم کا حسین مرقع ہے۔ اس قصیدے کی قدر وقیمت کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے۔ جو مولانا کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے۔ جس کے مطابق ممتاز نعت نگار جناب محسن کاکوروی اپنا مشہور قصیدہ مولانا کو سنانے کیلئے لائے، جس کا مطلع تھا ۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لائی ہے صبا گنگا جل

مولانا احمد رضا نے نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد دو شعر سنے

اور باقی قصیدہ عصر کے بعد سننے کا وعدہ کیا، مولانا احمد رضا بریلوی نے نماز عصر سے قبل اپنا مذکورہ قصیدہ معراجیہ سنا دیا۔ محسن کاکوروی نے جب آپ کا قصیدہ سنا تو اپنے قصیدہ لپیٹ کر جیب میں ڈالا اور کہا مولانا آپ کے قصیدے کے بعد میں اپنا قصیدہ نہیں سنا سکتا۔ ۶۷/ اشعار کے اس قصیدے سے کونسا شعر منتخب کر کے لکھا جائے۔ انتخاب ناممکن ہے البتہ دو ابتدائی اشعار ذیل میں درج کیئے جارہے ہیں ۔

وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہان کیلئے تھے

وہاں فلک پر، یہاں زمین پر، رچی تھی شادی، مچی تھی دھومیں
ادھر سے انوار ہنستے آتے ادھر نفحات اٹھ رہے تھے

نعت میں جہاں ایک طرف سرور کون و مکاں جناب رسالت مآب ﷺ کے جلال و جمال کا تذکرہ ہوتا ہے۔ وہاں ان کی حیات مقدسہ میں وقوع پذیر ہونے والے معجزات جن سے شان رسالت کی تعریف اور نبوت کی توثیق ہوتی ہے۔ شاعری میں انہیں تلمیح کی انداز میں پیش کیا جاتا ہے مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے بھی اپنے مجموعہ کلام میں نعت کے پیرائے میں معجزات حضور ﷺ کا ذکر کیا ہے جس سے ان کا مقصود نبی اکرم ﷺ کی عظمت و رفعت کا اظہار تھا۔ معجزہ اللہ کی قدرت کاملہ کا اظہار ہوتا ہے، کنکریوں نے کلمہ طیبہ پڑھا جسے مولانا نے یوں بیان کیا ۔

میں ترے ہاتھوں کے صدقے کیسی کنکریاں تھیں وہ
جن سے اتنے کافروں کا دفعتاً منہ پھر گیا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک معجزے کا ذکر فرماتے ہیں ۔

کیوں جناب بو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا کیسا تھا وہ جام شیر
جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ پھر گیا

حضور ﷺ کا پاک گھرانہ بھی عشاق کے لئے باعث احترام رہا، ان کے نزدیک نسبت رسول ﷺ ہی اساس ایمان ہے۔ محبت رسول ﷺ ہی معیار ایقان ہے۔ مولانا احمد رضا خاں خاندان نبوت کا بے پناہ احترام کرتے تھے، مقبول جہانگیر نے اپنے ایک مضمون مطبوعہ اردو ڈائجسٹ، شمارہ اپریل ۷۵ء میں بیان کیا ہے۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں پالکی میں تشریف فرما کہیں جارہے تھے۔ اچانک پالکی روک لی اور کہاروں سے دریافت کیا کہ آپ میں کوئی آل رسول ﷺ ضرور ہے۔ چنانچہ ایک شخص آگے بڑھا اور کہا کہ میں حضور ﷺ کے خاندان کا فرد ہوں، سیدزادہ ہوں۔ غربت کے ہاتھوں مجبور ہو کر مزدوری کی ہے، پھر کیا تھا چشم فلک نے دیکھا کہ مولانا احمد رضا خاں نے اپنی دستار اتاری اور اس سید زادے کے قدموں میں رکھ دی اور التماس گزار ہوئے کہ شہزادے معاف کردینا۔ لاعلمی میں یہ خطا سرزد ہوگئی اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ سیدزادے کو پالکی میں بٹھا کر خود کہاروں کے ساتھ پالکی اٹھا کر پیدل چلے، اس واقعہ سے اندازہ کیجئے کہ جب آل رسول ﷺ کے ساتھ مولانا کی عقیدت و محبت کا یہ حال تھا تو رسول کائنات حضور سرور کون و مکاں ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ وابستگی کا کیا عالم ہوگا۔ مولانا نے اپنے نعتیہ کلام میں خاندان رسول ﷺ کے تمام افراد کا کسی نہ کسی طور لطیف پیرائے میں ذکر کیا ہے۔ نمونے کے طور پر مولانا کا ایک شعر درج کررہا ہوں ۔

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور. تیرا سب گھرا نور کا

حضور ﷺ تاجدار ارض وسما کے حسن و جمال کا تزکرہ اردو کی نعتیہ شاعری کی آبرو ہے لیکن یہ موضوع اس لحاظ سے نعت میں سب سے زیادہ مشکل ہے کہ یہاں بہت سوں نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے لیکن مولانا جو ایک بلند پایہ عالم دین اور شریعت کی پیروی کرنے والے تھے نے جمال رسول ﷺ بیان کرتے ہوئے کہیں بھی حدود سے تجاوز نہیں کیا۔ ادب کے دائرے کے اندر رہے۔ مولانا احمد رضا نے حسن و جمال حضور ﷺ کو مختلف مقامات پر نہایت مشکل قافیوں میں بیان کیا ہے مثلاً گیسوئے پاک کا ذکر فرماتے ہوئے اٹھارہ اشعار کی نعتیہ غزل کہی ہے جس میں گیسو کی ردیف میں عظمت حضور ﷺ بیان فرمانے کی بھرپور سعی کی ہے۔

ہم سیہ کاروں پہ یا رب! تپش محشر میں
سایہ افگن ہوں ترے پیارے کے پیارے گیسو

تیل کی بوندیں ٹپکتی نہیں بالوں سے رضا
صبح عارض پہ لٹاتے ہیں ستارے گیسو

محبت رسول کا پرچم یوں بلند ہو رہا ہے، لفظ لفظ میں عشق مصطفےٰ ﷺ کا گلشن آباد ہے۔

عارض شمس و قمر سے بھی ہیں انور ایڑیاں
عرش کی آنکھوں کے تارے ہیں وہ خوش تر ایڑیاں

جا بجا پر تو فگن ہیں آسمان پر ایڑیاں
دن کو ہیں خورشید شب کو ماہ و اختر ایڑیاں

اے رضا طوفان محشر کے تلاطم سے نہ ڈر
شاد ہو ہیں، کشتی، امت کو لنگر ایڑیاں

ایک دوسرے مقام پر سراپائے رسول ﷺ کا ذکر جمیل ہو رہا ہے سوچ اور اظہار کی ساری رعنائیاں الفاظ میں سمٹ آئی ہیں۔

تیری ہی جانب ہے پانچوں وقت سجدہ نور کا
رخ ہے قبلہ نور کا ابرو ہے کعبہ نور کا

پشت پر ڈھلکا سر انور سے شملہ نور کا
دیکھیں موسیٰ طور سے اترا صحیفہ نور کا

آب زر بنتا ہے عارض پر پسینہ نور کا
مصحف اعجاز پر چڑھتا ہے سونا نور کا

قصیدہ سلامیہ میں جمال رسول ﷺ یوں بیان ہوتا ہے کہ محبت رسول ﷺ کی ہر کلی لو دینے لگتی ہے۔

پتلی پتلی گل قدس کی پتیاں
ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام

وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا
چشمہ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

جس کے پانی سے شاداب جان و جناں
اس دہن کی طراوت پہ لاکھوں سلام

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

دوش بردوش ہے جن سے شانِ شرف
ایسے شانوں کی شوکت پہ لاکھوں سلام

محبوب سے ملاقات کا شوق کسے بے چین نہیں رکھتا۔ عشاق کی زندگی تو دیدار محبوب کی تمنا میں کٹ جاتی ہے اور جب خوش قسمتی سے اس تمنا کے پورے ہونے کے آثار نمایاں ہونے لگیں تو عجیب کیفیتیں ظہور میں آتی ہیں لیکن دیار ہجر میں عشاق کی حالت دیدنی ہوتی ہے۔ وہ تڑپتے ہیں، پھڑکتے ہیں، ہر لحظہ فراق کے کرب میں گزرتا ہے۔ تاجدار کائنات حضور نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی

محض حسن و جمال ہی کا مرقع نہیں بلکہ آپ ﷺ کی سیرت قرآن کی تشریح، قرآن مجید میں اسی بنا پر جہاں بھی اطاعت خداوندی کا حکم موجود ہے وہیں اطاعت رسول ﷺ کا بھی ذکر کیا گیا ہے نعت رسول ﷺ میں سیرت کا موضوع ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی خود بھی نقوش کف پائے مصطفےٰ ﷺ سے روشنی اخذ کرنے والے اطاعت گزار امتی تھے اس لئے انہوں نے نعت رسول ﷺ میں نبی کریم ﷺ کی سیرت مطہرہ کی تصویر کشی بھی خوب کی ہے۔ پیکر جودوسخا کی بخششوں کا ذکر ہو رہا ہے۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہ (ﷺ) بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

دھارے چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا
تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا

فیض ہے یا شہ (ﷺ) تسنیم نرالا تیرا
آپ پیاسوں کے تجسس میں ہے دریا تیرا

اور پھر حضور ﷺ کی سیرت اطہر کے حوالے سے مولانا خراج عقیدت پیش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

ابتلاو آزمائش کے مرحلے میں جب اغیار کی چیرہ دستیاں حد سے بڑھ جاتی ہیں تو وہ رحمت خداوندی کے پیکر حضور ﷺ کے در اقدس کی طرف پرامید نظروں سے دیکھتے ہیں، حضور ﷺ کی چشم کرم کے ملتجی ہوتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا عہد بھی سیاسی ابتری اور معاشرتی بے چینی کا عہد تھا چنانچہ مولانا احمد رضا خاں اپنے اور اپنے معاشرے کے تمام مسائل کے حل کیلئے دربار رسالت مآب ﷺ میں فریاد کناں ہوتے ہیں۔

غم ہوگئے بے شمار آقا بندہ تیرے نثار آقا
بگڑا جاتا ہے کھیل میرا، آقا آقا سنوار آقا

مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ نعت میں جس اہم مقام پر فائز تھے وہ یقیناً قابل رشک بھی ہے اور قابل صد احترام بھی۔ مولانا کو اس حقیقت کا خود بھی احساس تھا وہ جانتے تھے کہ آج مجھے جو مقام حاصل ہے، وہ محض سرکار ﷺ کے ذکر جمیل کا صدقہ ہے۔ شیخ اشرفعلی تھانوی سے ساری عمر جھگڑا ناموس رسالت کے نام پر رہا لیکن خود شیخ اشرفعلی تھانوی مولانا کے متعلق فرماتے ہیں:

''میرے دل میں احمد رضا کیلئے بے حد احترام ہے وہ ہمیں کافر کہتا ہے لیکن عشق رسول ﷺ کی بنا پر کہتا ہے کسی اور غرض سے تو نہیں''

دوسروں کی طرف سے مہر تصدیق کا ردعمل یوں بیان فرماتے ہیں۔

نکیرین رتے ہیں تعظیم میری
فدا ہو کے تجھ پر یہ عزت ملی ہے

اپنے آقا ﷺ سے والہانہ عشق اور پھر اس عشق کے اظہار نے مولانا احمد رضا خاں بریلوی کو لازوال اعتماد سے نواز رکھا تھا چنانچہ مضمون کا اختتام کرنے سے قبل مولانا کا یہ شعر پیش خدمت ہے۔ جس میں عشق رسول ﷺ بے پناہ خود اعتمادی کے ساتھ عبد مصطفیٰ کا روپ دھار کر امان کی بشارت دیتے ہوئے اظہار پاتا ہے۔

خوف نہ رکھ ذرا رضاؔ تو تو ہے عبد مصطفےٰ
تیرے لئے امان ہے تیرے لئے امان ہے
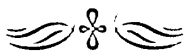
دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف کا

پاکستان پر فیضان

تحریر: محمد عبدالحکیم شرف قادری*

۱۹۹۹ء میں جس جواں سال فاضل ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی ازہری نے امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عربی شاعری پر سات سوصفحات کا مقالہ لکھ کر جامعہ ازہر سے ایم فل کی سند حاصل کی تھی اسی فاضل نوجوان نے ۱۶؍فروری ۲۰۰۴ء کو بطل حریت تاجدار منطق وحکمت علامہ فضل حق خیر آبادی کی عربی شاعری کے تنقیدی اور تحلیلی تجزیے پر مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کے امتحان میں درجۂ اولیٰ میں کامیابی حاصل کی، یہ فاضل بھی چند واسطوں سے منظر اسلام بریلی شریف کے فیض یافتگان میں سے ہے۔

راقم الحروف اس امتحان کی کاروائی سر کی آنکھوں سے براہ راست دیکھنے کے لئے لاہور سے قاہرہ پہنچا اور اللہ تعالیٰ کا صد ہزار شکر ہے کہ اس نے مجھے سعادت ومسرت کی اس تاریخی گھڑی میں شریک ہونے کا موقع عطا فرمایا۔ اس کے ساتھ ہی میں جامع مسجد سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جہاں آپ کا سر اقدس مدفون ہے) اور ایک ہزار سالہ قدیم مسجد جامع ازہر کے زیر سایہ بیٹھ کر چشم تصور سے ''دارالعلوم منظر اسلام'' بریلی شریف، کو دیکھ رہا ہوں، جس نے اسلام اور سنیت کا نور بکھیرتے ہوئے سو سال کا طویل عرصہ پوری استقامت کے ساتھ طے کرلیا ہے، وہ منظر اسلام جس سے حوادث زمانہ کی موجیں آ کر ٹکراتی رہیں، مخالفین کی شرانگیزیاں اور حاسدین کی ریشہ دوانیاں اس سے متصادم ہوتی رہیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم، سرکار دو عالم ﷺ کی نظرِ عنایت، شہنشاہِ بغداد کے فیضِ توجہ سے استقامت کا پہاڑ بن کر کھڑا رہا۔ اس کے بانی دنیائے سنیت کے امام، چودھویں صدی کے مجدد امام احمد رضا بریلوی کی بارگاہِ رسالت میں فریاد پیش کرتے ہوئے عرض گزار ہیں۔

اک طرف اعدائے دین اور اک طرف ہیں حاسدین
بندہ ہے تنہا شہا، تم پہ کروڑوں درود

اس فریاد سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حالات کتنے سنگین تھے؟ اور ماحول کس قدر ناسازگار تھا؟ لیکن امام احمد رضا کی فریادیں رائگاں نہیں گئیں، سرکار دو عالم ﷺ کے صدقے اللہ کی رحمت کی گھٹائیں دارالعلوم منظر اسلام اور شہر بریلی پر موسلا دھار برسیں اور ظاہری اسباب و وسائل کی قلت کے باوجود ''منظرِ اسلام'' کا پیغام پوری دنیا میں پہنچنے لگا اور گوشِ دل وجاں سے سنا جانے لگا۔

گونج گونج اٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستاں
کیوں نہ ہوں کس پھول کی مدحت میں وامنقار ہے

(امام احمد رضا)

* (سابق شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور)

آج سے پچیس سال پہلے جامعہ ازہر میں امام احمد رضا اور دارالعلوم منظر اسلام بریلی کا ہم مسلک طالب علم ڈھونڈے سے نہیں ملتا تھا، لیکن آج اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم سے سو سے زیادہ طلباء مختلف شعبوں میں مصروف تعلیم و تحقیق ہیں، کوئی انگلینڈ سے آیا ہے اور کوئی پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، نیپال اور سری لنکا سے، صرف جامعہ ازہر نہیں، بلکہ جامعہ عین شمس جامعۃ القاھرہ اور جامعۃ الدول العربیۃ میں بھی ہمارے ہم مسلک طلباء موجود ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ جامعہ ازہر شریف کے اساتذہ کا وہی مسلکِ صوفیاء ہے جو امام احمد رضا بریلوی کا ہے۔ یعنی مسلک اہلسنّت و جماعت، جامعہ ازہر کا امتیازی وصف اعتدال اور وسطیت ہے، یعنی جامعہ ازہر انتہا پسندی یا دہشت گردی کا حامی نہیں ہے۔

دارالعلوم منظر اسلام، بریلی شریف شمالی ہند میں واقع وہ مینارۂ نور ہے جس کی شعائیں پوری دنیا میں پہنچتی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے چاہا تو صبح قیامت تک پہنچتی رہیں گی۔ دارالعلوم منظر سلام سے اکتسابِ فیض کرنے والے فضلاء یوں تو دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں اور اسلام کا پیغام مختلف خطوں میں پھیلا رہے ہیں، لیکن پاک و ہند کے اطراف و اکناف خاص طور اس دارالعلوم سے فیض یاب ہوئے ہیں، اہلسنّت و جماعت کے جتنے مدارس ہیں وہ سب دارالعلوم منظر اسلام کی فکری اور علمی برانچیں ہیں۔ درج ذیل سطور میں پاکستان کے مستفیض ہونے کا مختصر تذکرہ کیا جارہا ہے۔

یاد رہے کہ تحریک پاکستان کے دور میں دارالعلوم منظر اسلام کے منتظمین، فضلاء اور متعلقین نے ۱۹۴۶ء میں سنی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے بنارس میں تحریکِ پاکستان کی بیک آواز حمایت کی تھی، مولانا مفتی اعجاز ولی خان رحمہ اللہ تعالیٰ نے بریلی شریف کے دارالافتاء سے پاکستان کی حمایت میں فتویٰ دیا تھا اور ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں جب کانگریس اور مسلم لیگ کا مقابلہ تھا تو اس میں حضرت مفتی اعظم ہند رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسلم لیگ کے امیدوار کے حق میں ووٹ ڈالا تھا۔ مسلم لیگ کے ورکرانہیں۔ مفتی اعظم پاکستان زندہ باد کے گونجدار نعروں میں خانقاہ رضویہ سے جلوس کی شکل میں لے کر گئے اور پھر واپس اسی اعزاز اکرام کے ساتھ آپ کی خانقاہ تک لائے۔

قیامِ پاکستان کے بعد لاہور بلکہ پاکستان میں نمایاں ترین شخصیت امام المحدثین حضرت مولانا سید محمد دیدار علی شاہ محدث الوری اور ان کے فرزند ارجمند مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری علیہما کی تھی، یہ دونوں حضرات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی بارگاہ سے سند اجازت و خلافت یافتہ تھے، جب کہ علامہ سید ابوالبرکات رحمہ اللہ تعالیٰ تو دو سال امام احمد رضا کی بارگاہ میں رہ کر افتاء کی تربیت بھی حاصل کرتے رہے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے فتووں میں فتاویٰ رضویہ کی واضح جھلک دکھائی دیتی ہے، ان حضرات نے قیامِ پاکستان سے بہت پہلے مرکزی انجمن حزب الاحناف اور اس کے تحت دارالعلوم حزب الاحناف کی بنیاد رکھی تھی، اس دارالعلوم سے بڑے بڑے علماء اہلسنّت نے سند فراغت حاصل کی ان میں شارح بخاری علامہ سید محمود احمد رضوی (فرزند حضرت علامہ سید ابوالبرکات رحمہ اللہ تعالیٰ) مولانا محمد نور اللہ نعیمی (مؤلف فتاویٰ نوریہ چھ جلدوں میں) اور شیخ القرآن مولانا علامہ غلام علی اوکاڑوی اور مولانا علامہ مفتی محمد عبدالقیوم قادری ہزاروی رحمہم اللہ و غیر ہم شامل ہیں۔

علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری کی سرپرستی میں دہلی دروازے کے اندر جامع مسجد وزیر خاں میں عظیم الشان جلسے منعقد ہوتے تھے جس میں ملک بھر (متحدہ ہندوستان) کے جلیل القدر فضلاء

شامل ہوا کرتے تھے، ۱۹۵۳ء میں یہی مسجد تحریکِ ختم نبوت کا مرکز قرار پائی جس کے صدر علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری علیہ الرحمہ (علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری کے بڑے بھائی) تھے اور تحریک ختم نبوت ۱۹۷۱ء کے جنرل سیکریٹری علامہ سید ابوالبرکات کے صاحبزادے شارح بخاری علامہ سید محمود احمد رضوی علیہ الرحمہ تھے جس کے نتیجے میں پاکستان کی قومی اسمبلی نے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا اور اسی مسجد میں حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری نے مولوی اشرفعلی تھانوی کو دعوت دی کہ آپ آ کر علماء اہلسنت کے ان اعتراضات کے جوابات دیں جو ان کی طرف سے علماء دیوبند پر وارد کئے گئے ہیں۔ لیکن حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی اور دیگر بیسیوں علماء کی تشریف آوری کے باوجود تھانوی صاحب نہیں آئے، دیوبندی بریلوی اختلاف کو ختم کرنے کا یہ سنہری موقع تھا جو تھانوی صاحب نے ضائع کر دیا۔

پاکستان میں مسلکِ اہلسنت کے بڑے عَلَم بردار محدث اعظم پاکستان مولانا علامہ محمد سردار احمد چشتی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ تھے جو دارالعلوم منظر اسلام کے فیض یافتہ علماء میں بڑا نمایاں مقام رکھتے تھے، پہلے منظر اسلام پھر جامعہ رضویہ مظہر اسلام مسجد بی بی جی، بریلی شریف میں پڑھاتے رہے، بیسیوں نامور فضلاء نے بریلی شریف میں ان سے اکتساب فیض کیا، نوجوانی کے عالم ہی میں مشہور دیوبندی مناظر مولوی منظور احمد نعمانی سے بریلی شریف میں حفظ الایمان کی عبارت پر مناظرہ کیا، چوتھے دن نعمانی صاحب نے راہ فرار اختیار کرنے میں خیریت سمجھی بریلی شریف کے شاگردوں میں علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری (فرزند صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی) مولانا وقار الدین (کراچی) مولانا سید جلال الدین شاہ بانی جامعہ محمدیہ بھکھی شریف، گجرات، شارح بخاری حضرت مولانا علامہ غلام رسول رضوی (صاحب تفہیم البخاری) حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی، مولانا علامہ محمد نواز صاحب (حال گوجرانوالہ) مولانا سید منصور حسین شاہ، سابق مدرس جامعہ رضویہ، فیصل آباد، مولانا سید یعقوب شاہ (کیرانوالی، ضلع گجرات) مولانا عبدالقادر شہید بانی جامعہ قادریہ، فیصل آباد، مولانا معین الدین شافعی، مولانا قاری محمود الحسن، لاہور وغیرھم قابل ذکر ہیں قیام پاکستان کے بعد آپ نے فیصل آباد میں جامعہ رضویہ مظہر اسلام کے نام سے مدرسہ قائم کیا، جہاں سے سینکڑوں علماء فارغ التحصیل ہو کر نہ صرف پاکستان کے کونے کونے میں پہنچ کر دین متین کی تعلیم و تبلیغ کا فریضہ انجام دے رہے ہیں بلکہ دوسرے ممالک میں بھی اسلام کا پیغام پہنچا رہے ہیں، راقم نے اسی مدرسہ سے تحصیل علم کا آغاز کیا اور حضرت محدث اعظم سے صغریٰ کے بعض اسباق پڑھنے اور بخاری شریف کا ایک درس سننے کی سعادت حاصل کی۔

حضرت کے تلامذہ میں چند نمایاں نام یہ ہیں:

(۱) مولانا مفتی عبدالقیوم قادری ہزاروی علیہ الرحمۃ (ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور شیخوپورہ) جن کی مساعی سے فتاویٰ رضویہ کی نئی ترتیب اور کتابت کے ساتھ پچیس جلدیں شائع ہوگئی ہیں، پانچ مزید چھپیں گی۔

(۲) مولانا ابو داؤد محمد صادق قادری رضوی (سرپرست ماہنامہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ،

(۳) مبلغ اسلام مولانا محمد ابراہیم خوشتر علیہ الرحمہ، ماریشس

(۴) حضرت شیخ الحدیث مولانا علامہ محمد اشرف سیالوی، مناظر اسلام

(۵) مولانا علامہ فیض احمد اویسی (صاحب تصانیف کثیرہ) اور

(۶) شیخ الحدیث علامہ مولانا نصر اللہ خان رضوی افغانی حفظہم اللہ تعالیٰ

ایک دفعہ غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نجی مجلس میں فرمایا کہ انصاف کی بات یہ ہے مسلک امام احمد رضا کی تبلیغ جس طرح محدث اعظم نے کی ہے یہ ان ہی کا حصہ ہے۔

تیسری شخصیت شیخ القرآن حضرت علامہ مولانا عبدالغفور ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہے جو حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ کے مرید اور منظر اسلام بریلی شریف کے فاضل تھے، علامہ ہزاروی صاحب، مقبولِ عام خطیب تھے، فی البدیہ ایسی ایسی باتیں ارشاد فرماتے کے سننے والے علماء حیران رہ جاتے، انہوں نے وزیر آباد میں دورۂ قرآن کا اہتمام کیا جو ماہِ شعبان کے وسط سے شروع ہوکر ۲۵ ر رمضان تک جاری رہتا، اس سلسلے میں سینکڑوں علماء اور مدرسین نے ان سے استفادہ کیا۔

حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب دورۂ قرآن میں علامہ ہزاروی کے معاون ہوا کرتے تھے وہ بھی منظرِ اسلام کے فضلاء میں سے تھے اور عرصہ تک گولڑہ شریف میں جمعہ پڑھاتے رہے۔

غزالیِ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ کو حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان رحمہ اللہ تعالیٰ سے اجازت وخلافت حاصل تھی، انہوں نے مدرسہ عربیہ انوار العلوم کے نام سے مدرسہ ملتان میں قائم کیا، اس میں حدیث شریف پڑھاتے رہے کچھ عرصہ جامعہ اسلامیہ، بہاولپور میں بحثیت شیخ الحدیث درس دیتے رہے اور سینکڑوں علماء تیار کیئے جو اندرون پاکستان اور بیرونِ پاکستان اسلام کی خدمت کررہے ہیں، آپ زبردست خطیب اور مقبول عام شیخ طریقت تھے، آپ نے اسلام کی ہمہ جہت خدمات انجام دیں، آپ کے چند مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں:

(۱) مولانا مفتی سید شجاعت علی قادری

(۲) مولانا مشتاق احمد چشتی، شیخ الحدیث

(۳) مولانا خورشید احمد فیضی

(۴) مولانا مفتی محمد اقبال سعیدی

(۵) مولانا علامہ حاجی خیر محمد قادری، بلوچستان

(۶) مولانا علامہ صاحبزادہ ارشد سعید کاظمی وغیرہم

راقم کو بھی حضرت سے اجازتِ حدیث حاصل ہے۔

ان کے علاوہ حضرت علامہ مولانا مفتی غلام جان ہزاروی ثم لاہوری بھی منظر اسلام کے فضلاء میں سے تھے، بھاٹی دروازہ لاہور کے اندر واقع جامع مسجد بیری والی میں خطیب رہے، متعدد کتب کے مصنف تھے، مولانا قاضی محمد مظفر اقبال رضوی ان کے فرزند اور جانشین ہیں۔

حضرت استاذ العلماء مولانا تقدس علی خاں رحمہ اللہ تعالیٰ منظرِ اسلام کے فارغ بھی تھے اور اس کے مہتمم بھی رہے، پاکستان بننے کے بعد پیر جو گوٹھ، ضلع خیر پور میرس میں تشریف فرما ہوئے، پیر صاحب پاگارا کے استاد تھے، ان ہی کی وجہ سے پیر صاحب کہا کرتے تھے کہ میں بریلوی ہوں، نیز جامعہ راشدیہ کے شیخ الجامعہ اور شیخ الحدیث تھے، بیسیوں علماء ان کے شاگرد ہیں، اس وقت جامعہ راشدیہ کے شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد رحیم سکندری بھی حضرت کے شاگرد ہیں، حضرت مولانا تقدس علی خاں کو شرح جامی کا خطبہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے پڑھایا تھا، راقم نے تبرکاً ان سے یہ

خطبہ پڑھاتھا۔

حضرت کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا مفتی اعجاز ولی خاں رحمہ اللہ تعالیٰ دارالعلوم منظر اسلام کے فاضل تھے، دارالافتاء رضویہ کے مفتی رہے، پاکستان بننے کے بعد پاکستان آ گئے، جامعہ محمدی شریف، جہلم، جامعہ نعیمیہ، لاہور، جامعہ نعمانیہ لاہور میں پڑھاتے رہے، آخر میں جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور ابھی اسباق شروع نہیں ہوئے تھے کہ رحلت فرما گئے، راقم ان کی جگہ ایک عرصہ تک جمعہ پڑھاتا رہا۔

حضرت مولانا سید اصغر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ یکے از اولاد حضرت پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی دارالعلوم منظر اسلام کے فضلاء میں سے تھے۔

مختصر یہ کہ وہ کتنی سعید گھڑی تھی؟ جب اخلاص کے ایک پیکر نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور سرکار دو عالم ﷺ کی خوشنودی کیلئے دارالعلوم منظر اسلام کی بنیاد رکھی تھی، اس اخلاص کی برکت تھی کہ وہاں سے تیار ہونے والے علماء نے اسلام کی روشنی نہ صرف ہندوستان کے کونے کونے میں پہنچائی اور بلکہ ان کی کوششوں سے دوسرے ممالک اور خاص طور پر پاکستان بقعۂ انوار بنا ہوا ہے۔ صوفیہ کا وہ اسلام جس نے دلوں کے مسخر کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا تھا، دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف کے فضلاء اسی اسلام کی شناخت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اپنے اور بیگانے ایک لفظ ''صوفی'' کہہ کر ان کے تشخص کو اجاگر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی قبر انور پر رحمت و رضوان کی بارشیں نازل فرمائے جنہوں نے اپنی جیب خاص سے اس مدرسے کا آغاز کیا تھا، آج بھی یہ مدرسہ بحمدہ تعالیٰ ان کے ہم مسلک، یعنی دل کی تمام تر گہرائی سے اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب اکرم ﷺ سے محبت رکھنے والے، علماء تیار کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ کرے کے اسلام کا یہ منارۂ صبح قیامت تک قائم اور تابندہ رہے۔ آمین

ان دنوں حضرت مولانا سبحان رضا خاں صاحب دامت برکاتہم العالیہ دارالعلوم منظر اسلام کے مہتمم اور آپ خانقاہِ رضویہ کی ذمہ داریوں کو نبھانے کے ساتھ ساتھ ماہنامہ اعلیٰ حضرت باقاعدگی سے نکالتے ہیں اور دارالعلوم بھی بحسن وخوبی چلارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں مزید توفیق عطا فرمائے۔

آخر میں یہ فقیر اس موقر مجلہ کے ذریعے برادران اہلسنت و جماعت کی خدمت میں گزارش کرنا چاہتا ہے کہ اپنے بچوں کو مقامی طور پر دینی تعلیم دلوا کر اعلیٰ تعلیم کے لئے دنیائے اسلام کی عظیم یونیورسٹی جامعہ ازہر شریف میں بھیجوائیں، تاکہ وہ علمی اور تحقیقی لحاظ سے بلند مقام پر فائز ہوں اور عربی لکھنے، بولنے اور پڑھنے میں قابل قدر مہارت حاصل کریں تاہم یہ ضرور خیال رکھیں کہ آپ کے صاحبزادے کے پاس جس ادارے کی سند ہے وہ سند جامعہ ازہر میں مقبول اور منظور ہو، اس کے بغیر آپ کے بیٹے کو بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

☆☆☆

دنیا میں ہر آفت سے بچانا مولیٰ ﷻ
عقبیٰ میں نہ کچھ رنج دکھانا مولیٰ ﷻ
بیٹھوں جو درِ پاک پیمبر ﷺ کے حضور
ایمان پر اُس وقت اٹھانا مولیٰ ﷻ

(دعا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ)

مولانا سید غیاث الدین حسن شریفی رضوی

اور تلمیذ وخلیفۂ اعلیٰ حضرت

مولانا محمد ملک الظفر سہسرامی*

سہسرام کی تاریخی حیثیت اگر شیر شاہ سوری کے پایۂ تخت کی بنیاد پر تسلیم شدہ ہے تو وہیں علم وعرفان اور روحانیت کے عظیم تاجداروں کے مولد و مسکن ہونے کی حیثیت سے مدینۃ الاولیاء کے شرف سے بھی یہ سرزمین بجا طور پر مشرف ہے۔ بان بھٹ، کجری، بارہ ماسہ خوبصورت کوہساروں اور رواں دواں آبشاروں کے درمیان آباد ہونے والا یہ شہر لازوال اور انمٹ تاریخی نقوش اپنے دامن میں محفوظ رکھے ہوئے ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ علم وعرفان اور روحانیت کے ان عظیم تاجوروں کی لازوال تاریخی، تہذیبی، سماجی اور ملّی خدمات سے کہیں یکسر اغماض کیا گیا تو کہیں رواداری کی حد تک صرف خانہ پُری کیلئے چند سطروں میں تذکرہ شامل کر شہیدوں میں نام لکھوالیا گیا۔

مولانا محمد عثمان عرفان مہاجر مکی سہسرام کی تاریخی، علمی اور روحانی خصوصیات کے تعلق سے بایں طور رقمطراز ہیں:

"السهسرام بلدة من بلاد النهد من مضافات البهار، لاريب ان السهسرام من روضات الجنات، ذوات العيون الجاريات والجبال الراسيات والاشجار الخضرات، معدن الاولياء، مخزن العلماء. (ماہنامہ خشبو، سہسرام، ماہ جولائی ۱۹۸۰ء، ص ۳۵)

ترجمہ: سہسرام مضافات بہار میں ہندوستان کا ایک ممتاز شہر ہے جو بلاشبہ باغاتِ جنت کا نمونہ ہے، جہاں دلکش چشمے بہتے ہیں، پہاڑوں کی بلند وبالا چوٹیاں ہیں، ہرے بھرے درخت ہیں جو اولیاء کی کان اور علماء کا مخزن ہے"

اردو زبان وادب کی زلف برہم سجانے اور سنوارنے میں دہلی، لکھنؤ اور عظیم آباد وغیرہ جیسے ممتاز شہروں کی علمی وادبی خدمات اگر تاریخ لسانیات کا بیش بہا حصہ ہیں تو وہیں سہسرام کی خدمات بھی اس باب میں ناقابلِ فراموش ہیں۔ سہسرام کے پہلے شاعر راجہ رام نارائن موزوں سہسرامی کا نام اردو شاعری میں بہت نمایاں ہے۔ ان کا ایک شعر تو زبان زد خاص وعام ہے۔

غزالاں تم تو واقف ہو، کہو مجنوں کے مرنے کی
دِوانہ مرگیا آخر کو ویرانے پر کیا گزری؟

لیکن ان تمام تر خصوصیات کے باوصف سہسرام کے دیدہ وروں کی خدمات سے تاریخی صفحات میں مکمل انصاف نہیں کیا گیا۔ حکیم سید احمد اللہ ندوی کی کتاب "تذکرۂ مسلم شعرائے بہار" جو سات جلدوں میں ہے ان میں بھی بہت سے قابل ذکر اساتذۂ فن اور ناقدانِ سخن کا تذکرہ شامل نہیں ہے۔ ڈاکٹر سید طلحہ رضوی برق اس تعلق سے اپنے دکھ درد کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"تذکرۂ مسلم شعرائے بہار بھی بیشتر قابل ذکر اور استاذِ فن شعراء کے ذکر سے خالی ہے۔ حیرت ہے کہ دادِ تحقیق دینے

*(پرنسپل ومہتمم جامعہ خیریہ سہسرام، بہار، ہند)

والے تلاش و جستجو کی تھوڑی سے محنت سے بھی کبھی جی چرا لیتے ہیں'' (مولانا سید شاہ غیاث الدین: حیات اور شاعری ص ۱۵)

اور اسی جی چرا لینے سے بہت سارے تاریخی احوال و آثار تاریخ کا قابلِ ذکر حصہ ہوتے ہوئے بھی پردۂ گمنامی کے پیچھے چلے جاتے ہیں اور پھر پس نظر میں جا کر کسی کو دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔ حیرت ہوتی ہے کہ کیسے کیسے آفتاب و ماہتاب وقت کی تاریکیوں کے پیچھے انتہائی بے دردی کے ساتھ دھکیل دیئے گئے اور پھر بے وقعت ذرّوں کو آفتاب و ماہتاب بنا کر پیش کیا جاتا رہا۔

اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ کے تلمیذِ جلیل اور خلیفۂ باوقار حضرت مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شریفی رضوی علیہ الرحمہ کا شمار بھی سہسرام کی انہی نابغۂ روزگار شخصیات میں ہوتا ہے جن کے ساتھ تاریخ نے انصاف نہیں کیا۔

حضرت مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شریفی رضوی کی ولادت باسعادت ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۷ء میں بہار کے مقام رجہت میں ہوئی۔ خاندانی رسم و رواج کے مطابق پانچ برس کی عمر میں تسمیہ خوانی کی رسم ادا کی گئی۔ ناظرہ قرآن شریف اور ابتدائی اردو، فارسی کی تعلیم کا سلسلہ اپنے وطن رجہت میں مکمل فرمایا۔ دس سال کی عمر میں پرائمری اسکول میں داخلہ لیا۔ ۱۸۹۵ء میں نوادہ میں شریک امتحان ہوئے۔ چوں کہ طبیعت اخاذ تھی تعلیمی لگن اور جذبۂ جانفشانی تھا، امتحان میں نہ صرف اول درجے سے کامیابی حاصل کی بلکہ انعام میں اسکالرشپ کے بھی حقدار قرار پائے۔

مولانا سید شاہ غیاث الدین نے جب شعور کی آنکھیں کھولیں تو وہ دینی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کیلئے انہوں نے مولوی صلابت حسین اور مولوی سید محمد عباس کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔

مولانا سید غیاث الدین تعلیمی سفر میں رواں دواں تھے کہ ایک دن ان کے خالِ محترم حضرت مولانا سید شاہ معین الدین صاحب علیہ الرحمہ سجادہ نشین خانقاہ کبیریہ، سہسرام، رجہت تشریف لائے۔ اپنے بھانجے کا ذوقِ علمی بیدار دیکھا تو اپنے ساتھ انہیں سہسرام لیتے آئے۔ چنانچہ مولانا سید شاہ غیاث الدین نے عربی کی ابتدائی تعلیم سہسرام میں حاصل کی۔ خالِ محترم کے وصال نے آپ کو حد درجہ ملولِ خاطر کیا یہاں تک کہ سہسرام سے دل برداشتہ ہوکر رختِ سفر باندھا اور الٰہ آباد پہنچ گئے اور وہاں مولانا سید محمد فاخر الٰہ آبادی علیہ الرحمہ سے متوسطات کی تعلیم حاصل کی۔ چونکہ مولانا سید محمد فاخر الٰہ آبادی علیہ الرحمہ کی علمی مصروفیات کے سبب اسباق مسلسل نہیں ہو رہے تھے اس وجہ سے موصوف الٰہ آباد سے کانپور تشریف لے گئے اور وہاں سید احمد حسین کانپوری کے تلمیذِ جلیل مولانا سید عبدالرزاق کے مدرسے میں داخلہ لیا پھر وہاں سے جامع العلوم کا رخ کیا۔ جامع العلوم میں سلسلۂ تعلیم جاری تھا کہ حضرت مولانا سید محمد فاخر الٰہ آبادی نے الٰہ آباد طلب فرمایا۔ اساتذہ کے ادب و احترام کا درس تو روزِ اوّل ہی دے دیا گیا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی خواہش کے باوجود استاذِ محترم کی طلبی پر انکار کی گنجائش باقی نہ رہی اور پھر کشاں کشاں وہ الٰہ آباد پہنچ گئے۔ مشہور فلسفی اور عالم دین ملّا عطاء اللہ قندھاری کا چرچا ان دنوں الٰہ آباد کے علمی حلقوں میں تھا۔ مولانا سید غیاث الدین حسن شریفی رضوی بھی علم کی اس بادِ بہاری سے اپنے شجرِ آرزو کو ہرا بھرا کرنے کی تمنا لے کر جونپور چلے آئے اور یہاں معقولات کی منتہی کتابوں کا درس معقولات کے اس متبحر عالم سے لیا۔ جونپور میں تعلیمی سفر جاری تھا کہ آپ علیل ہو گئے اور مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ بالآخر آپ اسی حالت میں سہسرام آئے اور پھر یہاں سے اعزاء و اقرباء نے تعلیمی

سفر کیلئے کہیں جانے نہ دیا۔ آپ نے اپنے ذوق کی تسکین کیلئے سہسرام میں مولانا یحیٰی سے عربی ادب کی چند کتابوں کا درس لیا۔ لیکن علم کے اس رسیا کو جس مرکزِ ثقل نے اپنی جانب متوجہ کیا وہ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی ذات تھی۔ سندِ حدیث کی آرزو و تمنا میں یہ طالب صادق الہٰ آباد ہوتے ہوئے دہلی پہنچا۔ دہلی کے اس سفر میں مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شریفی رضوی الہٰ آباد اترے اور استاذِ محترم حضرت مولانا سید محمد فاخر الہٰ آبادی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ان سے اپنی اس دیرینہ خواہش کا اظہار کیا کہ آپ خاتم المحدثین علامہ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ سے سندِ حدیث تفویض فرمادینے کی سفارش تحریر کردیں۔ چنانچہ آپ محدث سورتی کے نام مولانا سید فاخر الہٰ آبادی کا سفارش نامہ لے کر دہلی کے سفر پر روانہ ہوگئے اور دہلی پہنچ کر وہاں مولانا عبداللہ ٹونکی سے درس لیا جس گوہرِ مقصود کی تلاش میں یہ سیماب صفت دربدری کرتا رہا دھیرے دھیرے اب وہ اپنی منزل سے ہم آغوش ہونے کی راہ چلنے لگا۔ چنانچہ دہلی سے اپنے پرانے ہم درس حضرت مولانا سید محمد ظفر الدین بہاری سے ملاقات کے خیال سے بریلی چلے آئے۔ یہاں آنے کے بعد اپنے دیرینہ رفیق سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا اور مشورہ طلب کیا۔ ملک العلماء نے ایک مخلص دوست کی حیثیت سے انہیں یہ نیک مشورہ دیا۔ منظر اسلام کے صدر مدرس بھی اچھے محدث ہیں اور یہاں رہ کر آپ اعلیٰ حضرت سے بھی فیض حاصل کرسکتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی سند بہت عالی اور مستند ہے اسلئے کیوں نہ پہلے یہیں کوشش کی جائے مولانا سید غیاث الدین نے ملک العلماء کی اس تجویز کو قبول کیا اور بارگاہ رضا میں درخواست گزار ہوئے۔ چنانچہ آپ کا داخلہ جامعہ منظر اسلام میں منظور فرمالیا گیا۔ اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضری کی روداد بیان کرتے ہوئے حضرت شریفی رضوی اپنی خودنوشت سوانح میں رقمطراز ہیں:

''دورۂ احادیث کی سند میں یہ نیت ابتداء سے رہی کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ سے واسطہ کم ہو اور کوئی سندِ حدیث میں ایسے نہ ہوں جو عقائد اہلسنّت کے خلاف ہوں''۔

اسی خیال سے الہٰ آباد ہی میں مولانا سید محمد فاخر قبلہ سے ایک خط بنام مولانا محدث سورتی وصی احمد صاحب، بایں مضمون لکھوالیا تھا کہ:

''حامل عریضۂ ہٰذا بڑے شائقِ حدیث ہیں۔ ان کا ارادہ دورۂ حدیث کا ہے۔ یہ بڑے عالی خاندانِ سادات سے ہیں، بہت مرتاض صوفی مشرب ہیں۔ آپ کی خدمات بابرکت میں جارہے ہیں ان کے سبق وطبق کا سامان کرکے مجھ کو مشکور فرمائیں گے''۔

یہ خط اپنے پاس رکھا تھا۔ جب دہلی سے روانہ ہوا بریلی پہنچا۔ بریلی محلہ سوداگراں، مدرسہ منظرِ اسلام میں میرے سابق دوست مولانا ظفر الدین احمد صاحب تھے۔ یہاں آکر رائے ہوئی کہ اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت سے بھی عرض کردینا مناسب ہے۔ شاید حضور مدرس اول سے وقت دلادیں کیونکہ مدرس اول بھی اچھے محدث ہیں۔ ہم نے اسی وقت خط کے لفاف کو بدلا۔ سادہ لفاف میں خط ڈالا اور خدمت اقدس اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت میں پیش کردیا۔ اعلیٰ حضرت نے خط کو پڑھ کر مولانا بشیر احمد صاحب اور صدر مدرس کو طلب فرما کر دورۂ حدیث پر مستعد کیا۔ دوسرے روز مولانا نے سبق شروع کیا، میں نے دورۂ حدیث تو مولانا سے پڑھا۔ باقی جو کتب درسیات کی تھیں وہ سب مدرس دوئم و مہتم مدرسہ حضرت کے بڑے صاحبزادے حضرت جناب (مولانا) حامد رضا خاں صاحب سے مثل حمد اللہ اقلیدس، مطول وتلویح وغیرہ پڑھنا شروع کیا۔ چند سال

بریلی میں درسیات و دورۂ حدیث پوری کر چکا۔ اعلیٰ حضرت سے بھی تبرکاً تفاسیر و شرح مقاصد وغیرہ شامل مولانا ظفر الدین صاحب پڑھا''۔ (غیاث الطالبین، قلمی، ص ۱۳، ص ۱۴)

جامعۂ منظر اسلام میں جن اساتذہ محترم کے فیض بے بہا سے آپ نے اپنے دامن کو مالا مال کیا ان میں حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں صاحب، مولانا بشیر احمد صاحب اور بالخصوص سیدی اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ کی شخصیات تھیں۔

حضرت مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شریفی رضوی، چشتی، المشرب ہونے کے ناطے سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ سے حد درجہ والہانہ لگاؤ رکھتے تھے۔ چنانچہ جب عرس خواجہ کا وقت قریب آنے لگا تو اس وقت اس عقیدتمند کے دل کے تار بجنے لگے اور اشتیاق حدر درجہ مضطرب کرنے لگا تو اپنے رفیق خاص سے وارادت قلبی کا اظہار کیا اور سندِ حدیث کی اجازت عطا کر دینے کی سفارش کو کہا۔ چنانچہ اس تعلق سے ''غیاب الطالبین'' میں رقمطراز ہیں

''جب زمانہ عرس خواجہ اجمیر اور ۲۶ر جمادی الثانی کو عرس حضرت چراغ چشت محب النبی مولانا فخر صاحب کا آیا اور مجھے حاضریِ دربار خواجہ اجمیر شریف کا اشتیاق بیحد، اپنے اشتیاق کو محبی مولانا ظفر الدین صاحب سے کہا تا کہ خاص اعلیٰ حضرت سے حدیث کی سند و اجازت دلوادیں اور بہت ہی اپنے کو مشتاق دربارِ خواجۂ اجمیری بنایا۔ انہوں نے میرا سب حال اعلیٰ حضرت کو سنایا تب اعلیٰ حضرت نے مجھے طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ ''جلسۂ دستار بندی بہت ہی قریب ہے۔ عرصہ دو ماہ کا رہ گیا ہے۔ بہتر ہے کہ اس وقت نہ جاؤ بعد جلسہ جاؤ گے''۔ عرض کیا کہ انشاء اللہ! اگر موقعہ ہوا تو اس وقت آ جاؤں گی مگر مجھ کو دستار بندی کے جلسے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں آنا میرا صرف حضور کی خدمت اقدس میں احادیث کی سند و اجازت ہے کیوں کہ میری درسیات تو متفرق جگہ ہوئیں۔ زیادہ تر تو الہٰ آباد ہی میں پڑھا ہے۔ آپ سے اجازتِ احادیث میں دو ہی واسطہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوتا ہے۔ ایک شاہ آلِ رسول رحمۃ اللہ علیہ دوسرے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ علاوہ ازیں ایک حضور کی ذات اقدس ہی بہت محترم ہے۔ آپ مجدد مائۃ حاضرہ امام اہلسنت والجماعت نہایت مُغتنم ہیں۔ مجھے قسمت سے ملے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ مجھ کو سندِ احادیث علمائے حرمین نامی سے بھی ہے۔ میری عرض کو قبول فرمایا اور مولوی عبدالرحمان بیتھوی کو فرمایا کہ لکھو اور سند کے مسودے کو دیکھ کر فرمایا کہ اس کو تم لکھو کیونکہ تم بہت خوشخط ہو اور اپنے دست مبارک سے سند یہ لکھ دیا:

اجزت مایجوز کل روایة ودرایة عن شیوخی''

جب سند صاف ہوگئی تو اعلیٰ حضرت نے اپنی مہر پاک سے مزین فرما کر میرے حوالے فرمایا اور نصائح و وصایا فرما کر مجھے بخوشی و رضا رخصت فرمایا۔'' (ایضاً، ص ۱۴، ص ۱۵)

اعلیٰ حضرت کی بارگاہ سے جب سندِ حدیث کی آرزو پوری ہوگئی تو آپ تدریسی تبلیغی اور اشاعتی خدمات میں مصروف ہو گئے۔ اولاً مدرسہ شمسیہ گرگاواں بھاگلپور میں مدرس اول کی حیثیت سے فرائض منصبی انجام دیئے۔ مدرسہ شمسیہ میں تدریسی فرائض انجام دینے کے ایام میں ہی آپ کے استاذ گرامی حضرت مولانا محمد فاخر الہٰ آبادی نے تدریسی خدمات کی انجام دہی کے لئے الہٰ آباد طلب فرمایا۔ استاذِ

گرامی کا حکم سر آنکھوں پر رکھتے ہوئے فوراً الہٰ آباد پہنچے اور وہاں علم دین کی بزم آراستہ کردی اور تشنگان کی سیرابی کا سامان ہونے لگا کہ اسی درمیان آپ کے محب گرامی ملک العلماء حضرت علامہ سید ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کا مکتوب سہسرام سے الہٰ آباد پہنچا جس میں انہوں نے اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی کے حوالے سے یہ تحریر کیا کہ آپ فوراً کلکتہ پہنچیں اور وہاں خادمِ سنیت منشی حاجی لعل خاں صاحب آپ کے منتظر ہوں گے۔ کلکتہ میں مذہب مہذب اہلسنّت و جماعت کی حمایت و اشاعت کیلئے آپ کی دینی خدمات کی ضرورت ہے۔ اس تعلق سے اپنی خود نوشت سوانح میں رقمطراز ہیں۔:

''الہٰ آباد بشغل ملازمت مشغول تھا کہ اچانک سے سہسرام سے خط محبی مولانا ظفر الدین صاحب کا پہنچا کہ تم کو اعلیٰ حضرت نے بتاکید لکھا ہے کہ کلکتہ منشی حاجی لعل محمد خان صاحب کے یہاں چلے جاؤ، تم کو لازم ہے کہ الہٰ آباد چھوڑو اور سہسرام آؤ۔ لعل خاں صاحب نے میرے پاس تمہارا ٹکٹ سیکنڈ کلاس کا بھیجا ہے۔ اسی روز الہٰ آباد سے سہسرام آیا اور سہسرام سے اپنے خالہ زاد بھائی مولوی سید بدیع الدین سلمہٗ کو (کیونکہ یہ ہم سے پڑھتے تھے) لے کر بانکی پور (پٹنہ) ہوتا ہوا کلکتہ اسٹیشن رات کو پہنچا۔ منشی حاجی محمد لعل خان صاحب سواری لے کر وہاں موجود تھے۔ ان کے ہمراہ کولوٹولہ نمبر ۶۵ پہنچا۔ صبح کے وقت حاجی صاحب موصوف نے فرمایا کہ یہاں انجمن اصلاحِ عقائد و مدرسہ عثمانیہ کے نام سے قائم ہے، تم کو مدرسہ کا اول مدرس مقرر کیا جاتا ہے اور انجمن کا نائب ناظم جس کا اولین مقصد اشاعتِ ملتِ حنفیہ و مذہبِ اہلسنّت ہے۔''

مدرسہ میں ترجمۂ قرآن مجید و کتب تصوف مثلاً مکتوباتِ صدی حضرت مخدوم الملک بہاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اور چند کتبِ درسیات و جواباتِ خطوط تمامی حضراتِ اہلسنّت جو عربی، فارسی و اردو کے اسی زبان میں دینا اور جب امام صاحب مسجد ناخدا، کسی وجہ سے امامت نہ کرسکیں تو ان کی خاطر سے بعوض امامتِ مسجد ناخدا کرنا۔ اسی خیال سے پانچوں وقت کی جماعت میں تکبیر اولیٰ میں شریک ہونا اور کتب اہلسنّت طبع کرانا اور کہا یہ سب حکم اعلیٰ حضرت کا ہے۔

آخرش ساری شرائط کو بسبب ارشاد اعلیٰ حضرت قبول کرنا پڑا۔ دس ماہ تک سب امور کو انجام دیا۔ متفرق محلوں میں وعظ و تقریر ہوئی۔ (غیاث الطالبین، قلمی ص ۱۶، ص ۱۷)

مذکورہ اقتباس کی روشنی میں مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شریفی رضوی کی وجاہتِ علمی کا بخوبی اندازہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ آپ کے اساتذۂ محترم بالخصوص سیدی امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کو آپ پر حد درجہ بھروسہ و اعتماد تھا اور پھر شاگرد بھی کس درجہ وفا شعار اور اطاعت گزار کہ ساری شرائط کو تعمیلِ ارشاد کے پسِ منظر میں بطیب خاطر قبول کرتا گیا۔ اللہ غنی! کیا مبارک ساعتیں تھیں، کس قدر روح پرور اور جان آفریں ماحول تھا، اساتذہ بھی جذبۂ اخلاص سے مالامال تھے شاگرد بھی اطاعت شعار و وفادار۔ آج تو مدارس اسلامیہ کے حالِ زار پر صرف ماتم کیا جاسکتا ہے۔ اس کی ساری بہاریں اور تمام رونقیں رخصت ہوچکیں۔ اب پر شکوہ عمارتیں تو ملیں گی، جذبۂ اخلاص نہیں۔ ظاہری چمک دمک تو خوب نظر آئے گا لیکن وہ اخلاقی اور تہذیبی قدریں جن پر کل تک ہمیں ناز تھا وہ آج رخصت ہوچکیں۔ تعلیم بھی رسم و رواج کی حد تک رہ گئی ہے۔ اگر طلباء نے دینی تعلیم حاصل کرنے کو اپنی ایک دنیاوی ضرورت سمجھ کر اس میں

اپنا وقت صرف کر رکھا ہے تو اساتذۂ ذی وقار بھی معاشی ضرورت کی تکمیل کیلئے اس سے اپنا سرِ رشتہ جوڑنے پر مجبور ہیں۔ الّا ماشاء اللہ۔ اخلاقی انحطاط سے طرفین متاثر ہوئے ہیں ۔

ہم وفادت نہیں تو بھی تو دلدار نہیں

ماضی کی تابنا کیوں سے تو آج ہمارے حال کی بدحالی کی پردہ پوشی ہو رہی ہے۔ ضرورت ہے کہ ظاہری رونقوں کے ساتھ ساتھ باطن کی آرائش کا بھی سامان کیا جائے ۔

زمانہ ہے کہ آگے بڑھ رہا ہے
تو چودہ سو برس پیچھے پلٹ جا

سہسرام ہر دور میں اہلسنت و جماعت کے عظیم مرکز کی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا رہا ہے۔ ابھی ماضی قریب میں تو بھاگلپور و مضافات بھاگلپور میں دیوبندی، وہابی کے مقابلے میں سہسرامی بولا جاتا تھا۔ یعنی ان علاقوں میں دارالعلوم خیریہ نظامیہ کی تبلیغی و دعوتی خدمات کے زیر اثر صحیح العقیدہ سنی مسلمان کے لئے سہسرامی بولا جاتا۔ یعنی ان علاقوں میں سہسرامی بریلوی کا ہم معنیٰ تھا۔

حضرت مولانا قادر بخش سہسرامی، حضرت مولانا محمد فرخند علی فرحت سہرامی، حضرت مولانا وصی احمد سہسرامی قدست اسرارہم اور ان جیسے دیگر اکابر علمائے کرام مسلک و معتقدات کے حوالے سے تصلّب فی الدین کا مزاج رکھتے تھے۔ طوطیِ ہند حضرت مولانا قادر بخش سہسرامی رحمۃ اللہ علیہ تو سیدنا امام احمد رضا فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی محبت کو سنّیت کی علامت اور آپ سے بغض کو بدعقیدگی کی شناخت قرار دیتے تھے۔ اس سلسلے میں ''حیات اعلیٰ حضرت'' کے حوالے سے مفتی محمد بدالدین رضوی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا قادر بخش صاحب سہسرامی جو ایک بہت بڑے مشہو عالم اور زبردست مقرر تھے ایک مرتبہ رجہت (صوبہ بہار) کے سنی مسلمانوں نے حضرت مولانا سہسرامی کو اپنے یہاں تقریر کے لئے بلایا تقریر کے بعد کھانا کھانے کے لئے جب حضرت مولانا بیٹھے تو کسی نے پوچھا کہ حضرت! سنی، وہابی کی کیا پہچان ہے؟ ایسی بات بتایئے کہ جس کے ذریعہ ہم لوگ بھی سنّی اور وہابی کو پہچان سکیں، کوئی بڑی علمی بات نہ ہو۔ مولانا سہسرامی نے فرمایا کہ ایسا آسان، عمدہ اور کھرا قاعدہ آپ لوگوں کو بتاتا ہوں کہ اس سے اچھا ملنا مشکل ہے۔ آپ لوگ جب کسی کے بارے میں معلوم کرنا چاہیں کہ سنّی ہے یا وہابی تو اس کے سامنے اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی کا تزکرہ چھیڑ دیجیے اور اس کے چہرے کو بغور دیکھیئے اگر چہرے پر بشاشت اور خوشی کے آثار دکھائی پڑیں تو سمجھ لیجئے کہ سنّی ہے اور اگر چہرے پر پژمردگی اور کدورت دیکھیے تو سمجھ جایئے کہ وہابی ہے اور اگر وہابی نہیں جب بھی اس میں کسی قسم کی بے دینی ضرور ہے''۔

(سوانح اعلیٰ حضرت، مطبوعہ ۱۴۲۲ھ، ناشر، رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۱۱۳، ص ۱۱۴)

حضرت مولانا فرخند علی قدس سرہٗ بانی دارالعلوم خریہ نظامیہ نے بھی دیوبندیوں، وہابیوں اور نیچریوں وغیرہ بدعقیدوں کی تکفیر کا فتویٰ صادر فرمایا اور اپنے مریدوں و معتقدوں کو ان سے دور و نفور کی ہدایت تحریر فرمائی۔ علمِ تصوف پر آپ کی تصنیف لطیف ''ارشاد کافی السطور کے بین السطور کی روشنی میں آپ کے تصلّب فی الدین کی جھلکیاں نمایاں طور پر محسوس کی جاسکتی ہے۔ سہسرام میں سنت کا ماحول ہمیشہ خوشگوار رہا۔ چنانچہ اس ماحول میں پرورش پانے والے حضرت مولانا سید نا غیاث الدین حسن شریفی رضوی بھی عقیدہ و

مسلک کے حوالے سے من متصلب فی الدین تھے اور سیدی امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے پیروکاروں میں تھے۔ چنانچہ دورانِ تعلیم ایک دیوبندی عالم مولانا اصغیر حسین تلمیذ مولانا محمود الحسن دیوبندی سے نوک جھونک ہوگئی۔ گوکہ آپ وہاں علم حدیث کا درس لینے گئے تھے۔ لیکن جب میلا دشریف کی ایک مجلس میں شرکت کی بناء پر مولانا اصغر حسین نے مولانا شریفی رضوی کو سخت وست کہا اور اپنی درسگاہ سے نکل جانے کا حکم صادر کیا تو آپ اپنے جذبات کو قابو میں نہ رکھ سکے اور ترکی بترکی جواب دیا۔ اس دلچسپ واقعے کی تفصیل انہی کے قلم سے ملاحظہ فرمایئے:

''ایک روز بذریعہ اونٹ گاڑی شب کو الٰہ آباد سے روانہ ہوکر جونپور مدرسہ حنفیہ پہنچا۔ چونکہ مدرسہ میں طبق وسبق کا سامان نہ ہوا۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ مسجد اٹالہ، مدرسہ اسلامیہ ہے۔ جناب مولانا اصغیر حسین صاحب دیوبندی جو خاص شاگرد محدث دیوبند مولانا محمود الحسن صاحب ہیں حدیث وغیرہ اچھا پڑھاتے ہیں، ان کی خدمت میں آیا اور مدرسے میں داخل ہوا۔ کتب دینیات مثل تفسیر جلالین و حدیث جامع ترمذی شریف و درسیات پڑھنا شروع کیا اور روزانہ بعد تعطیل مدرسہ بعد نمازِ عصر، حضرت ملّا عطاء اللہ قندھاری صاحب کے یہاں جاکر شرحِ تہذیب، قطبی، میر قطبی پڑھتا تھا۔ ایسا ہی عرصہ گزرا''۔

ایک روز مسجد اٹالہ میں سنا کہ آج سات بجے شب کو محلہ گندھی ٹولہ میں میلا دشریف ہے۔ مولوی شاہ عبدالرحیم غازی پوری یا بنارسی میلاد پڑھیں گے۔ مجھے تو فطرتاً میلا دشریف کی سماعت سے محبت ہے۔ وقت معہودہ پر مجلسِ پاک جاکر سنا کیا، بعد ختم میلاد اپنی جگہ پر آیا۔ صبح کے وقت مدرسے میں سبق کیلئے مولانا کے حضور حاضر ہوا۔ ترجمۂ قرآن پاک ہی میں مولانا اصغر حسین صاحب نے غصہ ہوکر فرمایا جماعت کی نماز چھوڑ کر میلا دشریف میں کیوں گیا تھا۔ کیا میلاد افضل ہے یا حاضری جماعت؟ اٹھو جاؤ اور بہت خفا ہوئے اور بھی چند کلمات سخت فرمانے لگے۔ اس وقت تو مجھے سنی کرسکتہ ہوگیا۔ چونکہ اپنے ساتھیوں میں سے اول و تیز تھا۔ عرض کیا کہ تب تو میں اپنے ساتھیوں میں افضل ہی رہا۔ اس لئے کہ میلا دشریف بھی سنی اور جماعت سے نماز بھی پڑھی۔ یہ سن کر مولانا اور خفا ہوئے، بار بار فرمانے لگے، اٹھو اور جلد اٹھو، جاؤ ہم تمہیں نہیں پڑھائیں گے۔ علاوہ بریں تم تو روزانہ مدرسہ حنفیہ جاتے ہو اور ملا قندھاری سے پڑھتے ہو اٹھو اٹھو اگر یہاں پڑھنا ہے تو مہتمم مدرسہ مولوی عابد علی صاحب، وکیل سے جاکر اجازت لے آؤ۔ آخرش اس وقت فوراً اٹھایا گیا۔ مہتمم مدرسہ سے جاکر سب واقعہ من وعن بیان کر کے مدرسہ حنفیہ میں آیا اور ملا قندھاری صاحب کی خدمت میں آیا اور سارا واقعہ رات وصبح کا بیان کیا۔ سن کر بہت افسوس کرنے لگے۔ اسی وقت مجھے ساتھ لیکر بخدمت حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں مدرس اول و مہتمم مدرسہ حنفیہ گئے اور میرا رات کو مجلسِ میلا دشریف میں جانا اور صبح کے وقت سبق تفسیر و حدیث سے اٹھا دینا مجھ سے سب سنا۔ مولانا نے علمائے دیوبند کی اس روش اور بد اخلاقی پر بہت نفریں کرتے ہوئے مجھے مدرسہ حنفیہ میں داخل فرما کر میرے سبق وطبق کا پورا بندوبست کر دیا (غیاث الطالبین، قلمی، ص ۵، ص ۶)

مندرجہ بالا واقعہ اگرچہ مولانا سید شاہ غیاث الدین شریفی رضوی کی طالب علمی کے زمانے کا ہے۔ لیکن اس سے آپ کے مزاج ومنہاج کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ چنانچہ جب آسمان رشد وہدایت کے اس ماہ پارنے اپنی ضیاء بخشیوں کا سلسلہ دراز کیا تو اپنے مریدوں کو

ان گندم نما جو فروشوں کی قرار واقعی حیثیت سے متعارف کراتے ہوئے انہوں نے ایک ہدایت نامہ بایں انداز تحریر فرمایا:

''تحریر کردن ضروری است کہ بعضے مرشدانِ مصنوعی ظاہراً مذہب حنفی می دارند، ولے باطناً معتقدہ و متبع بہ ابن عبدالوہاب نجدی اند، میلاد شریف وعرس وغیرہ را بدعت سیئہ می گویند۔ اہل حق راازیں مبتدعاں احتراز باید کرد واگر ضرورتِ تحقیق مسائل باشد رسائل حقہ بزبان اردو کہ از تالیفات امام زماں، مجدد مائۃ حاضرہ، مؤید ملت طاہرہ سید المحققین حضرت مولانا واستاذ نا مفتی احمد رضا خاں صاحب بریلی دام فیضہ، اند، مطالعہ کنند۔ ان شاء اللہ الرحمان حق کنصف النہار تاباں خواہد شد''

ترجمہ: ''یہ تحریر کرنا ضروری ہے کہ بعض مصنوعی پیر جو ظاہراً مذہب حنفی رکھتے ہیں لیکن باطناً ابن عبدالوہاب نجدی کے معتقد و پیروکار ہیں۔ میلاد شریف اور عرس وغیرہ کو بدعت سیئہ کہتے ہیں۔ اہل حق کو ان بدعتیوں سے پرہیز کرنا چاہیے اور اگر ان مسائل میں تحقیق کی حاجت ہو تو امام زماں، مجددِ مائۃ حاضرہ، مؤئید ملتِ طاہرہ، سید المحققین حضرت مولانا استاذ نا مفتی احمد رضا خاں صاحب بریلوی دام فیضہ کے اردو زبان میں لکھے گئے رسائل حقہ کا مطالعہ کریں۔ ان شاء اللہ الرحمٰن حق دن کے اجالے کی طرح روشن ہو جائے گا''۔

اس اقتباس سے اگر ایک طرف مولانا شریف کے عقائدِ حقہ کا کھلا اظہار ہے تو دوسری جانب حضرت فاضلِ بریلوی کی ذاتِ والا تبار سے آپ کی حد درجہ عقیدتمندی و نیاز مندی کے ساتھ اعتبار و اعتماد کا مکمل اقرار و اعتراف بھی۔ ایک دوسرے مقام پر بھی اعتماد کا یہی مزاج نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب منیۃ المصلی کی اس عبارت پر ز یرفع کمیه الی المرفقین پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"مکروہ قابل الاعادۃ قیل بل واجب الاعادۃ کماصرح المولانا الاجل سندی احمد رضا خاں البریلوی فی فتاوہ الذی کان جواب الاستفسار طبع فی عظم اٰباد و ایضاً صرح صاحب الدر المختار"

ترجمہ: کہنیوں تک آستین چڑھانا مکروہ تحریمی ہے بلکہ واجب الاعادہ کہا گیا ہے۔ جیسا کہ ہمارے بزرگ ترین آقا اور میرے مستند پیشوا احمد رضا خاں بریلوی نے ایک استفتاء کے جواب میں اس کی صراحت فرمائی ہے۔ نیز صاحب درمختار نے بھی یہی تصریح فرمائی ہے۔

وہابیوں، دیوبندیوں اور غیر مقلدوں کے سلسلہ میں آپ کا موقف و مسلک بالکل دوٹوک اور واضح تھا آپ ان کی تکفیر کے قائل تھے۔ اس سلسلے میں وہ صلح کلیت کے شکار نہ تھے۔ وہ اس بات کے قطعی مخالف تھے۔

بامسلماں اللہ اللہ بابرہمن رام رام

چنانچہ موصوف نے ان کے عقائد باطلہ، فاسدہ کے رد میں کلکتہ، مالدہ، ہزاریباغ اور بھاگلپور وغیرہ علاقوں میں نہایت کامیاب مناظرے کیے۔ ''نصرتِ آسمانی کا کریمانہ جواب'' اور ''مناظرہ سنی، وہابی'' کتاب پر آپ کے تحریر کردہ قلمی تاثرات سے اس امر کی نشاندھی ہوتی ہے اور آپ کے تصلب فی الدین کا مزاج آشکارا ہوتا ہے۔ اول الذکر کتاب کے آخری صفحے پر اپنے تاثرات بایں الفاظ تحریر فرماتے ہیں:

''مہند وغیرہ رسائل کے ذریعے تو اہل دیوبند و معتقدین وہابیہ چاہتے ہیں کہ سرگروہ وہابیہ گنگوہی وکوہی وتھانوی و امروہی دہلوی وغیرہ کی باطل عبارتوں کی ایسی توجیہ کررہے ہیں کہ جن سے ان کی برأت ہو مگر تھانوی صاحب زندہ اور ان کے دم چھلے عبدالشکور وغیرہ اور بھی ترقی کر رہے ہیں اور خباثت پھیلا رہے ہیں۔ اب لیجئے اس ناپاک وگندے عقیدے کو کہ صاف عبدالشکور صاحب لکھنوی سابق ایڈیٹر النجم، لکھنؤ نے ہزاروں کے مجمع میں اقرار کردیا کہ نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ اعلم الخلائق نہ تھے۔ استغفراللہ! اس رسالہ رودادِ مناظرہ کو پڑھیئے اور ان ناپاک عقیدے پر تشدد وپختگی ملاحظہ کیجئے۔

(مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شریفی رضوی، حیات وشاعری، ص ۶۳)

کتاب ''مناظرہ سنی، وہابی'' کے اختتامی صفحے پر اپنے تاثرات کا یوں اظہار فرماتے ہیں:

''اس رودادِ مناظرہ بہلام پور سے آپ ناظرین پر روشن نیم روز سے زیادہ ہوگیا کہ علماء دیوبندی وغیرہ نے جو کفریات اپنے رسائل میں لکھے ہیں، اب تک ان کے اذناب اور دیوبندی، وہابی انہیں بدعقیدگیوں پر جمے ہوئے ہیں اور توہینِ رسالت مآب ﷺ کے قائل اور مناظرہ کرتے ہیں اور جب علمائے کرام اہل حق کا مقابلہ ہوتا ہے تو مناظرے کے اندر مفرور ہوجاتے ہیں۔ (ایضاً)

حضرت مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شریفی رضوی اپنے استاذ گرامی اور پیرو مرشد سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے بھی حد درجہ عقیدتمند اور جاں نثار وفا شعار تھے۔

جب کبھی رفقائے درس کی صحبت میسر آتی تو اعلیٰ حضرت کا تذکرۂ جمیل ضرور چھڑتا اور اس قند مکرر کی لذت میں پوری رات گزر جاتی۔ اس طرح کا ایک واقعہ آپ کے قدیمی ہمدرس ملک العلماء حضرت علامہ سید ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے پروفیسر مختار الدین احمد تحریر فرماتے ہیں:

''مولانا غیاث الدین چشتی ضلع گیا (بہار) کے ایک مردم خیز قصبہ رجہت کے رہنے والے تھے جو سادات کرام کا ایک قدیمی مرکز رہا ہے۔ انکے بارے میں گھر میں یہ بات اکثر میں نے سنی کہ جس دن سید صاحب ہمارے گھر یہاں تشریف لاتے تھے، وہ پوری رات ملک العلماء وسید صاحب جاگ کر گزار دیتے تھے۔ رات کے کھانے کے بعد اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا والہانہ ذکر شروع ہوتا اور ان کے فضائل ومناقب میں پوری رات گزر جاتی تھی۔ درمیان میں کبھی کبھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف، تحریرات کے دفتر بھی کھل جاتے تھے اور عبارتیں پڑھی جاتی تھیں اور ان کے محاسن پر گفتگو ہوتی تھی۔ دونوں امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے عاشق ٹھہرے'' (ماہنامہ جہان رضا، لاہور شمارہ جون ۱۹۹۹ء، ص ۶۱)

درج بالا واقعے سے سیدی امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا صفات سے ملک اللعماء حضرت مولانا سید ظفر الدین بہاری اور حضرت مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شریفی رضوی علیہ الرحمہ کے حد درجہ والہانہ لگاؤ کا اظہار ہو رہا ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی ذات اقدس سے حضرت شریفی رضوی کا کس طرح نیاز مندانہ وعقیدتمندانہ رشتہ تھا اس کو سمجھنے کیلئے ''حیات اعلیٰ حضرت'' کا ایک حوالہ ملاحظہ فرمائیے:

''حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں صاحب کے برابر لڑکیاں ہی پیدا ہوئیں۔ اسی لیے سب لوگوں کی دلی تمنا تھی کہ کوئی لڑکا ہوتا، تا کہ اس کے ذریعہ اعلیٰ حضرت کا نسب وحسب وفضل وکمالات کا سلسلہ جاری رہتا۔ خداوندِ عالم کی شان کہ ۱۳۲۵ھ میں مولوی ابراہیم رضا خان صاحب سلمہ کی ولادت ہوئی۔ نہ صرف والدین اور اعلیٰ حضرت بلکہ تمام خاندان بلکہ جملہ متوسلین کو از حد خوشی ہوئی۔ اسی خوشی میں من جملہ اور باتوں کے اعلیٰ حضرت نے جملہ طلبائے مدرسۂ اہلسنت و جماعت منظر اسلام کی ان کی خواہش کے مطابق دعوت فرمائی۔ بنگالی طلبہ سے دریافت فرمایا آپ لوگ کیا کھانا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا مچھلی بھات، چنانچہ روہو مچھلی بہت وافر طریقے پر منگائی گئی۔ اور ان لوگوں کو حسب خواہش دعوت ہوئی۔ بہاری طلبہ سے دریافت فرمایا، آپ لوگوں کی کیا خواہش ہے؟ ہم لوگوں نے کہا! بریانی، زردہ، فیرنی، کباب، میٹھا ٹکڑا وغیرہ۔ بہاریوں کے لئے پر تکلف کھانا تیار کرایا گیا۔ پنجابی اور ولایتی طلبہ کی خواہش ہوئی کہ دنبہ کا خوب چرب گوشت اور تنور کی گرم گرم روٹیاں۔ غرض ان لوگوں کے لئے وافر طور پر اسی کا انتظام ہوا۔ اسی وقت خاص عزیزوں، مریدوں کیلئے جوڑا بھی تیار کیا گیا تھا۔ نہایت ہی مسرت سے لکھتا ہوں کہ میں بھی انہیں خاص لوگوں میں ہوں جن کے لئے جوڑا بھی تیار کرایا گیا تھا۔ وہ کرتا پائجامہ، جوتا، ٹوپی تو اسی زمانے میں پہن لیا تھا مگر انگرکھا بہت قیمتی کپڑے کا تھا۔ گاہے گاہے اسی کو پہنا کرتا تھا۔ وہ بہت دنوں تک رہا یہاں تک کہ چھوٹا ہو گیا تو اس کو تبرکاً رکھ دیا۔ جب مدرسہ خانقاہ (کبیریہ) سہسرام میں مدرس ہوا اور مخلص قدیم مولوی سید غیاث الدین صاحب، چشتی ابو العلائی رجبتی بہاری کو حسب طلب مخلص محترم حامیٔ دین متین جناب حاجی محمد لعل خان صاحب کلکتہ بھیجنے لگا۔ اس وقت میں نے وہ انگرکھا مولوی صاحب موصوف کی نذر کر دیا جو مجھ سے دبلے پتلے تھے اور ان کو ٹھیک آ گیا۔ اسی وقت ان کے بڑے بھائی مولوی محمد یونس صاحب نے کہا کہ تم کو نہ لینا چاہیے تھا مگر مولوی صاحب موصوف نے جواب دیا کہ اولاً مولانا کے میرے تعلقات دوستانہ قدیم زمانۂ طالب علمی کے ہیں۔ ثانیاً یہ انگرکھا تاریخی تبرک ہے۔ سید اعلیٰ حضرت کا عطیہ ہے۔ یہ مولانا ظفر الدین صاحب کی محبت وخلوص ہے جو انہوں نے مجھے عنایت فرمایا جو قیمتی ہونے کے علاوہ تبرک ہے۔

(حیات اعلیٰ حضرت، مطبوعہ قادری بکڈپو، بریلی، ص ۴۷، ۴۹)

اس واقعے سے اعلیٰ حضرت کی ذات سے مولانا سید شاہ غیاث الدین شریفی رضوی کی نیاز مندی کے مزاج ومنہاج کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ جب نسبت کے تعلق سے عقیدت واحترام کا یہ نرالا انداز ہے تو پھر اس ذات اقدس پر شیفتگی کا تیور تو دیدنی ہوگا۔

مولانا سید شاہ غیاث الدین شریفی رضوی اعلیٰ حضرت عظیم البرکتہ کے حد درجہ فرماں بردار واقع ہوئے تھے۔ کبھی ایسا نہ ہوا کہ اعلیٰ حضرت نے کوئی حکم صادر فرمایا ہو یا اپنی کسی خواہش کا اظہار کیا ہو اور باز ماہِ رضا کے اس وفادار، اطاعت شعار خادم نے تعمیل میں ذرہ برابر بھی تامل سے کام لیا ہو۔ چونکہ مولانا سید شاہ غیاث الدین شریفی رضوی چشتی المشرب بزرگ تھے۔ گو کہ بارگاہِ رضا سے آپ کو

سند خلافت واجازت عطا کی گئی تھی۔ لیکن آپ نے رشد وہدایت کی راہ میں چشتی سلسلے کی اشاعتی سرگرمیوں میں خود کو مصروف رکھا۔ چنانچہ جوازِ سماع پر بھی آپ کا ایک غیر مطبوعہ رسالہ بطور یادگار محفوظ ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ مذکورہ رسالہ جب حضرت شریفی رضوی نے فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں پیش کیا تو اعلیٰ حضرت نے حضرت شریفی رضوی سے فرمایا۔ مولانا! یہ سب کچھ میری ہی حیات ہیں؟ اس پر نیاز مند شاگرد نے حد درجہ سعادت مندی کے ساتھ عرض کیا۔ حضور! میری حیات میں بھی نہیں، یعنی اس کتاب کی اشاعت نہ آپ کی حیات میں نہ ہی میری حیات میں ہوگی۔

تعلقات کی یہ پاکیزہ اور لطیف روایتیں یک طرفہ نہ تھیں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ بھی اپنے تلامذہ کے ساتھ حد درجہ مخلصانہ لگاؤ اور تعلق کا اظہار فرماتے تھے۔ بالخصوص اگر کوئی تلمیذ سلسلہ سادات سے وابستگی کا شرف رکھتے تو ان کے ساتھ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا برتاؤ قابلِ رشک ہوتا۔ احترامِ سادات کے تعلق سے تو کئی واقعات عوام وخواص کی نگاہوں سے گزر چکے ہیں۔ ایک واقعہ اسی قسم کا اِن سیدزادے کی ذات سے بھی متعلق ہے۔ ملاحظہ کریں۔

ایک دن فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی درسگاہ میں طلبہ حاضر تھے۔ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ علم وعرفان کی لطافتوں کے درّ بے بہا لٹا رہے تھے۔ اس دن خلافِ معمول مولانا سید شاہ غیاث الدین حسن شریفی رضوی تاخیر سے درسگاہ میں حاضر ہوئے۔ احساسِ جرم کے ساتھ خاموشی سے پیچھے بیٹھ گئے۔ اچانک علوم ومعارف کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی موجوں میں خوشی اور ٹھہراؤ کی کیفیت نمایاں ہونے لگی۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے زبان وبیان کی روانہ وبرجستگی کا سلسلہ ٹوٹنے لگا۔ آپ نے اپنی جگہ سے قدرے اٹھ کر طلبہ کا ایک غائرانہ جائزہ لینا شروع کیا اور جب سید زادے کو بالکل پیچھے بیٹھا ہوا پایا تو آپ نے نہایت شفقت آمیز لہجے میں مولانا سید غیاث الدین کو آگے آکر بیٹھنے کیلئے کہا۔ مولانا شریفی رضوی احساسِ جرم سے شرمندہ تو تھے ہی اب آگے بڑھائے جانے پر مزید سخت وسست کا طعنہ سننے کا خوف ستانے لگا۔ لیکن اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے نہایت مشفقانہ لب ولہجے میں فرمایا۔ سیدزادے! آپ درسگاہ میں پیچھے بیٹھ جائیں گے تو میری زبان کیوں کر گویا ہوگی؟ آپ پیچھے نہ بیٹھا کریں۔

اعلیٰ حضرت کے اس تلمیذ جلیل اور خلیفہ باوقار نے بہار، بنگال کے علاقوں میں تبلیغی امور کی انجام دہی میں تاحیات خود کو مصروف رکھا۔ آپ نے چند کتابیں بھی تصنیف فرمائی لیکن وہ تمام نوادر مخطوطے کی شکل میں آپ کے نبیرہ ڈاکٹر سید معراج الاسلام کی تحویل میں بحفاظت تمام رکھے ہوئے ہیں۔ ابھی حال میں سہرام کے ایک جواں سال فاضل ومحقق مولانا ارشاد احمد رضوی نے موصوف کی حیات وخدمات پر ایک جامع کتاب بنام "مولانا سید شاہ غیاث الدین، حیات وشاعری" ڈاکٹر سید معراج الاسلام کے تعاون سے منظر عام پر لانے کی سعادت سے خود کو بہرہ ور کیا۔ اہلِ ذوق وصاحبِ بصارت وبصیرت حضرات نے اس کی پذیرائی بھی فرمائی۔

سہرام کی یہ شمعِ علم شریعت وطریقت ۳ر محرم الحرام ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء بروز یکشنبہ خاموش ہوگئی۔ استاذ الشعراء حضرت حشر سیمابی سہرامی نے آپ کی وفات پر یہ تاریخ رقم فرمائی ۔

حشر اٹھتے ہی سرِ بالیں کہا یہ سالِ فوت
آہ! مولانا غیاث الدین سلطان الولی

۵ ۶ ۹ ۱ ء

امام احمد رضا خاں کا طریقہ تدریس

سلیم اللہ جندراں *

کسی کھانے کا خام میٹریل کتنا ہی اعلیٰ کوالٹی کا اور نفیس کیوں نہ ہو اگر اسے درست طریقے سے تیار نہ کیا جائے موزوں انداز سے خورد و نوش کرنے والوں کو نہ پیش کیا جائے تو اس کا حقیقی مزہ اور لطف ر کر کرا ہو جاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو ناقص طریقہ سے تیار کی گئی خوراک غذائیت بخشنے کی بجائے الٹا مضر صحت اثرات پیدا کر دیتی ہے بالکل اسی طرح کہا جا سکتا ہے کہ تدریسی مواد کتنا ہی اعلیٰ، معیاری، دلکش کیوں نہ ہو اگر اسے پیش کرنے والے استاد کا طریقۂ تدریس موزوں درست اور موجود حالات کے تقاضوں کے مطابق نہ ہو تو وہی مواد حقیقی مقاصد کے حصول کی بجائے بوریت اور بیزاری کا سبب بنتا ہے۔

ہر استاد کا اپنا طریقۂ تدریس ہوتا ہے۔ استاد پیش کیے گئے سبق کے عمومی اور خصوصی مقاصد کس قدر حاصل کر پاتا ہے؟ طلباء کے لئے وہ سبق کس قدر دلچسپ، دلنشین، قابلِ فہم، دور رس، اصلاحی، کرداری ثابت ہوتا ہے؟ ان تمام امور میں استاد کے طریقۂ تدریس کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

امام احمد رضا خان اسلامی مفکر تعلیم ہیں ان کے طریق تدریس کی یہ اہم خصوصیت ہے کہ وہ ہر مضمون کی اس انداز سے تدریس پر زور دیتے ہیں کہ خواہ لسانیات کی تدریس ہو یا تہذیب و ادب کی، نیچرل سائنسز ہو یا سوشل سائنسز۔ ان سب کی تدریس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اسلام کی تفہیم نصیب ہونی چاہیے۔ مثلاً انگریزی زبان کی تدریس کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگر استاد ردِ نصاریٰ کے تحت اس کی تعلیم و تدریس کرے تو یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجر و ثواب کا موجب ہوگا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ کسی قوم کی زبان سیکھنے سے آدمی اس کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ تعلموا الغة قوم تامنوا اشرھم۔

جیومیٹری، لاگرتھم کی تدریس کے حوالہ سے بھی تفہیم دین کو سب سے اہم ترجیح دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"اساتذہ اس کی تدریس اس انداز سے کریں کہ طلبہ کو سمتِ قبلہ کا تعین کرنے کی رہنمائی ملے"۔

امام احمد رضا اسباق کی ایسی تدریس پر زور دیتے ہیں کہ استاد اسباق کا طلباء کی عملی زندگی سے ڈائریکٹ تعلق و ارتباط قائم کرلے۔ ایک فرد کے دائرۂ اسلام میں داخل ہو جانے کے بعد عملی طور پر سب سے اہم اور اولین تعلق ارکان اسلام کی ادائیگی سے قائم ہو جاتا ہے۔ کیمیا کی تعلیم و تدریس کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"استاد کو چاہیے کہ وہ طلباء کے اندر یہ صلاحیت و قابلیت پیدا کرے جس سے بنیادی رکنِ دین نماز کی ادائیگی سے پہلے

* (ریسرچ اسکالر پنجاب یونیورسٹی، لاہور)

طہارت و وضو کیلئے میسر پانی کی ماہیت معلوم کرسکیں''۔

جیالوجی (ارضیات) کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''اس کی تدریس سے طلبہ کے اندر یہ صلاحیت پیدا ہونی چاہیے کہ وہ بوقت ضرورت تیمم کیلئے میسر مٹی/ پتھر کی جنس، ماہیت معلوم کرسکیں کہ آیا اس سے تیمم جائز ہے یا نہیں''۔

امام احمد رضا خاں کا طریقۂ تدریس اسلامی مقاصد تعلیم کے تحت تشکیل پاتا ہے ان کے طریقہ تدریس میں تعلیم برائے معرفت خداعزوجل/تفہیم دین کا اصول کارفرما ہے۔ ان کے طریقۂ تدریس میں جو اہم تدریسی تکنیکیں (Teaching Strategies) شامل ہیں وہ بھی قرآن وسنت سے ماخوذ ہیں ان میں:

(۱) نرمی وحکمت

(۲) عملی مثالوں سے وضاحت

(۳) سوال وجواب (استقرائی، واستخراجی طریق)

(۴) سائنسی اندازِ فکر

(۵) غیر متعلقہ امور سے اجتناب

(۶) ابتدائی تعلیم کیلئے مادری/ علاقائی زبان

(۷) اخلاقیات کی تعلیم

(۸) کتاب کے علاوہ دیگر ذرائع تعلیم سے استفادہ

(۹) متعلم کی استعداد کے مطابق تعلیم

(۱۰) دوران تدریس استاد کے لئے لازمی ضابطۂ اخلاق، خصوصی طور پر نمایاں ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی دورانِ تدریس استاد کیلئے لازمی ضابطۂ اخلاق کی مکمل پاسداری پر بہت زور دیتے ہیں۔ آپ دورانِ تدریس استاد کو اجتہادی وتحقیقی مسائل میں طعن وتشنیع اور فروعی اختلافات میں الجھاؤ سے مکمل گریز کا بھی درس دیتے ہیں۔ ابوالنور محمد بشیر کوٹلوی ''ملفوظات حصہ اوّل کے حوالے'' سے لکھتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

''جہاں اختلافات فرعیہ ہوں جیسے حنفیہ و شافعیہ وغیرہما، وہاں ہرگز ایک دوسرے کو برا کہنا جائز نہیں اور فحش و دشنام جس سے دہن آلودہ ہو وہ کسی کو بھی نہ چاہیے''۔

فتاویٰ رضویہ، جلد نہم (صفحہ ۱۰) میں آپ رقمطراز ہیں:

''قرآن عظیم میں بیشک سب کچھ موجود ہے مگر اسے کوئی نہ سمجھتا اگر حدیث اس کی شرح نہ فرماتی اور حدیث بھی کوئی نہ سمجھ سکتا اگر ائمہ مجتہدین اس کی شرح نہ فرماتے ان کی سمجھ میں مدارج مختلف ہیں۔ اس تفقہ فی الدین میں اختلافِ مراتب باعث اختلاف ہوا اور ادھر مصلحتِ الٰہیہ، احادیث مختلف آئیں، کسی صحابی نے کوئی حدیث سنی اور کسی نے کوئی اور وہ بلاد میں متفرق ہوئے، اور ہر ایک نے اپنا علم شائع فرمایا یہ دوسرا باعثِ اختلاف ہوا۔ حلال کو حرام یا حرام کو حلال جو کفر کہا گیا ہے وہ ان چیزوں میں ہے جن کا حرام یا حلال ہونا ضرورتِ دین سے ہے یا کم از کم نصوص قطعیہ سے ثابت ہوا۔ اجتہادی مسائل میں کسی پر طعن بھی جائز نہیں''

امام احمد رضا خاں کے پیش کردہ طریقۂ تدریس سے موجودہ دور کے استاد کے طریقۂ تدریس کی ایک اہم کمزوری کی نشاندہی ہوتی ہے۔ آج کا استاد اپنی تدریس کے ذریعے طلباء کو مقدارِ علم تو شاید پہلے سے زیادہ فراہم کررہا ہے مگر دورانِ تدریس تربیت کا عنصر مفقود نظر آتا ہے۔ آپ استاد کو دورانِ تدریس اپنے ضابطۂ اخلاق پر کاربند رہنے اور طلباء کو اخلاقیات کی تعلیم کی بھی تاکید کرتے

ہیں۔ہمیں اس وقت تک صحیح قسم کی تعلیم حاصل نہیں ہوسکتی، جب تک ہماری تدریس تربیت کی صورت میں اجاگر نہ ہو۔

محمد امین زبیری (۲۵/دسمبر ۱۹۷۶ء) مجلہ ثانوی تعلیم، قائداعظم نمبر (پنجاب بیورو آف ایجوکیشن) میں اپنے مضمون قائد اعظم اور قومی تعلیم (ص:۱۳۷-۱۴۴) میں نتیجہ یہی اخذ کرتے ہیں:

''ہمیں صحیح قسم کی تعلیم کے ذریعے اپنے افرادِ قوم میں عزتِ نفس، دیانت، وفا کیشی اور قوم کی بے لاگ خدمت کے جوہر پیدا کرنے ہیں۔ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ ان افراد سے قوم کو اچھی تربیت ملے اور وہ قومی زندگی کے مختلف شعبوں میں اس خوبی سے کام کریں کہ پاکستان کا نام روشن ہو''۔

اہم تدریسی تکنیکیں

ا......نرمی اور حکمت:

امام احمد رضا خان (۱۳۳۶ھ) تدریس میں نرمی اور حکمتِ عملی پر سب سے زیادہ زور دیتے ہیں۔''نرمی اور حکمت'' کے فوائد سمجھانے کے عمل کے دوران کس حد تک کارگر ہیں اس ضمن میں احادیث مبارکہ سے مثال پیش کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

''صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے ارشاد فرمایا کہ اس وقت اگر تم اسے قتل کردیتے تو جہنم میں جاتا۔میری تمہاری مثل ایسی ہے جیسے کسی کا ناقہ بھاگ گیا لوگ اسے پکڑنے کو اس کے پیچھے دوڑتے ہیں وہ بھڑکتا اور زیادہ بھاگتا ہے، اس کے مالک نے کہا تم رہنے دو تمہیں اس کی ترکیب نہیں آتی، پھر سبز گھاس کا ایک مٹھا ہاتھ میں لیا اور اسے دکھایا اور چمکارتا ہوا اس کے پاس گیا یہاں تک کہ بٹھا کر اس پر سوا ہولیا''۔
(۱:۴۷۳-۴۷۴)

تدریس کے دوران نرمی اور حکمت کا شعور ہمیں قرآن مجید نے عطا کیا ہے۔پروفیسر گوہر عبدالغفار (۱۹۹۸ء) اسلامی طریقہ تعلیم و تدریس کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''قرآن فرماتا ہے! اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ذریعے بلا اور ان سے احسن طریقے سے بحث کر'' (النحل: ۱۲۵)

۲......عملی مثالوں سے وضاحت:

امام احمد رضا خاں دورانِ تدریس عملی مثالوں کا بھرپور استعمال کرتے ہیں جس سے مسائل سمجھنے والا بڑے واضح اور حقیقی انداز میں جان لیتا ہے۔علامہ ظفر الدین قادری (۱۹۳۸ء) لکھتے ہیں:

''(احمد رضا خاں) کسی مسجد میں نماز پڑھ کر وظیفہ میں مشغول تھے کہ ایک صاحب نماز پڑھنے کیلئے تشریف لائے اور حضور کے قریب ہی نماز پڑھنے لگے جب قیام کیا تو دیوار مسجد کو تاکتے رہے جب رکوع میں گئے تو ٹھوڑی اوپر اٹھا کر دیوار مسجد کی طرف دیکھتے رہے جب نماز سے فارغ ہوئے اس وقت تک اعلیٰ حضرت بھی وظیفہ سے فارغ ہوچکے تھے، اعلیٰحضرت نے ان کو پاس بلا کر مسئلہ بتایا کہ نماز پڑھنے میں کس کس حالت میں کہاں کہاں نگاہ ہونی چاہیے اور فرمایا بحالت رکوع پاؤں کی انگلیوں کے درمیان نگاہ ہونی چاہیے یہ سن کر وہ قابو سے باہر ہوگئے اور کہنے لگے واہ صاحب! بڑے مولانا بنتے ہیں میرا منہ قبلہ سے پھیر دیتے ہیں نماز میں قبلہ کی طرف منہ ہونا ضروری ہے یہ سن کر اعلیٰ حضرت نے ان صاحب کی سمجھ کے مطابق کلام فرمایا اور دریافت کیا تو سجدہ میں کیا کیجئے گا؟ پیشانی زمین پر لگانے کے بدلے ٹھوڑی زمین پر

لگا یئے گا یہ چبھتا ہوا فقرہ سن کر بالکل خاموش ہو گئے اور ان کی سمجھ میں بات آ گئی کہ قبلہ رو ہونے کے یہ معنی ہیں کہ قیام کے وقت نہ کے از اول تا آخر قبلہ کی طرف منہ کر کے دیوار مسجد کا تاکا کرے۔" (۷:۲۱۸)

۳......سوال و جواب کی صورت میں تدریس

(i) استقرائی طریقہ (Inductive method)

(From Specific to Generalization)

انفرادی مثالوں سے کثیر تعداد میں استفادہ کرتے ہوئے جب کوئی کلیہ اخذ کیا جائے تو اسے استقرائی علم/طریقہ کا نام دیا جاتا ہے۔ امام احمد رضا خاں سوال و جواب کے دوران مسائل کے حل کیلئے اکثر استقرائی طریقہ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً امام احمد رضا کی خدمت میں ایک آریہ نے سوال پیش کیا کہ:

"قرآن تھوڑا تھوڑا کیوں نازل ہوا؟ ایک دم کیوں نہ آیا جبکہ وہ خدا کا کلام ہے خدا تو قادر مطلق تھا کہ ایک ساتھ اتار دیتا"۔

آپ نے جواباً فرمایا:

"جو شے عین ضرورت کے وقت دستیاب ہوتی ہے اس کی وقعت دل میں زیادہ ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ عزوجل نے اپنے کلام کو بتدریج نازل فرمایا پھر فرمایا انسان بچہ کی صورت میں آتا ہے پھر جوان ہوتا ہے پھر بوڑھا! اللہ تو قادر تھا، بوڑھا ہی کیوں نہ پیدا فرمایا؟ پھر فرمایا انسان کھیتی کرتا ہے پہلے پودا نکلتا ہے پھر کچھ عرصہ بعد اس میں بالی آتی ہے اس کے بعد دانہ برآمد ہوتا ہے وہ، تو قادر تھا کہ ایک دم غلہ کیوں نہ پیدا فرمایا؟" (۹:۲۱۹)

۴......استخراجی طریقہ تدریس

(Deductive Metod)

(From Generalization to Spacific)

اعلیٰ حضرت تدریس و تبلیغ میں استقرائی طریقے کے ساتھ ساتھ بوقت ضرورت استخراجی طریقہ کو بھی استعمال کرتے ہیں، ایک دفعہ کسی نے آپ سے وحدۃ الوجود کے معنیٰ دریافت کیے ارشاد فرمایا:

"خود ہستی بالذات واجب تعالیٰ کیلئے ہے اس کے سوا جتنے موجودات ہیں سب اسی کے ظل، پرتو ہیں تو حقیقتاً وجود ایک ہی کیلئے ٹھہرا۔۔۔ مثلاً روشنی بالذات آفتاب و چراغ میں ہے زمین و مکان اپنی ذات میں بے نور ہیں مگر بالعرض آفتاب کی وجہ سے تمام دنیا منور اور چراغ سے سارا گھر روشن ہوتا ہے۔ ان کی روشنی انہیں سے روشنی ہے ان کی روشنی ان سے اٹھالی جائے وہ بھی تاریک محض رہ جائیں۔ اس پر عرض کیا: یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہر جگہ صاحب مرتبہ کو اللہ ہی اللہ نظر آتا ہے، فرمایا اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جو شخص آئینہ خانہ میں جائے وہ ہر طرف اپنے آپ ہی کو دیکھے گا اس لیے کہ یہی اصل ہے اور جتنی صورتیں ہیں سب اسی کی ظل ہیں مگر یہ صورتیں ان کی صفات ذات کے ساتھ متصف نہ ہوں گی یعنی سننے والے دیکھنے والی وغیرہ وغیرہ نہ ہوں گی اس لیے یہ صورتیں صرف اس کی سطح ظاہری کی ظل ہیں ذات کی نہیں اور سمع و بصر ذات کی صفتیں ہیں سطح ظاہری کی نہیں لہٰذا جو اثر ذات کا ہے وہ ان ظلال میں پیدا نہ ہوگا بخلاف حضرت انسان کے کہ یہ ظل ذات باری تعالیٰ ہے لہٰذا ظلال صفات سے بھی حسب استعداد بہرہ ور ہے" (۸:۲۲۳،۲۲۴)

۵......سائنسی اندازفکر

(Scientific Way of Thing)

بفضل تعالیٰ امام احمد رضا خاں کی شخصیت منطقی، فلسفی، اور سائنسی صلاحیتوں سے بہرہ ور تھی ان کا انداز فکر سائنٹیفک تھا اس ضمن میں اگر آپ کی تصنیفات و تالیفات کا مطالعہ کیا جائے تو ان میں واضح طور پر یہ مراحل نظر آئیں گے:

(۱) مسئلہ کا صحیح طور پر احساس (۲) مسئلہ کی توضیح و تجزیہ

(۳) معلومات کی فراہمی (۴) معلومات کی تعبیر

(۵) عارضی حل یا قیاسات کی ترتیب (۶) تعمیمات کا انطباق

ان ساتوں مراحل میں سے کوئی بھی مرحلہ ہو آپ ہر مقام پر سائنٹیفک انداز اختیار کرتے ہیں مثلاً مسائل کے احساس کے بعد اگر توضیح یا تجزیہ کی اسٹیج ہو تو آپ سیر حاصل بحث کے بعد تجزیاتی مطالعہ پیش کرتے ہیں۔ مثلاً ترکِ موالات پر بحث ہوئی تو آپ نے اس کا یوں تجزیاتی مطالعہ پیش کیا مثلاً:

(i) موالات کیا ہے؟

(ii) موالات کی کتنی قسمیں ہیں؟

(iii) کیا نان کوآپریشن کو ترک موالات کہہ سکتے ہیں؟

(iV) تحریک ترک موالات کے کیا اسباب و علل تھے؟

(V) اس تحریک کی کیا حیثیت ہے؟

آپ سے ایک بار آبِ مطلق کے بارے سوال ہوا تو آپ نے اس پر بحث کرتے ہوئے یوں تحقیقی جواب دیا:

(i) آبِ مطلق کیا ہے؟

(ii) آبِ مطلق کا مصداق کون کون سا پانی ہے؟

(iii) پانی کا رنگ کیسا ہے؟

(iV) اس بارے میں کیا نظریات ہیں؟

(V) آبی کس رنگ کو کہتے ہیں؟

(Vi) پانی کے کتنے اوصاف ہیں؟ (۱۳: ۸۷-۸۹)

۶......غیر متعلقہ امور سے اجتناب:

(Avoiding Irrelevant Things)

تعلیم کو مفید اور معیاری بنانے کیلئے ضروری ہے کہ دورانِ تعلیم غیر مفید اور غیر متعلقہ امور سے بچا جائے غیر متعلقہ امور میں پڑنا امام احمد رضا خاں کے نزدیک وقت کا زیاں ہے نیز ایسے آدمی کو تعلیم دینا جو خواہ مخواہ تعصب کی آگ کو دل میں رکھتا ہو، بے سود ہے، فرماتے ہیں:

''جاہلوں کے منہ لگنا ہم نہیں چاہتے نہ کہ وہ حضرات کہ جاہل بھی ہوں اور کذاب بھی اور فقیر بے حجاب بھی اور معاند متعصب مآب بھی ایسوں کیلئے یہ مناسب ہے کہ ''ذرھم فی طغیا نھم یعمھون'' انہیں چھوڑ دو اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔ ان تمام مسائل کے روشن بیان ہمارے فتاویٰ میں موجود ہیں مگر متعصب معاند کو علم دینا بے سود اور کذاب و افتراء کا علاج مقصود، سائل کو ہدایت کی جاتی ہے کہ کسی کی ایسی بے ہودہ باتیں پیش نہ کرے''۔

۷......ذریعہ تعلیم: (Midium of Instruction)

امام احمد رضا خاں کا اس بارے میں نظریہ یہ ہے کہ ابتدائی تعلیم ہر شخص کو اس کی اپنی مادری یا علاقائی زبان میں دی جائے۔ اعلیٰ تعلیم کیلئے مشکل یا غیر ملکی زبان استعمال کی جا سکتی ہے اس نظریہ پر پورا فتاویٰ رضویہ شاھد عادل ہے کہ جس شخص نے جس زبان میں استفتاء

پیش کیا اس زبان میں اس کا جواب دیا۔ (۱۲:۱۲۰)

۸......کتاب کے علاوہ دیگر ذرائع تعلیم سے استفادہ:

(Use of Educational Means other than tex- book)

امام احمد رضا کے نزدیک کتاب تعلیم کا ایک ذریعہ ہے اس کے علاوہ بھی ذرائع تعلیم ہیں مثلاً وعظ، خطبہ، تبلیغ وارشاد وغیرہ کسی نے عرض کیا کہ کتب بینی سے ہی علم حاصل ہوتا ہے؟

جواباً فرمایا!

''یہی کافی نہیں بلکہ علم افواہ رجال سے بھی حاصل ہوتا ہے'' (۱:۲)

خطبہ، تبلیغ وارشاد اور افواہ رجال کو موجودہ دور کی جدید اصطلاح سیمینار/خصوصی لیکچرز ، کے طور پر بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ عشرت نسرین بخاری (۱۹۹۷ء) جدید طریقہ ہائے تدریس کے استعمال کی ضرورت وافادیت کے پیش نظر تجاویز کے تحت لکھتی ہیں:

''مدارس میں ماہرین تعلیم کے لیکچرز کا خصوصی اہتمام کیا جائے اور اکثر و بیشتر سیمینار منعقد کروائے جائیں اور ورکشاپس کا بھی اہتمام کیا جائے'' (۶: ۴۲۳)

امام صاحب کی اس سوچ کے تناظر میں آج کی انٹرنیٹ ٹی.وی اور میڈیا کی تعلیم کو بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

۹......اخلاقیات کی تعلیم

(Ethics Indoctorination)

اعلیٰ حضرت اخلاقیات کے حوالہ سے استاد کیلئے لازم قرار دیتے ہیں کہ وہ بچے کو ''توکل، قناعت، زہد، اخلاص، تواضع، امانت، صدق، عدل، حیاء سلامت صدر ولسان وغیرہ ہا خوبیوں کے فضائل، حرص وطمع، حبِ دنیا، حبِ جاہ، ریا، عُجب، خیانت، کذب، ظلم فحش غیبت، حسد کینہ وغیرہ ہا برائیوں کے رذائل پڑھائے''۔ (۴۳:۳)

معروف ماہر نفسیات پروفیسر ڈاکٹر خالدہ ترین (۱۴ دسمبر ۱۹۹۹ء) طلباء وطالبات کی عادات میں تبدیلی پر روزنامہ جنگ لاہور کے ایک فیچر میں اپنی رائے دیتی ہیں:

''آج کا طالب علم مسلسل ایک دباؤ میں ہے۔ ایک بے یقینی کی کیفیت میں ہے اس کے اندر منفی رجحان پیدا ہو رہا ہے۔ اس کے پاس زندگی کو انجوائے کرنے کا وقت نہیں''

موجودہ تعلیم نے لوگوں کو سماج سے الگ کردیا ہے۔ آج کل طلبہ کے اندر پیدا ہونے والے ان منفی رجحانات کے ازالہ کیلئے امام صاحب نے دوران تدریس اساتذہ کو تاکید کی ہے کہ وہ طلباء کو توکل، قناعت، اخلاص جیسی اسلامی سماجی اقدار کی بھی تعلیم دیں تاکہ وہ کسی بھی غیر اخلاقی عادت کا شکار نہ ہو۔ ان کی تعلیم انہیں معاشرہ کے ادب وآداب اور سلیقہ سکھائے۔

Elliot اور Lawrence Kohlberg Turill (۱۹۷۱ء) لکھتے ہیں کہ استاد معاشرتی نظامِ قدر کو طلباء کے اندر یوں اجاگر کرسکتا ہے:

"(1) Help students acquire an understanding of the importance of values that society considers worthwhile.
(2) Aid children to uphold and use positive values when confronted by adverse pressure from peers" (15L 417)

۱۰......دوران تدریس استاد کیلئے ضابطہ اخلاق:

آپ ۱۳۱۰ھ میں فرماتے ہیں:

''پڑھانے سکھانے میں رفق ونرمی ملحوظ رکھے۔ موقع پر چشم

نمائی تنبیہ تہدید کرے مگر کوسنا نہ دے کہ اس کا کوسنا ان کے لئے سببِ اصلاح نہ ہوگا بلکہ اور زیادہ فساد کا اندیشہ ہے۔ مارے تو منہ پر نہ مارے اکثر اوقات وتہدید و تخویف پر قانع رہے کوڑا قمچی اس کے پیش نظر رکھے کہ دل میں رعب رہے" (۷۳:۴)

۱۱...... متعلم کو اسکی استعداد سے باہر علم نہ دیا جائے:

امام احمد رضا خان (۱۳۳۹ھ) فرماتے ہیں:

"قابلیت سے باہر علم سکھانا فتنہ میں ڈالنا ہے اور ناقابل کو مباحث ومجادل بنانا دین کو معاذ اللہ ذلت کیلئے پیش کرنا ہے"

نبی علیہ فرماتے ہیں!

"جب نااہل کو کام سپرد کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو" (۵:۵۹۴)

رابرٹ اے ڈیو (۱۹۸۴ء) تعلیم کی نوعیت اور شرائط (Nature and Conditions of Learning) کے تحت لکھتے ہیں:

"The (Learning) Activites" selected should be within the capability of the learner......experience shows however, that it is an important problem in teaching" (14L 434)

کتابیات (حوالہ جات)

(۱) امام احمد رضا خان، فتاویٰ رضویہ جلد دہم، ص: ۳۷۳-۳۷۴، ادارۂ تصنیفات امام احمد رضا، کراچی (۱۹۸۸ء)

(۲) امام احمد رضا خان، الملفوظ مولفہ مفتی اعظم مولانا محمد مصطفیٰ رضا خان، جلد اول، ص: ۹

(۳) امام احمد رضا خان، فتاویٰ رضویہ جلد دہم، ص: ۳۷ / ادارہ تصنیفات امام احمد رضا، کراچی (۱۹۸۸ء)

(۴) امام احمد رضا خاں، فتاویٰ رضویہ جلد دہم، ص ۷۳، ادارۂ تصنیفات امام احمد رضا، کراچی (۱۹۸۸ء)

(۵) امام احمد رضا خاں، فتاویٰ رضویہ جلد دہم، ص ۵۹۴، ادارۂ تصنیفات امام احمد رضا، کراچی (۱۹۸۸ء)

(۶) تربیت اساتذہ، مؤلفہ ڈاکٹر محمد ابراہیم خالد، ص: ۲۲۳، پاکستان ایجوکیشن فاؤنڈیشن، اسلام آباد (۱۹۹۷ء)

(۷) ظفر الدین رضوی، حیات اعلیٰ حضرت، ص ۲۱۸، مکتبہ رضویہ فیروز شاہ اسٹریٹ، کراچی (۱۹۳۸ء)

(۸) ظفر الدین رضوی، حیات اعلیٰ حضرت، ص ۲۳۳-۲۳۴، مکتبہ رضویہ فیروز شاہ اسٹریٹ، کراچی (۱۹۳۸ء)

(۹) ظفر الدین رضوی، حیات اعلیٰ حضرت، ص: ۲۱۹، مکتبہ رضویہ فیروز شاہ اسٹریٹ، کراچی (۱۹۳۸ء)

(۱۰) عبد الغفار گوہر، تعلیمات، ص: ۱۷۱، مجید بک ڈپو، لاہور (۱۹۹۸ء)

(۱۱) محمد جلال الدین قادری، امام احمد رضا خاں کا نظریہ تعلیم، ص: ۱۲۱-۱۲۲، شبیر برادر، اردو بازار، لاہور

(۱۲) محمد جلال الدین قادری، امام احمد رضا خان کا نظریہ تعلیم، ص: ۱۲۰، شبیر برادر، اردو بازار، لاہور

(۱۳) معارف رضا انٹرنیشنل ایڈیشن، ص: ۸۷-۸۹، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، صدر ریگل کراچی، (۱۹۹۷ء)

(14) Educational Psychology, Skinner, Charles, E.p. 434 prentice Hall of India Pvt. Ltd New Delhi, 1984.

(15) Psychology and Educational practice lesser, Geral S.p. 417, U.S.A. 1971.

☆☆☆

تحریکِ پاکستان میں احمد رضا بریلوی کا کردار

ڈاکٹر سید وسیم الدین*

انیسویں صدی کے وسط سے لیکر بیسویں صدی تک کا دور اسلامیانِ ہند کیلئے بڑا امتحان انگیز تھا۔ اسلام کے مقابل نئے نئے طوفان، نئے نئے فتنے پیدا ہور ہے تھے، نظریاتی حملے ہو رہے تھے ہر طرح سے اسلام اور مسلمانوں پر باطل کی یلغار تھی۔ سائنسی نظریات کی آڑ میں اسلامی احکام کو نشانہ بنایا جارہا تھا۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں دینِ متین کی حفاظت اور شورشوں کو ختم کرنے کیلئے اللہ عزوجل کی رحمتِ عظمت کی شکل میں امام احمد رضا اٹھے اور حق کی تعلیم دی۔

۱۸۵۶ء میں امام احمد کی ولادت ہوئی۔ اس وقت انگریزوں کے پروردہ فتنے عروج پر تھے۔ ایمان لٹ رہا تھا اہلِ دیوبند بھی اتحاد کی آڑ میں ہنود سے رشتے جوڑ کر اسلامی روایات سے منہ موڑ چکے تھے۔ دیوبند کے عناصر اربعہ اپنی کتابوں میں سرورِ کائنات ﷺ کی شانِ مبارک میں گستاخی کر چکے تھے۔ امام احمد رضا نے اپنی تحریروں اور شاگردوں کے ذریعے سازشوں کے تاروپود کو بکھیر دیا اور بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ سے قومِ مسلم کو جوڑ دیا۔ ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا۔

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو

حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب جید عالم، واقفِ اسرارِ طریقت، صاحبِ نظر، صاحبِ دل اور سحر بیان خطیب تھے۔ وہ علم وحکمت کے ترجمان اور حق وصداقت کے نقیب تھے۔ وہ اعلیٰ پائے کے قابلِ فخر مفتی اور بہترین شاعر بھی تھے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی مذہبیات وادبیات کے علاوہ سیاسیات میں بھی بڑی بصیرت رکھتے تھے۔ وہ ایک عظیم مدبر تھے۔ آپ کا سیاسی مسلک بہت صاف اور واضح تھا۔ ابتداء سے لے کر انتہا تک اس میں نہ کوئی نشیب وفراز آیا اور نہ کوئی لچک پیدا ہوئی۔ لہٰذا احمد رضا خان بہترین سیاسی بصیرت رکھتے تھے۔ پاک وہند کی تاریخ میں خاص طور پر دو ادوار ایسے آئے جب دو قومی نظریہ کے احیاء کی کوشش کی گئی۔ پہلی بار دسویں صدی ہجری میں اکبر بادشاہ کے عہد میں سلسلۂ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے اپنے کوششوں کا آغاز کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے عہد جہانگیری میں اسلامی انقلاب آیا اور شریعتِ اسلامیہ کا غلبہ ہوا۔ دوسرا دور وہ ہے جب ۱۴ ویں صدی ہجری کے نصف اول میں گاندھی کی کوشش رنگ لائیں مسلمان اسلامی شعار چھوڑنے لگے اور ہندو شعائر اپنانے لگے، اس موقع پر مولانا احمد رضا خان قدس سرہٗ نے پوری

(* استاشعبۂ سیاسیات، جامعہ اردو، کراچی)

توانائی کے ساتھ دو قومی نظریئے کا احیاء اور ملّت اسلامیہ کی غیرت و حمیت اور جذبۂ ایمان کو بیدار کیا۔

انگلستان کے ایک مشہور مستشرق پروفیسر ایچ اے گب (۱۹۶۲ء) نے اپنی کتاب "Islamic Culture" میں لکھا ہے:

''تاریخ اسلام میں بار بار ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام نے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا ہے لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہوسکا اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ صوفیاء کا اندازِ فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا تھا اور اس کو اتنی قوت و توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کرسکتی تھی'' (۱)

آپ نے مسلمانوں کے اندر کی غیرت بیدار کرنے اور اپنے قومی تشخص کی بحالی کیلئے ایک عظیم ملّی و علمی تحریک شروع کی اور ہندو مسلم اتحاد کے تصور کو پارہ پارہ کرکے رکھ دیا اور مسلمانوں کے اندر ملّی حمیت کی ایک ایسی روح پھونک دی کہ اسی قوم نے جو ہندو کو مسجد کے منبر تک لاچکی تھی، ہندوؤں کے خلاف ایک ایسی شاندار اور بے مثال تحریک کامیابی سے چلائی کہ چند برس کے مختصر عرصے میں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت معرضِ وجود میں آئی۔ یہ نامور شخصیت ہندوستان کے علماء کے طبقہ میں سے متقدر ہستی، امام اہلسنت مولانا احمد رضا خاں بریلوی ہی کی تھی جنہیں ''اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

آپ ہندو مسلم اتحاد کے سخت مخالف تھے، انہوں نے ہمیشہ ہندو مسلم اتحاد پر کڑی نکتہ چینی کی اور اسے مسلمانوں کیلئے خطرناک قرار دیا۔ انہوں نے سیاستِ ملیہ کے اہم موڑ پر مسلمانوں کو خبردار کیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب قائدِ اعظم اور علامہ اقبال بھی متحدہ قومیت کی بات کررہے تھے اور وہ ہندو مسلم اتحاد کے پیامبر بن کر ابھر رہے تھے بعد میں یہی ہوا کہ اس اتحاد نے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا اور اس سے ہندوؤں کو فائدہ پہنچا۔

۱۹۱۹ء میں برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش میں جب تحریک خلافت چلی تو آپ نے اس تحریک اور اس کے نتیجے میں چلنے والی تحریکات کی سختی سے مذمت کی کیونکہ یہ تحریک انتہائی جذباتی تحریک تھی جو ترکی کے مسلمانوں کی محبت کیلئے شروع کی گئی تھی اور جس کی وجہ سے خلافتِ عثمانیہ کو روحانی و سیاسی مرکز کی اہمیت حاصل ہوگئی تھی۔ ابتداء میں تحریکِ خلافت مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھی مگر بعد میں تحریکِ خلافت کی قیادت گاندھی جی کے ہاتھ میں چلی گئی تھی۔

ڈاکٹر صفدر محمود اپنی تصنیف ''مطالعہ پاکستان'' میں لکھتے ہیں کہ:

''یہ بات بہت دلچسپ اور قابلِ ذکر ہے، اگرچہ تحریک خلافت کا تعلق مسلمانوں سے تھا لیکن کانگریس کا ہندو راہنما گاندھی اس تحریک میں پیش پیش تھا۔ اس طرح وہ مسلمانوں کا بھی راہنما تھا اور ہندوؤں کا بھی لیکن کسی بھی ہوش مند مبصر سے یہ بات پوشیدہ نہیں تھی کہ ہندو مسلم اتحاد کی اس تحریک سے صرف ہندوؤں کو فائدہ ہوا اور مسلمانوں کو نقصان'' (۲)

اسی حوالے سے سید ہاشمی فرید آبادی اپنی تصنیف ''تاریخ مسلمانانِ پاک و ہند'' میں تحریر کرتے ہیں کہ:

''ہندوستان میں خلافت کے جلسے اور سالانہ اجلاس مختلف مقامات پر ہوتے رہے لیکن اصل روح نکل چکی تھی۔ زیادہ تر اندرونی مسائل اور ہندو مسلم فسادات پر ختم ہوگئے۔ اس کے بعد صرف اس کے دفتر کی عمارت اور خلافت اخبار کا نام باقی رہ گیا'' (۳)

بظاہر تو یہ تحریک مسلمانوں کے مفادات کی ترجمان تھی لیکن ہندوؤں کی شمولیت نے اس کو ایک متعصب و متنازعہ تحریک بنانے میں اہم کردار ادا کیا اور اس تحریک کے ذریعے ہی ہندو مسلم اتحاد کو بظاہر فروغ دینے کیلئے بہت سے اقدامات کیئے جارہے تھے جس کے ذریعے ہندو اپنے مقاصد میں کامیاب ہونا چاہتے تھے۔

اس تحریک میں علی بزادران کے علاوہ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالماجد دریا آبادی، مولانا فاخرالہٰ آبادی، مولانا ظفر علی خان مولانا عبدالباری فرنگی محلی، جمعیت علماء ہند اور دیوبند کے علماء کرام کانگریس کے ہمنوا بن گئے تھے۔ اس دور میں ''ہندو مسلم اتحاد'' کے نعرے نے ایسی حیثیت اختیار کر لی تھی کہ کانگریسی علماء کرام نے ذبیحہ گاؤ کے خلاف فتاویٰ جاری کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کی اور حد یہ تھی کہ سوامی شردھانند جیسے آریہ سماجی کو دہلی کی ایک مسجد میں منبر رسول ﷺ پر کھڑا کیا گیا۔ ایسے ماحول میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ آل انڈیا اسٹیج پر ایسے دل گردے کے مسلمان تھے کہ جنہوں نے رائے عامہ کو ذرہ بھر بھی خاطر میں نہ لاتے ہوئے متحدہ قومیت کے خلاف اپنی زوردار آواز بلند کی۔ ہندو مسلم اتحاد کو ناکام بنانے کیلئے مولانا نے علمِ جہاد اس وقت بلند کیا جب ہندوؤں کے مذہبی لیڈر سوامی شردھانند کو جامع مسجد دہلی میں تقریر کرنے کیلئے داخل ہونے کی اجازت دی گئی۔ اس مرحلہ پر مولانا احمد رضا نے علمائے کرام کے اس طبقہ کی نمائندگی کی جنہوں نے ہر اس راستے کا سدِ باب کیا جس کا رخ ہندو مسلم اتحاد کی طرف تھا۔ وہ مسلمانوں کو اس حقیقت سے باخبر کرنا چاہتے تھے کہ ہندو بہرحال مسلمانوں کا خیرخواہ نہیں ہو سکتا اور مسلمان چاہے جو کچھ بھی کرلیں وہ ہندوؤں کو اپنا حامی نہیں بنا سکتے۔ وہ مسلمانوں کے ازلی دشمن تھے اور رہیں گے۔

اسی دوران تحریکِ خلافت کے ساتھ ساتھ تحریک ترک موالات کا بہت شہرہ ہوا۔ اگرچہ ان تحریکات میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی جیسے کئی مسلم رہنما پیش پیش تھے۔ مگر ان تحریکات کو گاندھی اور نہرو جیسے مسلمان مخالف ہندو لیڈروں کی آشیرباد حاصل تھی۔ ایسے عالم میں امام احمد رضا خاں نے کس طور پر ملت اسلامیہ کی راہنمائی کی اس کی ایک جھلک مشہور مورخ میاں عبدالرشید کی تحریر میں ملاحظہ کیجئے:

''آپ (اعلیٰ حضرت) کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے میدان سیاست میں نیشنلسٹ مسلمانوں کی سخت مخالفت کی۔ یہ وہ لوگ تھے جو ہندو مفادات کو تقویت پہنچا رہے تھے۔ حضرت بریلوی کا موقف یہ تھا کہ کافروں اور مشرکوں سے مسلمانوں کا ایسا اشتراک عمل نہیں ہو سکتا جس میں مسلمانوں کی حیثیت ثانوی ہو۔ انہوں نے گاندھی اور دوسرے ہندو لیڈروں کو مساجد میں لے جانے کی مخالفت کی کیونکہ قرآنِ پاک کی رو سے مشرکین نجس اور ناپاک ہیں۔ آپ قائدِ اعظم کی طرح تحریک عدم تعاون اور تحریک ہجرت دونوں کے مخالف تھے کیونکہ یہ دونوں تحریکیں اس براعظم کے مسلمانوں کے مفادات کے منافی تھیں۔

حضرت بریلوی کا کہنا تھا کہ نیشنلسٹ مسلمانوں کی ابھی ایک آنکھ کھلی ہے انہیں چاہیے کہ وہ دونوں آنکھیں کھولیں یعنی ابھی وہ صرف انگریز کی مخالفت دیکھ سکتے ہیں ہندو کا تعصب اور عداوت نہیں دیکھ پائے''۔ (۴)

آپ انگریز کی مسلم دشمنی کے ساتھ ہندوؤں کی مسلم دشمنی کے بھی قائل تھے۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کا دکھاوے کیلئے جب بھی

ساتھ دیا تو ساتھ ہی ترک گاؤکشی کا مطالبہ بھی کر دیا۔ تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات کے زمانے میں (۱۹۱۹ء.....۱۹۲۲ء) ترک گاؤکشی کا مطالبہ کیا گیا تو مسلم عمائدین نے سیاسی پلیٹ فارم سے اس کی تائید کردی۔ اعلیٰ حضرت نے ہندوؤں کے مخفی عزائم کو بھانپ کر ان کی دکھاوے کی دوستی اور مسلم عمائدین کی ہندو نوازی کا بھرم کھول کر سلطنت اسلام کیلئے راہ ہموار کی۔ تحریکِ آزادیِ ہند کے ایک دور میں بعض علماء ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر مسلمانوں کو ہجرت پر اکساتے رہے۔ اس ہجرت کا فائدہ ہندوؤں کو ہی پہنچا۔ کسی ہندو نے ہندوستان نہ چھوڑا بلکہ یہ ملک چھوڑنے والوں کی جائیدادیں اونے پونے داموں میں خریدتے رہے اور جب یہ خود ساختہ مہاجرین ذلت وخواری کے بعد واپس آئے تو ان کیلئے گھر اور گھاٹ دونوں کا تصور خواب بن چکا تھا۔

چھٹے اسیر تو بدلا ہوا زمانہ تھا

آپ سے ترکی کے حکمراں کی حالت پوشیدہ نہیں تھی وہ اسے سلطان تو سمجھتے تھے مگر خلافتِ اسلامیہ کا سربراہ ہونے کے ناطے خلیفۃ المسلمین ماننے کو تیار نہیں تھے۔ آپ کے نزدیک شریعت اسلامیہ میں خلیفۂ اسلام کیلئے شرائط اور ان کی اتباع وحمایت کے احکام جدا جدا تھے۔ قدرت نے حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی کے موقف کی اس طرح تائید کی کہ ہندوستانی علماء تو گاندھی کو ساتھ ملا کر نام نہاد خلافت کیلئے جدوجہد کرتے ہوئے اسلام کے بہت سے بنیادی اصولوں سے روگردانی کرتے رہے اور ادھر ترکوں نے مصطفیٰ کمال پاشا کی قیادت میں آگ اور خون کے دریا عبور کرتے ہوئے ترکی کی نشاط ثانیہ کی بنیاد رکھ دی اور خود ہی خلافت کے خاتمہ کا اعلان کر دیا۔ کمال اتاترک کا یہ اعلان حضرت بریلوی کی فقہی بصیرت، سیاسی پختگی، دینی استواری اور مستقبل بینی کا بین ثبوت تھا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ آپ کی مسلمانوں کی بہبودی کیلئے تمام تدابیر خدائے تعالیٰ کی تقدیر کا پرتو لئے ہوئے تھیں کہ ؎

ڈھلتے ہیں مری کا رگۂ فکر میں انجم
لے اپنے مقدر کے ستارے کو تو پہچان

آپ کے حاسدین اور معاندین نے آپ کی ہندو دشمنی اور گستاخانہ عبارت پران کو ٹوکنے کی پاداش میں آپ پر انگریز دوستی کا الزام عائد کر دیا۔ جب اس الزام کی نوعیت اور اس سے متعلق امور کا جائزہ لیا گیا تو یہ عاشقِ رسول ﷺ دوسرے تمام حُریت پسندوں سے بڑھ کر انگریز دشمن ثابت ہوا۔ آپ کے مزاج آشنا سید الطاف علی بریلوی اس صورت حال کا یوں جائزہ لیتے ہیں:

''سیاسی نظریئے کے اعتبار سے حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بلا شبہ حُریت پسند تھے۔ انگریز اور انگریزی حکومت سے دلی نفرت تھی۔ شمس العلماء قسم کے کسی خطاب وغیرہ کو حاصل کرنے کا ان کو یا ان کے صاحبزادگان مولانا حامد رضا خاں یا مصطفیٰ رضا خاں صاحب کو کبھی تصور بھی نہ ہوا۔ والیان ریاست اور حکامِ وقت سے بھی قطعاً راہ ورسم نہ تھی''۔(۵)

لہٰذا یہ اعلیٰ حضرت کا امتیازی وصف ہے کہ آپ نے اس وقت ہندو، انگریز اور دوسرے تمام غیر مسلموں سے مقاطعہ کی تعلیم دی اور پھر آپ کی یہی صدائے رندانہ کام کر گئی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی فرنگی، جیسے خلافتی رہنماؤں اور ہندو مسلم اشتراک کے داعیوں نے اپنے گزشتہ فیصلوں سے برأت کا اظہار کر کے مسلمانوں کیلئے علیحدہ قومی اور اسلامی تشخص کو

اجاگر کرنے کی جدوجہد کا اعلان کیا۔ آپ کی مساعی رنگ لاکر رہی۔ آپ کی تعلیمات، تصانیف، ارشادات، خطبات اور آپ کے زیر انتظام کام کرنے والے مدارس کے اساتذہ وعلماء اور برصغیر کے تمام ممتاز مشائخ نے آپ کی آواز پر لبیک کہا۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے جو پہلے ہندو مسلم اتحاد کے داعی تھے یقیناً آپ کی تعلیمات سے اثر قبول کیا ہوگا اور یہ اسی جذبے کا فیضان ہوگا کہ اقبال نے اعلان کردیا کہ۔

اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

اگرچہ اس وقت تک مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے حامی علماء نے کوئی باقاعدہ تنظیم تو قائم نہیں کی تھی لیکن مختلف علماء کرام نے اپنے اپنے پلیٹ فارم پر ''ہندو مسلم اتحاد'' کے خلاف اپنا فریضہ ادا کیا۔ پروفیسر سید سلیمان اشرف نے ''علی گڑھ گزٹ'' کو اپنا ذریعۂ اظہار بنایا، جب کہ مولانا سید نعیم الدین مراد آباد صدر الافاضل (۱۹۴۸ء-۱۸۸۳ء) نے مراد آباد سے شائع ہونے والے رسالہ ''السواد الاعظم'' کے پلیٹ فارم سے اس اتحاد کو غلط ثابت کیا۔ یہ رسالہ ۱۹۱۸ء سے جاری ہوا تھا اور مولانا نعیم الدین مراد آبادی اس کے بانی وسرپرست تھے۔ السواد الاعظم کے مدیر مولانا مفتی محمد عمر نعیمی (۱۹۶۶ء-۱۸۹۳ء) (المعروف ''تاج العلماء'') تھے۔ ان کے وہ مضامین قابل ذکر ہیں جو تحریک عدم تعاون کے دوران لکھے گئے۔ ان مضامین نے مسلمانوں کو ہندو ذہنیت کے سمجھنے میں بڑی مدد دی اور ہندو مسلم اتحاد کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنے میں اہم کام سرانجام دیا۔ اس لئے یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ ''دو قومی نظریہ'' کی اشاعت میں ''السواد الاعظم'' کا کردار بہت نمایاں ہے۔

لہٰذا تحریک خلافت کے نتیجے میں فروغ پانے والے ہندو مسلم اتحاد کو ناکام بنانے کیلئے مولانا احمد رضا بریلوی اور ان کے رفقاء کی خدمات کا اعتراف پروفیسر محمد بشیر احمد یوں کرتے ہیں کہ:

''۱۹۲۰ء میں تحریک خلافت اور کانگریس کی ہم نوائی کے نتیجے میں ترکِ موالات کی تحریک شروع ہوئی۔ جس میں مسلمانوں نے اپنی قیادت گاندھی جی کے ہاتھ میں دے دی۔ بڑے بڑے سیاسی لیڈر اور دینی راہنما اس تحریک میں بہہ گئے اور جو کچھ گاندھی جی کہتے وہ ان کی ہم نوائی کرتے۔ ایسے دور میں صدائے حق ایک طرف قائدِ اعظم اور علامہ اقبال کی طرف سے اٹھی اور دوسری طرف مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور مولانا نعیم الدین اور ان کے ہم نواؤں نے کتابیں اور رسائل میں دو قومی نظریئے پر زور دار مضامین لکھ کر مسلمانوں کو ہندوؤں کے دام میں گرفتار ہونے سے بچالیا''۔(۶)

امام احمد رضا خان کو ہندوستان کی آزادی کی فکر تھی وہ دین کے بدلے آزادی کا سودا کرنے کیلئے ہرگز تیار نہ تھے۔ آپ نے مسلمانوں کو سیاسی استحکام کیلئے ہدایت کی کہ مسلمان اپنے معاملے کا باہم فیصلہ کریں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (۱۹۹۸ء) لکھتے ہیں:

''امام احمد رضا کو اسلام کی عظیم انقلابی قوت، جذبۂ عشق رسول ﷺ حاصل تھی اسی والہانہ عشق سے مسلمان کی دینی ترقی، سیاسی کامیابی، علم کی ترویج، معاشی وعمرانی استحکام اور ثقافتی تمدنی ہر طرح کی کامیابیاں وکامرانیاں وابستہ ہیں''(۷)

امام احمد رضا کا یہ تجدیدی کارنامہ ہے کہ آپ نے نبی کریم ﷺ کے بشری اوصاف وکمالات کے ساتھ ساتھ معجزاتی ونورانی پہلو کے بلند و بالا کمالاتِ نبوت اور فضائل و شمائل کو احاطۂ تحریر میں لاکر ملّتِ اسلامیہ کی روحانی اقدار کو تنزلی کا شکار ہونے سے بچالیا۔ آپ نے اپنی علمی درس گاہ "دارالعلوم منظر اسلام بریلی اور روحانی خانقاہ، خانقاہِ عالیہ بریلی سے اس پرفتن دور میں ملتِ اسلامیہ کی ناؤ کو تیرانے کیلئے جو کچھ ضروری تھا وہ سب کچھ کیا۔

پروفیسر عبدالنعیم قریشی (استاد شعبۂ سیاسیات، وفاقی گورنمنٹ اردو کالج کراچی) امام احمد رضا خاں کے قائم کردہ دینی مدرسہ ''جامعۂ منظر الاسلام بریلی'' کے عنوان کے تحت بیان کرتے ہیں:

''حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کے ان علمائے دین میں سرفہرست ہیں جنہوں نے اپنے عشق رسول ﷺ کے حوالے سے خاص شہرت پائی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے جامعہ منظر الاسلام بریلی بھی اس مقصد کے تحت قائم کی تھی۔ کیونکہ ان کے خیال میں دینی تعلیم کے دیگر اداروں میں توحید پر تو خاص زور دیا جاتا تھا تاہم مقامِ رسالت کو واضح کرنے کیلئے کچھ کوتاہی برتی گئی۔ اس معاملہ میں دارالعلوم دیوبند کے علماء سے مولانا کے چند اختلافات بھی تھے۔ مولانا یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ دیوبند کے علماء کی اکثریت کانگریس کی ہمنوا تھی جبکہ حضرت مولانا دوقومی نظریہ کے نقیب تھے اور انگریزوں اور ہندوؤں سے کسی قسم کے تعاون اور اشتراکِ عمل کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے ان مقاصد کے حصول کی خاطر دینی مدرسہ قائم کیا، جو بہت جلد مسلمانوں میں مقبول ہوگیا'' (۸)

جامعہ منظر الاسلام نے دینی اور فکری لحاظ سے برصغیر جنوبی ایشیا کے مسلمانوں پر گہرے اثرات مرتب کیئے۔ آپ کے خلفاء تلامذہ نے اسلامی تشخص اور دوقومی نظریئے کے احیاء کیلئے بھرپور کوششیں شروع کیں۔ آپ نے ہندو مسلم اتحاد کی تحریکات کی گرما گرمی دیکھ کر مسلمانوں کو:

لکم دینکم ولی دین

''تمہیں تمہارا دین اور مجھے میرا دین'' (الکافرون:۹)

کی صورت میں قرآن پاک کی صدا سنائی۔ متحدہ قومیت کے اسی دور میں معاشرے کی اصلاح، مسلمانوں کو اپنے قدموں پر کھڑا کرنے، غیروں کی قیادت میں اور ان کے چلنے کی بجائے اپنی مسلم قیادت خود چننے اور ان کے سیاسی اور مذہبی شعور اور ملی حمیت کو جگانے کیلئے آپ نے درج ذیل تصانیف پیش کیں:

۱......**انفس الفکر من قربان البقر**

۲......**اعلام الاعلام بان ھندوستان دارالسلام،**

۳...... **تدبیر فلاح و نجات و اصلاح**

٤...... **دوام العیش فی آئمة من القریش**

٥...... **المحجة المؤتمنه فی ایة الممتحنه**

٦...... **الطاری الداری لھفوات عبدالباری**

امام احمد رضا خاں کی ان تصانیف کے ذریعے مسلمانوں میں دوقومی نظریہ کا شعور اجاگر ہوا۔ قومی سطح کے جو مسلمان رہنما گاندھی کی قیادت میں متحد تھے، امام صاحب اور آپ کے عقیدت مندان کی کوششوں کے ذریعے ایسے تمام رہنماؤں میں سے اکثر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، متحدہ قومیت سے علیحدگی ہوئی اور اس طرح پاکستان کی خالق جماعت مسلم لیگ کو بہت حمایت اور تقویت ملی اور

برصغیر پاک و ہند میں الگ اسلامی مملکت کے قیام کی راہ ہموار ہوئی جس سے اسلامی معاشرہ کی تشکیل ممکن ہوئی۔

برصغیر پاک و ہند میں اسلامی مملکت کے قیام کیلئے جتنی بھی تحریکات چلیں ان سب کا مقصود مدعا اسلامی معاشرہ کا قیام ہی تھا۔ معروف محقق ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی فرماتے ہیں کہ:

''تحریک ترکِ موالات کے بعد بریلی مکتب فکر کی قیادت مولانا نعیم الدین مراد آبادی (امام احمد رضا کے تلمیذ وخلیفہ) کے ہاتھ میں آ گئی تھی انہوں نے اپنے جماعت کے کام کو وسیع کیا ان کی ہر شاخ پاکستان کے قیام کی جدو جہد میں مصروف ہوگئی''۔(۹)

یہ امام احمد رضا خاں کی ہی کوشش اور اپنے عہد میں تمام اکابرین سے نمایاں کردار تھا جو مسلمانوں کی الگ سیاسی قوت ''آل انڈیا سنی کانفرنس'' کے قیام کا سبب بنی۔ اس کانفرس کی اہمیت کے متعلق موصوف پروفیسر محمد اسلم لکھتے ہیں:

''راقم دیوبندی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتا ہے اس کے باوجود یہ عرض کرتا ہوں کہ ان مشائخ اور علماء کا عوام پر بڑا اثر تھا۔ خود لاہور میں تحریک پاکستان کیلئے بریلوی مکتب فکر کے علماء میں سے مولانا محمد بخش مسلم اور مولانا غلام الدین اشرفی نے جو کام کیا وہ محتاجِ تعارف نہیں''۔(۱۰)

برصغیر کے طول وعرض میں بریلوی مکتب فکر کے علماء نے تحریکِ پاکستان کیلئے جو سرتوڑ کوشش کی اس کا آغاز بریلی سے ہوا تھا اس لحاظ سے امام احمد رضا خاں کو

"The Most Prominent Pioneer of freedom Movement"

کا مقام حاصل ہے۔ آپ نے بریلی سے ہندوؤں اور انگریزوں کی تہذیبی آمیزش سے پاک، خالص اسلامی معاشرہ کے قیام کیلئے اپنوں بیگانوں کی پرواہ کیئے بغیر دوقومی نظریہ کا احیاء کیا۔ مسلمانوں کو الگ تنظیم سازی پر مائل کیا۔ ہندوستان کو ''دارالحرب'' کے بجائے ''دارالسلام'' قرار دے کر ہجرت کرنے کے بجائے اسی خطہ پر اسلامی معاشرہ کے قیام کیلئے قلمی جہاد کے علاوہ عملی کوششیں بھی کیں۔ بالآخر اسلامی مملکت کے قیام کی مسرت نصیب ہوئی۔

جہاں ایک طرف امام احمد رضا نے مشرکین سے اتحاد توڑنے اور مرتدین کا ساتھ چھوڑنے کا حکم دیا وہاں ساتھ ہی امام احمد رضا نے مسلمانوں کے اپنے معاشرے میں پھیلے ہوئے منکرات و بدعات کی زبردست مخالفت کی اور برائیوں سے پاک کرنے کی مسلسل سعی کی۔ اسلامی معاشرے کی اصلاح کا جو تصور آپ کے ہاں ملتا ہے وہ آپ کے کسی اور ہم عصر مصلح کے ہاں نہیں ملتا ہے۔

ڈاکٹر شمس الدین (۱۹۹۳ء چیئرمین ڈپارٹمنٹ آن ماس کمیونیکیشن) مجلہ امام احمد رضا کانفرنس کے نام ایک پیغام میں لکھتے ہیں:

''آپ نے اسلامی معاشرہ کی برائیوں اور غیر اسلامی رسم و رواج سے پاک کرنے کی جو سعی پیہم کی اور پنی تحریروں کو دوقومی نظریہ اور مسلم نشاۃ ثانیہ کیلئے استعمال کیا آپ کو بجا طور پر اس صدی کا سب سے بڑا سماج سدھاک اور مجتہد قرار دیا جاسکتا ہے''۔(۱۱)

الغرض مولانا احمد رضا خاں بریلوی، ان کے صاحبزادگان، خلفاء اور تلامذہ نے تحریک احیاءِ اسلام اور تحریکِ آزادیٔ ہند میں قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ خصوصاً احیاءِ اسلام اور تحریکِ آزادیٔ

ہند میں قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ خصوصاً پاکستان کی فطری اساس کی تعمیر و تشکیل میں جو اہم کردار ادا کیا وہ مؤرخین کی توجہ کا مستحق ہے۔

میاں عبدالرشید نے مولانا احمد رضا بریلوی اور ان کے معتقدین کی سیاسی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے صحیح لکھا ہے کہ:

"When Pakistan resolution was passed in 1940, the efforts of Hazrat Barelvi and all his adherents and spiritual leaders rose as one man to support Pakistan Movement. Thus the contribution of Hazrat Barelvi towards Pakistan is not less than that of Allama Iqbal and Quaid-e-Azam"

الغرض دنیائے اسلام کا یہ عظیم انسان جس نے ملت اسلامیہ کو اوجِ ثریا تک پہنچایا۔ جس نے اپنے ناموس کو ناموسِ اسلام و ناموسِ مصطفیٰ ﷺ پر قربان کر دیا۔ جس کی عظمت کا عرب و عجم نے اعتراف کیا۔ جس نے نصف صدی تک گلشنِ اسلام کو اپنے خونِ جگر سے سینچا۔ یہ عظیم انسان فریضۂ تجدید و احیاءِ دینِ متین کی تکمیل کے بعد ۲۵ رصفر المظفر ۱۳۴۰ھ یوم جمعۃ المبارک اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا خاں نے نہ صرف مسلم معاشرے کی اصلاح کیلئے ملک گیر مہم چلائی بلکہ آپ کا فکر و عمل تحریکِ پاکستان کی بنیاد بنا۔ جس میں مسلم معاشرہ کو حقیقی تعبیر ملنا تھی اور تحریک پاکستان میں آپ کی سیاسی بصیرت و بصارت کو کسی بھی طور پر فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ احمد رضا خاں بریلوی کی سیاسی فراست کو نئی نسل تک زیادہ سے زیادہ اجاگر کیا جائے کیونکہ ہمارے مؤرخوں نے تاریخِ پاکستان اور تشکیل پاکستان کو مرتب کرنے میں انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا ہے۔ واضح رہے کہ تاریخی بد دیانتی نہ صرف اخلاقی جرم ہے بلکہ ایک تاریخی جرم ہے جسے معاف کرنا اصل تاریخ کی نفی کرنا ہے۔

حواشی حوالہ جات

(۱) مجلّہ ''معارف رضا'' ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا پاکستان (ریگل) صدر، کراچی ۲۰۰۰ء، ص ۴۵

(۲) ڈاکٹر صفر محمود، مطالعہ پاکستان، مکتبہ اردو ڈائجسٹ، لاہور ۱۹۷۳ء، ص ۱۳،

(۳) سید ہاشمی فرید آبادی، تاریخ مسلمانانِ پاک و ہند، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی ۱۹۵۳ء، ص ۵۵۴

(۴) مجلّہ ''معارف رضا'' ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا پاکستان (ریگل) صدر، کراچی ۲۰۰۰ء، ص ۷۶

(۵) ایضاً ص ۷۷

(۶) ریاض الھدیٰ، تحریک تشکیل پاکستان، علمی کتاب خانہ، لاہور ۲۰۰۰ء، ص ۴۶۳

(۷) مجلّہ ''معارف رضا'' ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا پاکستان (ریگل) صدر، کراچی ۲۰۰۰ء، ص ۴۳

(۸) ایضاً ص ۴۳

(۹) ایضاً ص ۴۴

(۱۰) ایضاً ص ۴۵

(۱۱) ایضاً ص ۴۶

☆☆☆

تحریکِ ترکِ موالات پر

امام احمد رضا بریلوی اور پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی

کا یکسان موقف

تحریر: مولانا حافظ محمد عطاء الرحمٰن قادری*

اسلام کو ہندومت میں مدغم کرنے کی ناکام کوشش سب سے پہلے مغل بادشاہ اکبر نے کی جسے حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہما الرحمۃ نے اپنی مسلسل شبانہ روز جدوجہد سے ناکام بنایا۔ اس فتنے نے پھر دوبارہ بیسویں صدی کے اوائل میں بڑے زور دار انداز میں سر اٹھایا اور ایک سیلاب کی مانند پورے ہندوستان میں پھیل گیا۔ اس سیلاب کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ عوام تو عوام کئی علماء بھی اس کی تیز رو میں بہہ گئے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ پہلی جنگِ عظیم کے بعد تقریباً ۱۹۱۹ء میں ترکوں پر انگریزوں کے مظالم کے خلاف تحریکِ خلافت کا آغاز ہوا اور پورے ملک میں انگریز حاکموں کے خلاف شورش برپا ہوگئی (۱)۔ کچھ ہی عرصہ بعد گاندھی بھی اس تحریک میں شامل ہوگئے ۔ غور فرمایئے جس گاندھی نے جنگِ عظیم میں ہندوستانی فوجیوں کی بھرتی کی زبردست حمایت کی (۲) اور جو ہندوستان میں مسلمانوں کو ایک قطعۂ زمین دینے کیلئے بھی تیار نہیں تھا اسے عالمی سطح پر مسلمانوں کی حمایت اور خلافت کی بحالی سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے؟ دراصل اس تحریک میں گاندھی کے شمولیت کے حقیقی اور اصلی مقاصد کچھ اور تھے جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ہندو مسلم اتحاد کے ذریعے مسلمانوں کے علیحدہ قومی تشخص کا خاتمہ،

(۲) ہندوستان کی آزادی اور ہندو راج کا قیام،

(۳) ذاتی شہرت کا حصول،

(۴) ضعیف العقیدہ مسلمان کی دولتِ ایمان سے محرومی،

یہ چاروں مقاصد پڑھ کر عام قاری کو حیرت ہوگی کہ خلافت کے مقدس و مبارک نعرے کے ذریعے کیا ان مکروہ عزائم کی تکمیل ممکن ہے؟ لیکن آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ گاندھی نے کیسے اپنا جال بچھایا؟ کچھ علماء کو کیسے اپنا آلۂ کار بنایا؟ زمامِ قیادت کیسے اپنے ہاتھوں میں لی؟ اسکی تفصیلات کا جب علم ہوتا ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ اگر اس گٹھ جوڑ کا فوراً سدِ باب نہ کیا جاتا تو ہندو اپنے مقاصد میں کامیاب ہو چلے تھے۔

تحریکِ ہجرت کا آغاز:

تحریکِ خلافت کے بطن سے تحریکِ ہجرت نے جنم لیا، مسلمانوں کے علیحدہ قومی وجود کا خاتمہ، اور اگر یہ نہیں تو سرے سے ان

*(ریسرچ اسکالر، جامعہ پنجاب، لاہور)

سے چھٹکارا، ہندوؤں کی اولین تمنا تھی، جس کیلئے گاندھی نے یہ چال چلی کہ خلافتی لیڈروں اور جمعیت علمائے ہند کے قائدین سے ہندوستان کو دارالحرب قرار دلوا کر ہجرت کا فتویٰ جاری کروادیا (۳)۔ اٹھارہ ہزار سادہ لوح مسلمان اپنی جائیدادیں کوڑیوں کے بھاؤ بیچ کر احتجاجاً ہندوستان سے ہجرت کر کے افغانستان چلے گئے۔ افغانستان جیسا غریب ملک اتنے افراد کی مستقل میزبانی کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا لہٰذا اگلے ہی ہفتے واپسی شروع ہوگئی۔ واپس آئے تو نہ رہنے کو ٹھکانہ اور نہ گزر اوقات کیلئے ذریعہ معاش، جائیدادیں زیادہ تر ہندوؤں نے خرید لیں تھیں۔ حتیٰ کہ پشاور کی تحصیل صوابی سب کی سب ہندوں کے ہاتھ بک گئی تھی۔ آخرکار انگریزوں کے پاس جا کر منت سماجت کی تو انہوں نے ایک قانون پاس کیا کہ مہاجرین کی زمینیں اور مکانات ان ہی قیمتوں پر واپس کیئے جائیں جن پر خریدے گئے تھے (۴)۔ سفر کے مصائب و تکالیف ہی کم نہ تھے کہ انگریزوں سے درخواست اور منت سماجت کی ذلت بھی اٹھانا پڑی۔ مقامِ حیرت ہے کہ سادہ لوح مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے والے لیڈریوں میں سے کسی نے بھی ہجرت نہ کی اور بلا وجہ مسلمانوں کو مشکلات سے دوچار کیا اور بہت سے صاحبِ حیثیت مسلمانوں کو بھیک مانگنے کی ذلّت پر مجبور کیا۔

افسوس!

لیا عقل و دیں سے نہ کچھ کام انہوں نے

کیا دینِ حق کو بدنام انہوں نے

تحریکِ ترکِ موالات:

تحریک کو مزید تیز کرنے کیلئے گاندھی نے کانگریس کی طرف سے انگریز حکومت سے ترک موالات یعنی (Non-Cooperation) تحریک کو اعلان کیا۔ یعنی انگریزوں کی گورنمنٹ سے کسی طرح کا تعاون نہیں کریں گے۔ ٹیکس نہیں دیں گے، امداد نہیں لیں گے، ملازمت چھوڑ دیں گے۔

جناب ابوالکلام آزاد نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس اعلان پر لبیک کہا اور اسے ترکِ موالات کا نام دے کر اس میں یہاں تک مبالغہ سے کام لیا کہ حکومت سے ترکِ موالات کو یوں فرض قرار دے دیا جیسے نماز روزہ اور دوسرے ارکانِ اسلام فرض ہیں (۵)۔ گاندھی نے خصوصی طور پر تاکید کی کہ اس تحریک میں مولویوں اور مذہبی دیوانوں کو ساتھ ملائیں (۶)۔ چنانچہ مذہبی دیوانوں اور مولویوں کی بھرتی کے فرائض جمعیت علماء ہند اور خلافت کمیٹی نے انجام دیئے۔ مذہبی دیوانوں کی شمولیت اس لئے بھی ضروری تھی کہ ان کے جذبات کو آسانی سے ابھار کر ان کی عقل و خرد پر گرفت مضبوط کریں اور پھر ان سے جو چاہیں کام لیں۔ انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہاں بھی مسلمانوں کو ہی قربانی کا بکرا بنایا گیا۔ انہیں کے کالجوں اور اسکولوں کو حکومتی امداد لینے سے روکا گیا۔ انگریز پہلے ہی مسلمانوں کو سرکاری نوکریاں دینے کے معاملے میں امتیازی رویہ برتتے تھے۔ اس کے باوجود جو چند گنے چنے مسلمان اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے انہیں دباؤ ڈال کر استعفیٰ دینے پر مجبور کیا گیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ادھر سے اگر ایک مسلمان اپنا عہد چھوڑے تو ادھر سے پچاس ہندو اپنے مناصب چھوڑ دیں کیونکہ وہ تعداد میں زیادہ تھے، لیکن اس کے برعکس ہوا یہ کہ سوائے دکھاوے کے چند ہندوؤں نے اکثر نے نہ تو ملازمتیں چھوڑی اور نہ ہی سرکاری خطابات واپس کیئے اور نہ ہی کوئی ہندو اسکول، کالج یا یونیورسٹی بند کی گئی۔

ہندو مسلم اتحاد کا نقطۂ عروج:

ان مسلمان زعماء نے نہ صرف اپنا ذہن اور عقل گاندھی کی نذر کیا بلکہ اپنا دین و مذہب بھی گاندھی کے چرنوں پر قربان کر دیا۔ یہی ہندو مسلم اتحاد کا نقطۂ عروج اور منطقی نتیجہ تھا۔ ذرا دل تھام کے سطور ذیل ملاحظہ فرمائیے کہ کس کس نے کیسے متاعِ دین و دانش کو ہندو مسلم اتحاد کی بھینٹ چڑھا دیا۔

۱.........فقیر نان کو آپریشن کے مسئلے میں بالکل پسِ رو گاندھی صاحب کا ہے، ان کو اپنا راہنما بنالیا ہے، جو وہ کہتے ہیں وہی مانتا ہوں ،میرا حال تو سرِ دست اس شعر کی موافق ہے۔

عمرے کہ بآیات و احادیث گذشتہ
رفتی و نثارِ بت پرستی کردی

(مولانا عبدالباری فرنگی محلی) (۷)

۲.........اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو گاندھی نبی ہوتے۔

(ظفر الملک) (۸)

۳.........خدا نے ان کو (گاندھی کو) تمہارے لیے مذکر بنا کر بھیجا ہے۔ (عبدالماجد بدایونی) (۹)

۴.........زبانی جے پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ اگر تم ہندو بھائیوں کو راضی کرو گے تو خدا کو راضی کرو گے (مولانا شوکت علی) (۱۰)

۵.........ابوالکلام آزاد، گاندھی سے جس قدر متاثر تھے اتنا شاید کوئی نہ ہوا، نہ ہوگا۔ ۱۹۲۰ء میں پہلی مرتبہ ان کی گاندھی سے ملاقات ہوئی اس کے بعد بقول آزا:

"اس دن سے آج تک جب ۱۹۴۸ء ہے ۲۷۔ برس گزر چکے ہیں، ۲۷ برس کے یہ دن ہم پر ایسے گزرے کہ ہم ایک ہی چھت کے نیچے رہے"۔ (۱۱)

گاندھی کی عقیدت و محبت ہی کا نتیجہ تھا کہ ۱۹۲۱ء میں انہوں نے ناگپور میں جمعہ کے خطبۂ اولیٰ میں مسٹر گاندھی کی تعریف و توصیف فرمائی۔ (۱۲)

ہندوؤں سے محبت اور وداد و اتحاد ہی کا نتیجہ ہے کہ ۱۵/ دسمبر ۱۹۲۳ء میں انڈین نیشنل کانگریس دہلی کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے ابوالکلام آزاد نے کہا:

"آج اگر ایک فرشتہ آسمان کی بدلیوں سے اتر کر آئے اور قطب مینار پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کردے کہ سوراج ۲۴ گھنٹوں کے اندر مل سکتا ہے بشرطیکہ ہندو مسلم اتحاد سے دستبردار ہو جائے تو سوراج سے دستبردار ہو جاؤں گا مگر اس "ہندو مسلم اتحاد سے دستبردار نہیں ہوں گا"۔ (۱۳)

ایک موقع پر گنگا جمنا کی زمینوں کو مقدس قرار دیتے ہوئے کہا:

"اگر خلافت کا خاطر خواہ فیصلہ ہو بھی جائے تب بھی ہماری جدو جہد جاری رہے گی، اس وقت تک کہ ہم گنگا و جمنا کی مقدس سرزمین آزاد نہ کرالیں"۔ (۱۴)

غور فرمائیے جب بڑوں کا حال یہ ہے تو چھوٹوں کا حال کیا ہوگا۔ آیئے ان کے ابتر حال کی بھی ایک مختصر جھلکی ملاحظہ فرماتے چلئے:

گاندھی کی شان میں ایک شاعر طاہر مراد آبادیوں گویا ہوتے ہیں:

غریب قوم کے مردہ بدن میں جان ڈالی ہے
لگائے اپ نے ٹھوکر مہاتما گاندھی

ہمیں امید ہے ہم کامیاب ہوں گے ضرور
کہ ہیں ہماری مدد پر مہاتما گاندھی (۱۵)

حامد علی خاں برادر ظفر علی خاں یوں مدح سرا ہوتے ہیں۔

وہ مرتبہ گاندھی کو ملاخدمتِ دیں سے
مسلم کو بھی ہے رشک کہ کافر نہ ہوا تھا(۱۶)

اس کے علاوہ عام مسلمان مندروں میں گئے، قشقہ لگوایا، گاندھی کے حکم سے ستیہ گرہ کا روزہ رکھا۔ ویدکو الہامی کتاب تسلیم کیا گیا۔ کرشن جی کو حضرت موسیٰ کا لقب مان لیا گیا، رامائن کی پوجا کی گئی ارتھی کندھوں پر اٹھا کر مرگھٹ تک لیے گئے، مشرکوں کی مغفرت کیلئے مساجد میں دعائیں کی گئیں، دسہرے میں شرکت کی گئی، اللہ کو رام کہا گیا، سنکھ بجائے گئے، قاتل مشرکوں کی رہائی کیلئے مسلمانوں کی جانب سے کوششیں کی گئیں۔(۱۷)

شعائرِ اسلام کی بے حرمتی:

ان تحاریک کے دوران شعائر اسلام کی بھی بے حرمتی کرنے سے دریغ نہیں کیا گیا جس کی دو مثالیں حسب ذیل ہیں:

❁ جامع مسجد دہلی کے منبر پر سوامی شردھانند اور شاہی مسجد لاہور کے منبر پر رام بھجدت چودھری کو بٹھایا گیا(۱۸)۔ یونہی گاندھی کو جامع مسجد شیخ خیرالدین امرتسر کے منبر پر بٹھا کر یوں دعا کی گئی:

''اے اللہ! تو گاندھی کے ذریعے اسلام کی مدد فرمایا''(۱۹)

❁ گائے کی قربانی کو جو شعائر دین میں سے ہے، رکوانے کی بھرپور کوششیں کی گئی دسمبر ۱۹۱۹ء میں حکیم اجمل خان نے مسلمانوں کو نصیحت کی کہ وہ گاؤ کشی بند کر دیں(۲۰)۔ مسلمانوں کی جانب سے ترک گاؤ کشی کی اپیلیں دیکھ کر ہندوؤں کا حوصلہ بڑھا اور انہوں نے بھی اخباروں میں اس قسم کے اشتہار شائع کروانا شروع کر دیئے:

''ایک مسلمان مولوی صاحب لیکچرار چاہیے واسطے آہنسا پرچاری سبھا کاشی کے جو چھوٹی قوموں مثلاً کنجڑ، قصاب، کپڑے وغیرہ میں جا کر پہلے مولود شریف کریں بعدہٗ رحم و ترکِ گوشت خوری پر لیکچر شہر بشہر دیں''(۲۱)

جمعیت علمائے ہند کے کسی کارکن نے اس دعوت کو ضرور قبول کیا ہوگا۔

فاضلِ بریلوی کا نعرۂ حق:

مجدِّ دین وملّت، امامِ اہلسنّت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی اپنے آقا و مولیٰ احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفی ﷺ کی شان میں کھلی گستاخیاں، اور اسلام کی واضح بے حرمتی دیکھ کر کیسے آرام سے بیٹھ سکتے تھے وہ تو پہلے سے ہی ناموسِ رسالت پر فدا ہونے کے جذبے کا یوں واشگاف الفاظ میں اظہار کر چکے تھے:

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا، کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

چنانچہ آپ کا قلمِ حقیقت رقم فوراً حرکت میں آیا اور قلمی جہاد کا آغاز کر دیا۔ آپ نے ہندوستانی مسلمانوں کی ڈوبتی نیا کو سنبھالا دینے کیلئے مندرجہ ذیل کتب تحریر کر کے شرعی رہنمائی فرمائی۔

۱- انفس الفکر فی قربان البقر	۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء
۲- اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالسلام	۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء
۳- تدبیر فلاح ونجات واصلاح	۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء
۴- دوام العیش فی الائمۃ من قریش	۱۳۳۹/۱۹۲۰ء
۵- المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ	۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء
۶- الطاری الداری لھفوات عبد الباری	۱۳۳۹/۱۹۲۱ء

ان رسائل کے مطالعہ سے آپ کے سیاسی افکار و نظریات سے متعلق درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱...... امام احمد رضا، سیاسی، یا کسی دنیوی منفعتوں و مصلحتوں کی بناء پر

شریعت کے کسی حکم سے اعراض کرنے کیلئے آمادہ نہ تھے،

۲......سیاسی معاملات میں اشتعال انگیزی اور جذباتیت کو پسند نہیں کرتے تھے،

۳......قوم پرستانہ سیاست و وحدتِ ملّی کو قربان کرنے کیلئے تیار نہ تھے'

۴......یہود و نصاریٰ، ہندو و آتش پرست بلکہ تمام مرتدین و مشرکین کو مسلمانوں کا بدخواہ سمجھتے تھے اور ان سے سیاسی مفاہمت کو مسلمانوں کیلئے مضر و غیر مفید خیال کرتے تھے۔(۲۲)

المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ:

امام احمد رضا پالیٹیشن (Politician) نہیں اسٹیٹس مین (Statesman) تھے۔ سیاسی لیڈر نہ تھے مدبر تھے۔ پالیٹیشین اور سیاسی لیڈر عوام کی خواہشات کے تابع ہوتے ہیں جبکہ اسٹیٹسمین اور مدبرین پیش بِنی اور رہنمائی کرکے حالات کا رخ متعین کرتے ہیں۔ فاضل بریلوی نے جذاتیت سے ہٹ کر تحریکِ خلافت ،ہجرت اور ترکِ موالات کا مطالعہ کیا اور یہ نتیجہ نکالا کہ سلطنتِ عثمانیہ کی حمایت و نصرت درست ہے بلکہ عملاً آپ نے خود فنڈ دیا اور احباب و معتقدین سے امداد دلوائی(۲۳)۔لیکن آپ کا موقف یہ تھا کہ جمیعت علمائے ہند اور خلافت کمیٹی کا سلطنتِ عثمانیہ کی حمایت میں تحریک چلانے کا انداز غلط ہے یعنی ایک ہندو کو قیادت سپرد کردینا، ہندو مسلم اتحاد کے نعرے بلند کرنا، کفریہ کلمات بولنا، شعائر اسلام کی توہین کرنا وغیرہ وغیرہ۔

ابوالکلام آزاد اور ان کے ساتھیوں کا کہنا یہ تھا کہ سورۂ ممتحنہ کی آیت ۸ رکی رو سے ہندوؤں سے اتحاد و محبت کا سلوک جائز ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس فاش غلطی کی زبردست گرفت کی اور الگ الگ استفتاؤں کے جواب میں ۱۴۱ رصفحات پر مشتمل معرکۃ الآراء کتاب المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ تحریر فرمائی۔اس کے چند اقتباسات مندرجہ ذیل ہیں:

''ترکِ معاملت کو ترکِ موالات بنا کر قرآن عظیم کی آیتیں کہ ترکِ موالات میں ہیں سوجھیں مگر فتوائے مسٹر گاندھی سے ان میں استثنائے مشرکین کی پچر لگائی کہ آیتیں اگرچہ عام ہیں مگر ہندوؤں کے بارے میں نہیں۔ ہندو تو ہادیانِ اسلام ہیں۔ آیتیں تو صرف نصاریٰ کے بارے میں ہیں نہ کُل نصاریٰ فقط انگریز''(۲۴)

مدرجہ بالا سطور میں امام احمد رضا نے معاملت اور موالات میں فرق بتایا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ تحریکِ ترکِ موالات کے بانی گاندھی نے تحریک کا نام ''نان کوآپریشن (Non- Co-apration) رکھا جس کا اردو ترجمہ ظفر علی خاں نے ''عدمِ تعاون'' کیا۔ لیکن ابوالکلام آزاد نے جان بوجھ کر اسے ترکِ موالات کا نام دے کر مذہبی رنگ دینے کی کوشش کی(۲۵)۔ جبکہ معاملہ اور موالات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

موالات کا معنی ہے دوستی اور محبت، ترکِ موالات کا معنی ہوا دوستی اور محبت چھوڑ دی جائے۔ کس سے؟ اسلامی تعلیمات کے مطابق ایک مسلمان کے دل میں کسی کافر کی محبت نہیں سماسکتی خواہ وہ انگریز ہو یا ہندو البتہ معاملہ یعنی لین دین، خرید و فروخت، مرتد کے علاوہ کسی بھی کافر سے کیا جاسکتا ہے۔(۲۶)

موئیدینِ تحریکِ ترکِ موالات کی فاش غلطیوں اور ہندوؤں سے محبت و مودت کی مذمت کرتے ہوئے فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

''حضراتِ لیاڈر نے مسئلہ موالات میں سب سے بڑھ کر اودھم مچائی، اوروں میں افراط یا تفریط ایک ہی پہلو پر گئے اس میں دونوں کی رنگ رچائی افراط وہ کہ نصاریٰ سے نری معاملت بھی حرام قطعی اور تفریط یہ کہ ہندوؤں سے اتحاد بلکہ ان کی غلامی فرضِ شرعی''(۲۷)

مؤیدینِ تحریکِ ترکِ موالات نے آیاتِ قرآنی میں جو تاویلات بلکہ تحریفات کی تھیں اس پر فاضل بریلوی نے زبردست علمی گرفت فرمائی ہے۔ دلیل کی پختگی اور حوالہ جات کی کثرت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ صرف حربی مشرکوں سے موالات کو باطل قرار دیتے ہوئے آپ نے چند صفحات میں ۳۴ کتبِ احادیث وفقہ کے حوالے دیئے ہیں۔ طوالت کے خوف سے وہ دلائل ہم یہاں نقل کرنے سے معذور ہیں البتہ وہ آیۂ کریمہ ضرور نقل کریں گے جس سے استدلال کرتے ہوئے فاضلِ بریلوی نے تمام کافروں سے موالات حرام ہونا ثابت کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

موالات مطلقاً ہر کافر ہر مشرک سے حرام ہے اگرچہ ذمّی مطیعِ اسلام ہو اگرچہ اپنا باپ یا بیٹا یا بھائی یا قریب ہو، قال تعالیٰ:

لَا تَجِدُ قَوماً يُؤمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ يُوآدُّونَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَو كَانُوا اٰبَآءَ هُم اَوْاَبنَاءَ هُم اَو اِخوَانَهُم اَو عَشِيرَتَهُم

''تو نہ پائے گا ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور قیامت پر کہ دوستی کریں اللہ و رسول کے مخالفوں سے اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں''۔

(المجادلة:۲۲) (۲۸)

ابوالکلام آزاد کا ایک استدلال یہ بھی تھا کہ چونکہ ہندو ہم سے نہیں لڑتے لہٰذا ان سے محبت ومودت جائز ہے۔ فاضل بریلوی اس کمزور دلیل کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کیا وہ ہم سے دین پر نہ لڑے؟ کیا قربانی گاؤ پر ان کے سخت ظالمانہ فساد پرانے پڑ گئے؟ کیا کٹار پور و آرہ کہاں کہاں کے ناپاک و ہولناک مظالم جو ابھی تازے ہیں دلوں سے محو ہو گئے؟ بے گناہ مسلمان نہایت سختی سے ذبح کیئے گئے، مٹی کا تیل ڈال کر جلائے گئے، ناپاکوں نے پاک مسجدیں ڈھائیں، قرآن کریم کے پاک اوراق پھاڑے، جلائے اور ایسی ہی وہ باتیں جن کا نام لیئے کلیجہ منہ کو آئے''۔(۲۹)

بریلی کا جلسۂ خلافت:

وسط رجب ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں بریلی میں جمعیت علمائے ہند کا ایک عظیم جلسہ ہوا۔ اس موقع پر ابوالکلام آزاد اور صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی کے درمیان سیاسی امور پر گفتگو کرنے اور اختلافات ختم کرنے کیلئے مراسلت ہوئی جو بے نتیجہ رہی۔

اس کے بعد علمائے اہلسنّت نے یہ طے کیا کہ خود جلسہ میں پہنچیں۔ صدرِ جلسہ ابوالکلام آزاد تھے۔ ان سے اظہارِ خیال کیلئے وقت مانگا گیا۔ انہوں نے صرف خلیفۂ اعلیٰ حضرت علامہ پروفیسر سید سلیمان اشرف کو ۳۵ رمنٹ دیئے جنہوں نے ترکِ گاؤکشی اور تحریکِ ترکِ موالات کے خلاف مدلل تقریر فرمائی اور اس مسئلے پر علمائے اہلسنّت کے موقف کو واضح کیا۔ ان کی تقریر سے مجمع کا رنگ بدل گیا۔ پروفیسر موصوف نے مسٹر گاندھی کو مسلمانوں کا پیشوا بنانے پر اعتراض کیا، اراکین خلافت کمیٹی کی فاحش شرعی غلطیوں کی نشاندھی فرمائی اور

یہ کہا کہ علمائے اہلسنت کو ترکوں کی مدد اور مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت سے انکار و اختلاف نہیں۔ اختلاف ہے تو ان حرکات سے جو دینِ اسلام کی منافی ہیں۔

ان کے بعد ابوالکلام آزاد نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

''موالات جیسی نصاریٰ کے ساتھ حرام ہے، ہندو کے ساتھ بھی حرام ہے''۔

ان کے بعد امام احمد رضا کے فرزندِ اکبر مولانا حامد رضا بریلوی نے فرمایا:

''حرمین شریفین، مقاماتِ مقدسہ اور ممالکِ اسلامیہ کی حفاظت وخدمت بقدرِ طاقت و وسعت فرضِ عین ہے اور فرمایا کہ میں تحریکِ عدمِ تعاون سے اختلاف نہیں کرتا، اختلاف ان امور سے ہے جو اختیار کیئے گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ جماعتِ رضائے مصطفیٰ کی طرف سے ستر سوال بعنوان ''اتمام حجت تامہ'' کا جواب طلب کیا گیا اور ابوالکلام آزاد سے مطالبہ کیا گیا وہ بھی اپنی غیر شرعی اقوال وحرکات سے توبہ کا اعلان کریں''۔

اس جلسہ میں مولانا حامد رضا خاں صاحب نے ابوالکلام آزاد صاحب کو یاد دلایا کہ انہوں نے خطبۂ جمعہ میں گاندھی کی تعریف کی ہے، جس پر ابوالکلام آزاد نے تردید کرتے ہوئے کہا میری طرف سے یہ نسبتِ کذب ہے۔(۳۰)

آزاد صاحب نے جلسہ گاہ میں تمام غیر شرعی امور سے توبہ کرنے اور ان سے بیزاری شائع کرنا کا وعدہ کیا(۳۱)۔ لیکن افسوس کہ دیگر وعدوں کی مانند یہ وعدہ بھی وہ پورا نہ کرسکے۔

فاضل بریلوی کی اصلاحی کوششوں کے نتائج:

فاضل بریلوی نے خلوصِ نیت سے ہندوؤں سے محبت و مودت کرنے والے لیڈروں کو توبہ کی دعوت دی تھی بفضلہ تعالیٰ اس کے بہت اچھے اثرات برآمد ہوئے، لاکھوں مسلمانوں نے ہندوؤں سے وداد واتحاد سے توبہ کرلی۔ بالخصوص خلافت کمیٹی کے رکنِ رکین مولانا عبدالباری فرنگی محلی صاحب نے نہ صرف توبہ کی بلکہ اپنا توبہ نامہ بھی شائع کروادیا۔(۳۲)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ۲۵رصفر ۱۳۴۰ھ/ ۲۸راکتوبر ۱۹۲۱ء کو وصال فرماگئے بعد میں علی برادران نے بھی فاضل بریلوی کے خلیفہ کے سامنے ہندوؤں سے محبت ومودت سے توبہ کرکے اپنی عقابت سنوار لی۔(۳۳)

فاضل بریلوی کی تصنیف ''المحجۃ المؤتمنہ، تحریکِ آزادی کی قیمتی دستاویز ثابت ہوئی جس نے اقبال و جناح کے خیالات میں تبدیلی کی راہ ہموار کی (۳۴)۔ اقبال کو گاندھی کی قیادت سے اختلاف تھا (۳۵)۔ لیکن کوثر نیازی کے بقول ''علامہ اقبال ایک زمانے میں تحریکِ خلافت کی صوبائی کمیٹی کے صدر تھے مگر جب تحریک کے اصل ھدف سے آگاہ ہوئے تو صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔ ان کے یہ اشعار اس دور کی یادگار ہیں ۔

نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا
خلافت کی کرنے لگا ہے گدائی
خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلمانوں کو ہے ننگ وہ بادشاہی(۳۶)

امام احمد رضا کی اس اصلاحی جدو جہد کو دیکھتے ہوئے یہ

کہنے میں ذرّہ برابر مبالغہ نہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے بعد ہندوستان میں دو قومی نظریہ آپ نے زندہ کیا (۳۷)۔ جس کی آبیاری آپ کے خلفاء، تلامذہ اور معتقدین نے کی اور یوں پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔

دوسری جانب تحریکِ ترکِ موالات کے کے جن حامیوں نے توبہ نہ کی اور اپنی ضد پر اڑے رہے وہ ابتداء میں متحدہ قومیت اور آخر میں ''وحدتِ ادیان'' کے گمراہ کن عقیدے کے اسیر ہوگئے۔

چنانچہ ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں:

''ابو الکلام آزاد نے اپنی تفسیر ترجمان القرآن کی جلد اول میں اس آیت ''ان الذین اٰمنو والذین ھادو ......الخ'' کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے ''انسان خواہ کسی دین و مذہب سے کیوں نہ ہو اگر وہ خدا پر ایمان رکھتا ہے تو نجاتِ اخروی کا مستحق ہے''

مسٹر گاندھی کو اس تفسیر سے بڑی تقویت ملی اور خوشی ہوئی کیونکہ وہ اس تفسیر کے مطابق خود کو نجاتِ اخروی کا مستحق سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے تفسیر کے اس حصے کا گجراتی میں ترجمہ کرا کے شائع کیا اور تقسیم کرایا۔ یہ انکشاف خود مسٹر گاندھی نے جامعہ ملّیہ، دہلی کے ایک اجلاس میں کیا۔ (۳۸)

پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی کا مجاھدانہ موقف:

پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمہ ایک باعمل شیخِ طریقت ،عظیم نعت گو شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ متبحر عالمِ دین بھی تھے۔ اور پنجاب کے ایک دور افتادہ قصبے گولڑہ شریف میں حق وصداقت کا چراغ روشن کیئے ہوئے تھے۔ جمعیت علماء ہند اور خلافت کمیٹی کے دباؤ کے باوجود آپ نے وہی لکھا اور کہا جو قرآن وسنت کا حکم تھا۔ آپ کا موقف حضرت فاضل بریلوی کے موقف سے مطابقت رکھتا ہے۔

آپ کے نظریات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱---- صحیح حدیث کی رُو سے جناب نبی کریم ﷺ کے بعد صرف تیس برس تک اسلامی خلافتِ راشدہ رہی بعد ازاں سلطنت ہوگئی تھی جس کیلئے حدیث شریف میں عضوضیت اور جبر کا مفہوم آیا ہے۔ (۳۹)

۲---- سادہ لوح مسلمانوں کی احتجاجاً ہندوستان سے افغانستان ہجرت کے متعلق جب آپ سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

''اس ہجرت کے جواز کی کوئی وجہ کتاب وسنت اور دیگر دلائلِ شرعیہ سے نہیں ملتی۔ ہندوستان میں سات کروڑ مسلمان ہیں۔ اگر بالفرض سب پر ہجرت فرض ہے تو کوئی ملک اتنی بڑی جماعت کو بسا نہیں سکتا۔ پس بوجہ فقدانِ استطاعت یہ رض ساقط ہے اور اگر سب پر فرض نہیں بعض پر فرض ہے تو اس ترجیح بلا مرجح کی توجیح نہیں ہوسکتی۔ (۴۰)

۳---- حضرت سے جب سوال کیا گیا کہ گاندھی جی جو سناتن دھرمی ہندو ہیں اور جن کا ارشاد ہے کہ میں بت پرست ہوں اور بت پرستی سے محبت کرتا ہوں۔ کیا مسلمانوں کیلئے ان کے احکام کے تحت چلنا شرعاً جائز ہے یا نہیں تو آپ نے ناجائز بتاتے ہوئے فرمایا:

''مسلمان کیلئے چار امور پر عمل پیرا ہونے کا حکم ہے:

(۱) کتاب اللہ
(۲) سنتِ رسول ﷺ
(۳) اجماع الامۃ
(۴) قولِ مجتہد

گاندھی جی (قسم کے لوگوں) کے قول کا اتباع کہیں نہیں

آیا۔ بلکہ لاتتری ناراھما کا حکم تو حدیث میں ہے یعنی مسلمانوں اور مشرکین کی آگ بھی ایک دوسرے کو نہ دیکھے گی۔(۴۱)

۴---حضرت قبلۂ عالم پیر مہر علی شاہ نے ہندو سے موالات کے جواز کا انکار فرمایا۔ بلکہ فرمایا کہ یہود اور مشرکین کی عداوت قرآن شریف میں صراحۃً مذکور ہے۔ پس ترکِ موالات ہندو اور انگریز اور یہود سب سے ہونی چاہیے۔ تفریق اور ترجیح بلا مرجح ٹھیک نہیں۔ نیز آپ نے کھدر کے استعمال کو تسلیم نہ کیا اور فرمایا کہ فقہ اور دین کی کتابوں میں ایسا کوئی حکم نہیں۔ اور ذبح گاؤ کی قباحت کو آپ نے ردّ کیا۔ فرمایا ذبح گاؤ کی خوبیاں اور فضیلت مذکور ہے اس طرح آپ نے گاندھی جی کی تمام باتوں کو تسلیم کرنے سے انکار فرمایا۔ جس کی وجہ سے سب لیڈر آپ سے ناراض ہو گئے۔(۴۲)

ابوالکلام آزاد سے ایک علمی سوال:

حضرت بابو جی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ انہی دنوں مولوی ابوالکلام آزاد کا ایک مضمون شائع ہوا اور حضرت کی نظر سے گزرا جس میں آیتِ کریمہ ذیل کی تشریح میں لکھا تھا کہ میں خلافت کی تحریک اور ہندو مسلم اتحاد کے معاملے میں بصیرت پر ہوں:

قُل هٰذِهٖ سَبِيلِى اَدعُوا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِى

"تم فرماؤ یہ میری راہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں اور جو میرے قدموں پر چلیں دل کی آنکھیں رکھتے ہیں"۔ (یوسف:۱۰۸)

حضرت قبلۂ عالم پیر مہر علی شاہ صاحب نے مولوی ظفر علی خان کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے مجلس میں اپنے موجودہ متعلقین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ بعض لوگ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے مدعی ہیں کہ وہ ان معاملات میں بصیرت پر ہیں۔ لیکن اگر کوئی سوال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں "بصیرۃ" کو نکرہ کیوں کہا ہے اور معرفہ (البصیرۃ) کیوں نہیں فرمایا تو اس کی وجہ بیان نہیں کر سکیں گے۔

ظفر علی خان کہتے ہیں کہ جب میں گولڑہ شریف سے راولپنڈی واپس پہنچا تو وہاں مولوی ابوالکلام آزاد کو بھی خلافت و ہجرت کے موضوع پر گفتگو کی غرض سے گولڑہ شریف جانے کیلئے تیار پایا۔ میں نے حضرت پیر صاحب کے مندرجہ بالا ارشاد کا ذکر کرتے ہوئے ان سے کہا کہ اگر بصیرۃ کے نکرہ یا معرفہ ہونے کا جواب معلوم ہے تو بے شک جایئے تو آزاد صاحب نے جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور واپس چلے گئے۔(۴۳)

ظاہر ہے ابوالکلام آزاد کی علمی استعداد اتنی نہ تھی کہ ایسے سوالات کا جواب دے پاتے لہٰذا وہیں سے لوٹ آئے ؎

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا!

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو بھی ابوالکلام آزاد صاحب کی کمزور علمی استعداد کا علم تھا اسی لئے اپنی کتابوں میں اس کا ذکر مولانا کی بجائے مسٹر کے لقب سے کیا ہے۔ ایک جگہ ابوالکلام آزاد کے بارے میں فرماتے ہیں:

> "کسی پرچۂ اخبار کی ایڈیٹری اور چیز ہے اور حدیث و فقہ کو سمجھنا اور، وہ "مِن" کا ترجمہ "سے" اور "الیٰ" کا ترجمہ "تک" کر لینے سے نہیں آتا۔(۴۴)

افسوس ابوالکلام آزاد کو مذہب میں کچھ درک ہوتا تو وہ یوں نہ بہکتے اور قرآنی آیات کی غلط تاویلات و تشریحات کر کے اپنا دامن داغدار نہ کرتے۔ کاش وہ سوچ لیتے کہ وہ تو ہندوؤں سے پیار و محبت کی باتیں کر رہے ہیں لیکن ہندو بظاہر ان کے ساتھ تھے اور درپردہ شدھی اور سنگھٹن کی راہیں ہموار کر رہے تھے (۴۵)۔ ابوالکلام

آزاد کے ساتھیوں نے مشہور متعصب ہندو لیڈر سوامی شردھانند کو جامع مسجد دہلی کے منبر پر بٹھایا تو انہوں نے اس سے یوں فائدہ اٹھا کہ شدھی اور سنگھٹن کی تحریکوں کے دوران وہ مسلمانوں سے کہتے ''ہندوؤں، مسلمان کے سب سے بڑے رہنما اور بھارت کے بے تاج بادشاہ مسٹر گاندھی کو بدیشی حکومت نے قید کرلیا تو انہوں نے سردھانند کو اپنا جانشین بنایا ہے۔ ہندو مسلمان سب شردھانند کو اپنا لیڈر مانتے ہیں۔ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں مسلمانوں کو جامع مسجد دہلی کے اس جلسے کی تصویر دکھاتے تھے جس میں شردھانند جامع مسجد دہلی کے منبر پر تقریر کرتا دکھایا گیا تھا۔(۴۶)

خدا کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے امام احمد رضا بریلوی اور پیر مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرھما کے مزاراتِ اقدس پر کہ جنہوں نے مخالفتوں کے طوفان اور گاندھی کی آندھی کے دوران حق کا پرچم، بحسن وخوبی اٹھائے رکھا اور اہل اللہ کی قدیمی روایت کے مطابق حق گوئی کا حق ادا کردیا اور کروڑوں مسلمانوں کے عقیدۂ ایمان کی حفاظت فرمائی۔

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

حوالہ جات

(۱) محمد مسعود احمد پروفیسر، ڈاکٹر، فاضل بریلوی اور ترک موالات، ص ۲۷
(۲) کوثر نیازی، مولانا، امام احمد رضا خاں بریلوی، ایک ہمہ جہت شخصیت، ص ۲۵۔
(۳) محمد جلال الدین قادری، مولانا، ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست، ص ۵۰۔
(۴) فیض احمد فیض، مولانا، مہر منیر، ص ۲۷۱
(۵) غلام یحیٰی انجم ڈاکٹر، امام احمد رضا اور مولانا ابوالکلام آزاد کا نظریہ موالات، مشمولہ مجلہ امام احمد رضا کانفرنس، ص ۸۷۔
(۶) فیض احمد فیض، مولانا، مہر منیر، ص ۲۷۲
(۷) محمد مسعود احمد، پروفیسر، ڈاکٹر، تحریکِ آزادئ ہند اور السواد الاعظم، ص ۱۰۳
(۸) ایضاً، ص ۱۰۷
(۹) ایضاً، ص ۱۰۸
(۱۰) ایضاً، ص ۱۰۸
(۱۱) ایضاً، ص ۱۰۶
(۱۲) ایضاً، ص ۱۰۷
(۱۳) غلام یحیٰی انجم، پروفیسر، ڈاکٹر، امام احمد رضا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے افکار، ص ۶۷
(۱۴) ایضاً، ص ۶۴،
(۱۵) محمد مسعود احمد، پروفیسر، ڈاکٹر، تحریکِ آزادئ ہند اور السواد الاعظم، ص ۱۱۰
(۱۶) محمد جلال الدین قادری، مولانا، ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست، ص ۳۰
(۱۷) سید جمال الدین، ڈاکٹر، امام احمد رضا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے افکار، ص ۴۲-۴۴
(۱۸) محمد جلال الدین قادری، مولانا، ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست، ص ۲۱
(۱۹) شکیل احمد اعوان، کیپٹن، امام احمد رضا اور احیائے دین، ص ۶۷
(۲۰) محمد مسعود احمد، پروفیسر، ڈاکٹر، تحریکِ آزادئ ہند اور السواد الاعظم، ص ۲۲۷
(۲۱) ایضاً، ص ۲۲۸
(۲۲) محمد مسعود احمد، پروفیسر، اکٹر، تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات، امام احمد رضا کی نظر میں، ص ۱۶-۱۵
(۲۳) محمد جلال الدین قادری، مولانا، ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست، ص ۱۲۵،
(۲۴) احمد رضا خاں، المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ، ص ۲۸
(۲۵) محمد جلال الدین قادری، مولانا، ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست، ص ۴۷

(۲۶) محمد عبدالحکیم شرف قادری، مولانا، البریلویہ کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، ص ۲۱۲

(۲۷) احمد رضا خاں، امام، الحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ ص ۱۲۷

(۲۸) ایضاً ص ۲۵

(۲۹) ایضاً ص ۴۶

(۳۰) خطبۂ جمعہ میں گاندھی کی تعرف کرنے کی خبر اخبار فتح (دہلی) ج ۲، ص ۲۴۲، میں شائع ہوئی تھی جس کے عینی شاھد مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی تھے اور جس کو فاضل بریلوی نے اپنے رسالے الحجۃ المؤتمنۃ میں نقل فرمایا۔

(۳۱) محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر تحریک آزادئ ہند اور السواد الاعظم، ص ۳۴-۲۳۱

(۳۲) ایضاً ص ۲۳۰

(۳۳) غلام معین الدین نعیمی، مولانا، حیات صدر الافاضل ص ۲۲-۱۷۱

(۳۴) محمد مسعود احمد، پروفیسر، ڈاکٹر، مشرق کا فراموش کردہ نابغہ ص ۱۷

(۳۵) نذیر نیازی، سید، اقبال کے حضور، ص ۱۹۵

(۳۶) کوثر نیازی، مولانا، امام احمد رضا خاں بریلوی، ایک ہمہ جہت شخصیت، ص ۲۶

(۳۷) محمد عبدالحکیم شرف قادری، مولانا، دوقومی نظریہ حضرت مجدد الف ثانی اور علامہ اقبال کی نظر میں، ص ۱۱

(۳۸) محمد مسعود احمد، پروفیسر، ڈاکٹر، گناہِ بے گناہی، ص ۶۴-۶۳

(۳۹) فیض احمد فیض، مولانا، مہر منیر، ص ۲۷۰

(۴۰) ایضاً ص ۲۷۱

(۴۱) ایضاً ص ۲۷۳

(۴۲) ایضاً ص ۲۷۴

(۴۳) ایضاً ص ۲۸۶

(۴۴) غلام یحیٰی انجم، پروفیسر، ڈاکٹر، امام احمد رضا اور مولانا ابوالکلام آزاد کے افکار ص ۷۸

(۴۵) اختر حسین شاہ، سید، سیرتِ امیر ملت، ص ۴۱۸

(۴۶) ایضاً ص ۴۲۴

کتابیات

۱---احمد رضا خاں، امام، الحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ، رضا اکیڈمی، ممبئی، ۱۹۹۸ء

۲---اختر حسین شاہ، سید، صاحبزادہ، سیرتِ امیر ملت، امیر ملت پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹ء

۳---شکیل احمد اعوان، کیپٹن، امام احمد رضا اور احیائے دین، رضا اکیڈمی لاہور

۴---غلام معین الدین نعیمی، سید، مولانا، حیاتِ صدر الافاضل، فرید بک اسٹال، لاہور، ۲۰۰۰ء

۵---غلام یحیٰی انجم، ڈاکٹر جمال الدین سید، ڈاکٹر، امام احمد رضا اور ابوالکلام آزاد کے افکار، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی ۱۹۹۱ء

۶---فیض احمد فیض، مولانا، مہر منیر، کتب خانہ درگاہ غوثیہ مہریہ، اسلام آباد ۱۹۹۹ء، طبع نہم۔

۷---کوثر نیازی، مولانا، امام احمد رضا خاں بریلوی، ایک ہمہ جہت شخصیت، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی ۱۹۹۳ء

۸---محمد جلال الدین قادری، مولانا ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست، مکتبہ رضویہ، لاہور ۱۹۹۶ء، طبع دوم

۹---محمد عبدالحکیم شرف قادری، مولانا، البریلویہ کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، رضا دارالاشاعت، لاہور ۱۹۹۵ء

۱۰---محمد عبدالحکیم شرف قادری، مولانا، دوقومی نظریہ، مجدد الف ثانی اور علامہ اقبال کی نظر میں، رضا اکیڈمی، لاہور ۱۹۹۷ء

۱۱---محمد مسعود احمد، پروفیسر، ڈاکٹر، تحریک آزادئ ہند اور السواد الاعظم، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۹۷ء

۱۲---محمد مسعود احمد، پروفیسر، ڈاکٹر، تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات، امام احدم رضا کی نظر میں، ادارۂ معارف نعمانیہ، لاہور ۱۹۹۷ء

۱۳---محمد مسعود احمد، پروفیسر، ڈاکٹر، فاضل بریلوی اور ترکِ موالات، مرکزی مجلس رضا، لاہور ۱۳۹۱ھ

۱۴---محمد مسعود احمد، پروفیسر، ڈاکٹر، مشرق کا فراموش کردہ نابغہ، بزم عاشقانِ مصطفیٰ، لاہور ۱۹۹۷ء

۱۵---محمد مسعود احمد، پروفیسر، ڈاکٹر گناہ، بے گناہی، ادارۂ مسعودیہ، کراچی، ۱۹۹۸ء

۱۶---نذیر نیازی، سید، اقبال کے حضور، اقبال اکادمی لاہور، ۲۰۰۰ء، طبع سوم

۱۷---وجاہت رسول قادری، سید مجلہ امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۱ء، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی

☆☆☆

سونے والے جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

محمد منشا تابش قصوری *

غیر معمولی اشخاص بچپن ہی سے اپنی حرکات وسکنات اور نشوونما میں ممتاز ہوتے ہیں، ان کے خدوخال میں عجیب سی کشش ہوتی ہے، ان کے ناصیۂ اقبال سے فیروز بختی اور سعادت ابدی کا نور خود بخود چمک چمک کر نتیجہ کا پتہ دیتا ہے

بالائے سرش زِ ہوش مندی
می‌تافت ستارۂ بلندی

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، امام اہلسنّت، مجدد وقت مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ بھی اسی قسم کے مقبولانِ بارگاہ صمدیت سے تھے۔ مخبرانِ صادقین فرماتے ہیں؛ بچپن میں ہی انکا ہر انداز نرالا تھا اور ان کے اطوار میں عظمت و رفعت کے آثار نمایاں تھا۔ ان کی خوردسالی میں طہارت و پاکیزگی کے اجالے دیکھ کر کسی اہلِ محبت نے کیا خوب نقشہ کھینچا ہے۔

ایسا بھی اتفاق ہوا یہ کبھی کبھی
آنکھوں میں اشک آگئے فرطِ سرور سے

عموماً ہر زمانہ میں بچوں کا وہی حال ہوتا ہے جو آج کل بچوں کا ہے۔ سات آٹھ سال تک تو انہیں کسی بات کا مطلق ہوش نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ کسی بات کی تہہ تک پہنچ سکتے ہیں لیکن اعلیٰ حضرت کا بچپن بھی اہمیت کا حامل تھا، کمسنی، کم عمری میں ہوش مندی اور قوتِ حافظہ کا یہ حال تھا کہ ساڑھے چار سال کی ننھی سی عمر میں قرآن مجید

ناظرہ ختم کیا، چھ سال کے تھے کہ منبر پر جلوہ افروز ہوکر میلاد النبی ﷺ کے موضوع پر بہت بڑے مجمع میں جامع اور پُرمغز تقریر فرمائی۔

چھ سال ہی کی عمر میں آپ نے معلوم کرلیا تھا کہ ''بغداد شریف'' کس سمت پر ہے، پھر اس وقت سے دمِ آخر تک بغداد شریف کی طرف پاؤں نہ پھیلائے۔ نماز پنجگانہ تکبیر اولیٰ کے ساتھ مسجد میں ادا کرنا معمول میں داخل تھا۔ اگر کبھی کسی خاتون کا سامنا ہوا تو فوراً سر جھکا لیتے، نامحرم کو دیکھنا گوارا نہ فرماتے۔ لڑکپن ہی سے تقویٰ کو اس قدر اپنالیا تھا کہ چلتے وقت قدموں کی آواز تک پیدا نہ ہونے دی۔ سات سال کے تھے کہ ماہ صیام کے روزے اہتمام اور پورے احترام سے رکھنے شروع کیئے۔

آٹھ سال کی عمر میں فنِ نحو کی مشہور کتاب ''ھدایۃ النحو'' کی شرح عربی میں قلمبند کی۔ دسویں برس میں ''مسلم الثبوت'' کی نہایت عمدہ شرح لکھنے کی شہادت ملتی ہے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل صرف تیرہ سال دس ماہ کی عمر مبارک میں فرما کر چودہ شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ/ ۱۹ نومبر ۱۸۶۹ء بروز جمعرات فارغ التحصیل ہوئے تو اپنے والد ماجد امام المتکلمین حضرت مولانا محمد نقی علی خاں علیہ الرحمۃ (۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) کے حکم پر مسند تدریس وافتاء کو زینت بخشی، اللہ کے فضل وکرم سے علم وعمل سے دلی لگاؤ رہا اور خداداد

* (استاذ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور)

ذہانت کی وجہ سے علوم مروّجہ کا سراپا بن گئے۔ آپ نے اس مبارک سال کے ذوتاریخی مادّے ''تعویز اور غفور'' نکالے جن سے سن ۱۲۸۶ھ برآمد ہوتا ہے۔

حضرت مولانا سید ایوب علی رضوی علیہ الرحمۃ کا بیان ہے

کہ ایک بار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا:

''میں حافظ نہیں، لوگ مجھے حافظ لکھتے ہیں اس لئے میں نہیں چاہتا کہ وہ غلط ثابت ہوں''۔

چنانچہ اسی دن آپ نے حفظ القرآن کا سلسلہ شروع کر دیا اور ایک ایک پارہ یومیہ یاد کر کے تیس دن میں مکمل قرآن کریم حفظ کرلیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام اور حافظہ کی کرامت تھی۔ **ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔**

فاضل بریلوی، اساطینِ علم وفن اور اکابر فضل و کمال کا مرکز بنے، برصغیر پاک وہند کے علمائے حقانی اور عرب وعجم کے علماء و مشائخ ربانی کے نزدیک آپ کی محبت اہلِ حق وسنّت ہونے کی دلیل ٹھہری اور انحراف بدعتی ہونے کی سب سے بڑی پہچان۔

اللہ تعالیٰ نے فاضل بریلوی کو فنافی السُّنّۃ ہونے کا وہ مرتبہ عطا فرمایا تھا کہ کمالِ استغراق کی وجہ سے آپ کی ذاتِ گرامی یکسر سنّت واتباع سنّت کا پیکر ومجسمہ بن گئی جوان کے قدم بہ قدم چلا اس نے سنّت کو پایا اور جس نے روگردانی کی اس نے سنتِ رسول کریم ﷺ اور منہج اصحاب رسول سے انحراف کیا۔ یہ کیا تھا کہ بڑے بڑے علمائے اسلام کو اعتراف کرنا پڑا **اذا رأیت الرجل یحب احمد رضا فاعلم انہ صاحب السنّۃ ٥** اگر کسی کو دیکھو کہ وہ امام احمد رضا سے محبت رکھتا ہے تو جان لو کہ وہ صاحبِ سنّت یعنی اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہے۔ **یعرف بہ المسلم من الزندیق** اسی کسوٹی پر مسلم کو زندیق سے پرکھا جائے گا۔

جب دین کی قدریں کم ہوتی چلی گئیں، دنیا نے اسلام کے زرّین اصولوں سے انحراف شروع کیا تو حضور سیدنا محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''محی الدین'' بن کر جلوہ گر ہوئے اور احیائے دین کا ایسا کام کیا کہ ایک مخصوص ٹولہ کے سوا سبھی ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ ''اکبر نے'' دین الٰہی، ایجاد کیا اور کفر واسلام کو ایک کرنا چاہا جس کی کاپی Duplicate ہندو مسلم بھائی بھائی تحریک چلی، بدعات پھیلنے لگیں، صحیح اسلام کی صورت مسخ ہونے کو تھی کہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ تشریف لائے اور وہ کام کیا کہ آج تک ان کی مجاہدانہ خدمات کو زمانہ سلام کر رہا ہے۔ جب کہ ایک طبقہ ان کے مزار اقدس کو گرانا واجب سمجھتا ہے اور ان کی یاد منانے کو حرام ٹھہراتا ہے۔ مودودی صاحب تو ان کے مجدد ہونے سے بھی انکاری تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ آج تک مجددِ کامل تو کوئی آیا ہی نہیں، قریب تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز اس مرتبہ پر فائز ہوتے مگر وہ بھی کامیاب نہ ہوئے۔

(تجدید واحیائے دین ص ۷۹-۱۲۲)

ہر مجدد اپنے وقت میں اسی کام کو مقدم سمجھتا ہے جو نہایت ضروری ہوں، مسائلِ اصول تو سید عالم ﷺ نے مقرر فرما دیئے تھے، ان کے بنائے ہوئے اصولوں اور مقدس احادیث سے استنباط واجتہاد کر کے ائمۂ اربعہ نے فقہ تیار کی جس کی سخت ضرورت تھی اور یہی قواعد وضوابط مجدّدینِ اسلام کے تجدیدی کارناموں میں جاری و ساری رہے۔

جب انبیاء واولیاء کرام کی ذوات مقدسات پر بے باکانہ حملے شروع ہوئے بے ادبیوں اور گستاخیوں سے بھری کتابیں شائع

ہونے لگیں، انبیاء و رسل کو جاہل، مجبورِ محض، بے علم، عام سا معمولی انسان سمجھا جانے لگا، اولیاء کرام کے خلاف ایک محاذ قائم ہوگیا، بتوں پر وارد آیات اولیاء اللہ پر چسپاں کی جانے لگیں حتیٰ کہ سید عالم ﷺ کو مردہ اور آپ کے روضۂ مطہرہ کو ''صنم اکبر'' گنبدِ خضراء کی زیارت، مدینہ طیبہ کی حاضری کو حرام قرار دیا جانے لگا، اکبر کے ''دین الٰہی'' کے نفاذ کے لئے ہندو مسلم بھائی بھائی کی تحریک پورے ساز و سامان سے لیس دینِ اسلام کے مقابل ''ہل من مزید'' کے نعرے لگاتی ہوئیں برصغیر پاک و ہند میں اٹھنے لگیں تو وہ مولانا الشاہ احمد رضا امتِ محمدیہ کے مونس و غمخوار، نگہبان و پاسبان بنکر تشریف لائے اور وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ باطل سرنگوں ہوگیا اور اپنے تحریر کردہ الفاظ سے منکر ''المھند'' اس کا بہت بڑا ثبوت ہے۔

فاضلؒ بریلوی علیہ الرحمۃ کی تجدی کارناموں کا یہ اثر ہے کہ آج کوئی کٹر بدمذھب بھی اپنے اکابر کی گستاخ عبارت کا برسرِ عام اظہار کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا، گو آپ کے خلاف بڑی بڑی سازشیں کی گئیں اور آج بھی کارِ شیطان جاری ہے مگر الحق یعلو ولا یعلیٰ آپ کو گالیاں دی گئیں اور یہ سلسلہ آج بھی بدستور قائم ہے، ہر مخالف اور حاسد آپ کو گالی دینا اپنا فرضِ منصبی سمجھتا ہے مگر مجدّدِ اعظم کا یہ اعلان فضائے آسانی میں خوب گونج رہا ہے۔

''مجھے ہزاروں گالیاں دو، میرے باپ دادا کو دن رات گالیاں دو، جو جی میں آئے کہتے رہو، مجھے بخوشی قبول ہے، میں تمہیں ایک لفظ بھی نہیں کہوں گا مگر خدارا ''میرے محبوب حبیب خدا علیہ التحیۃ والثناء اور انبیاء و اولیاء کی شان میں بے ادبیاں اور گستاخیاں کرنا چھوڑ دو ۔

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی
کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

یہی وہ تجدیدی کارنامہ ہے جسے اسلاف کے طریقہ پر مجدّد بریلوی نے باحسن وجوہ سرانجام دیا۔ آپ نے ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' کے علاوہ ''العطایا النبویہ فی الفتاویٰ رضویہ''، ایسی ضخیم و عظیم کتاب تصنیف فرمائی جو قدیم بارہ مجلدات جبکہ جدید تیس جلدوں پر مشتمل دنیائے فتاویٰ میں اپنی نوعیت کا سب سے بڑا فقہی انسائیکلو پیڈیا ہے جو نہ صرف اپنے حجم کے اعتبار سے عدیم المثال ہے بلکہ علوم و معارف کا بحرِ ناپیدا کنار بھی ہے۔ ایک فتاویٰ ہی کی بات کیا آپ نے ستر سے زائد علوم پر ایک ہزار سے زیادہ کتابیں تصنیف فرما کر جہانِ تصانیف میں ایک ریکارڈ قائم فرمایا ہے۔ براعظم ایشیاء ہی نہیں پورے عالمِ اسلام میں آج تک اس ریکارڈ کو کوئی فقیہ، کراس نہیں کرپایا۔ کتابوں کے ساتھ ساتھ آپ نے انسان تصنیف کیئے۔

فاضلِ بریلوی کے تلامذہ و خلفاء نے بھی آپ کے مقدس مشن کو خوب پروان چڑھایا۔ حضرت صدر الشریعہ، علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی بہاری رحمہ الباری نے ''بہارِ شریعت'' تصنیف کی جو سترہ جلدوں پر محیط ہے۔ اردو زبان میں فقہ حنفی پر ایسی کوئی کتاب موجود نہیں جو ہزارہا شرعی مسائل کا جامع حل پیش کرتی ہو۔ بالفاظ دیگر یوں سمجھئے بہارِ شریعت کی موجودگی میں فقہ کی کسی اور کتاب کی چنداں ضرورت نہیں رہتی، آج فتاویٰ نویسی میں فقہائے بریلوی ہی نہیں علمائے دیوبند بھی اس سے استفادہ کرتے رہتے ہیں۔ پاک و ہند میں شاید ہی کوئی تصنیف ہو جسے اتنی محبوبیت و مقبولیت اور اشاعت کا شرف حاصل ہوا ہو۔

یو ہی ملک العلماء علامہ ظفر الدین احمد بہاری قادری رضوی علیہ الرحمۃ نے ''الجامع الرضوی'' المعروف ''الصحیح البھاری'' (عربی) تصنیف فرما کر فقہ حنفی کو احادیث سے مزین فرمایا

جسے برصغیر پاک وہند کے علاوہ علمائے حجازِ مقدس نے بھی بے حد سراہا اور مرتب، مصنف کو خراج تحسین پیش کیا۔ رئیس الوہابیہ مولوی ثناء اللہ امرتسری نے بھی تقریظ لکھ کر ھدیۂ تبریک پیش کیا۔

حضرت صدر الافاضل فخر الاماثل مولانا الحاج الحافظ القاری السید محمد نعیم الدین مرادآبادی اشرفی قادری رضوی علیہ الرحمۃ ، رسوائے زمانہ کتب ''تقویۃ لایمانن'' اور ''حفظ الایمان'' کا نہایت جامع ، مدلّل اور مبسوط ردّ بنام ''اطیب البیان'' اور ''الکلمۃ العلیا'' تصنیف فرما کر انکا ناطقہ بند کردیا ، نیز آپ نے ''کنزالایمان'' پر ''خزائن العرفان'' کے نام سے بلند پایۂ تفسیر القرآن لکھ کر مسلمانانِ عالم پر احسانِ عظیم فرمایا۔ اس بے مثال اردو تفسیر کو اپنوں نے حرزِ جان بنایا تو بیگانوں نے استفادہ واستفاضہ کے لئے اپنی لائبریریوں کی زینت بڑھائی۔

استاذ العلماء الفقہا والمحد ثین حضرت مولانا سید ابو محمد محمد دیدار علی شاہ الوریٰ اشرفی صاحب علیہ الرحمۃ تفسیر ''میزان الادیان'' لکھ کر غیر مسلموں کے دلوں پر حقانیتِ اسلام کا سکہ بٹھایا اور آپ کے فرزندِ ارجمند غازیِ کشمیر علامہ ابوالحسنات قادری علیہ الرحمۃ جب تحریکِ نبوت ۱۹۵۳ء میں قیادت کرتے ہوئے قیدو بند کی صعوبتوں سے دوچار ہوئے تو جیل کی سلاخوں کو خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہوئے ''تفسیر الحسنات'' کے نام سے قرآن کریم کی سات جلدوں پر مشتمل لاجواب تفسیر قلمبند فرمائی۔ اسی طرح حکیم الامت مفتی احمد یار خان گجراتی اشرفی قادری علیہ الرحمۃ نے جہاں مرأۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح سے خدمتِ احادیثِ مقدسہ سرانجام دی۔ وہاں تفسیر نعیمی کے نام سے ایک ایک پارے کی مبسوط تفسیر کرکے اہلسنّت و جماعت کی عظمت و رفعت کو چار چاند لگائے۔ یہ تفسیر گیارہ ہزار سے زائد صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

یوں ہی محدث اعظم ہند کچھوچھوی اشرفی قادری جیلانی علیہ الرحمۃ نے ''معارف القرآن'' کے نام سے قرآن کریم کا ایمان افروز روز روح پرور، ترجمہ فرمایا جسے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے دیکھتے ہی خراج محبت پیش کرتے ہوئے فرمایا:

''صاحبزادے آپ تو اردو میں قرآن لکھ رہے ہیں''

مذکورہ الصدور اکابر اہلسنّت کی قلمی خدمات کو اشارۃً اس لئے حوالۂ قلم کیا ہے کہ یہ تمام محسنینِ امام اہلسنّت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے فیوض و برکات سے براہ راست یا بالواسطہ مستفیض ہوتے رہتے تھے۔ ان کی جامع تعمیری، علمی، تحقیقی، فقہی، تفسیری، خدمات سے من وجہ امام احمد رضا ہی کی دینی ، ملّی خدمات پر روشنی پڑتی ہے، یوں ہی بکثرت علمائے اہلسنّت کے قلمی کارنامے اظہر من الشمس ہیں جن میں مجدّد اسلام بریلوی کی تعمیری روح کارفرما ہے۔

مگر بڑی عیاری سے بعض حضرات مسلمانوں کو ورغلانے کے لئے یہ مہم چلائے ہوئے ہے کہ ''بریلویوں کو تو لکھنا نہیں آتا، اس لئے ان کی قابلِ ذکر کتابیں نہیں، انہیں تو اپنے حلوے مانڈے سے پیار ہے''۔ دوشعر پڑھے اور دین کی خدمت ہوگئی، وہ تحریر و تقریر کو کیا جانیں وغیرہ وغیرہ ۔

اتنی نہ بڑھا پاکیِ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ
کس کس سے چھپاؤ گے تحریکِ ریا کاری
محفوظ ہیں تحریریں ، مرقوم ہیں تقریریں

(۱) ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہماری کتابیں نہیں بلکہ ایک بھی نہیں ایسی جس میں علمائے دیوبند کی طرح مرقوم ہو ''اگر حق تعالیٰ کلام کا

ذب پر قادر نہ ہوگا تو قدرتِ انسانی، قدرتِ ربانی سے زائد ہوگی''، اگر خاتم الانبیاء کے بعد بھی کوئی نبی آ جائے تو خاتمیتِ محمد یہ میں کوئی فرق نہیں آئے گا'' وغیرہ وغیرہ۔ تفصیل کیلئے دیکھیے راقم الحروف کی کتاب ''دعوتِ فکر''۔

(۲) سچ فرمایا جناب نے ''ہمیں حلوہ مرغوب ہے، کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ کو حلوہ یعنی میٹھی چیز محبوب تھی (بخاری شریف) ''کان رسول الله ﷺ یحب الحلوا، قاسم نعم الهیه ﷺ اپنے غلاموں کو نوازتے ہیں مگر منکر جلتا ہے، غالباً حکمائے دیوبند نے اپنی ریسرچ Research کے مطابق اسے مضر صحت پایا تو اس کا استعمال ممنوع ٹھہرایا۔ ممکن ہے انہوں نے کبھی منہ بھی نہ لگایا ہو۔ تاہم اس کے برعکس کوے کو نہ صرف حلال فرمایا بلکہ یہاں تک معلوم کرلیا کہ کوے یں غذایت کے جراثیم Vitamins کا بھرپور ذخیرہ موجود ہونے کے ساتھ ساتھ ثواب کا عنصر بھی پایا جاتا ہے، چنانچہ گنگوہ کے ماہر (Specialist) حیوانات اعلان کرتے ہیں،

فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوئم کا سوال و جواب ملاحظہ ہوں:

سوال----زاغِ معروفہ کو جس جگہ اکثر حرام جانتے ہوں اور کھانے والے کو برا کہتے ہوں تو ایسی جگہ اس کوا کھانے والے کو کچھ ثواب ہوگا یا نہ ثواب ہوگا نہ عذاب۔

جواب----ثواب ہوگا فقط رشید احمد،

مبارک ہو ایسی نعمت، مزے اڑاؤ، اور مل کر گاؤ
آم کے آم گٹھلیوں کے دام، ہم خرما ہم ثواب

ہم اس بات کی بھی تائید کرتے ہیں کہ ہماری تحریر و تقریر کا معاملہ بھی تم سے برعکس ہے اور اشعار ہمارا شعار، کیونکہ ہم انگریز کی قصیدہ خوانی سے رہے، گاندھی کی سادھی پر پھول چڑھانا اور اس کی جے پکارنا، نیز اندرا گاندھی سے دیوبند کا جشن صد سالہ سجانا تمہیں مبارک رہے۔ جائیے اور منبر رسول پر اسے بیٹھائیے پھر با جماعت تالیاں بجا بجا کر ترانہ گائیے۔

عمرے کے بآیاتِ وحدیث گذشت
رفتی و نثار بت پرستے کردی

کیا ہی اچھا ہو کہ امرتسر میں اپنے عظیم ریفارمر کی یاد میں مدرسہ دیوبند کی طرز پر ایک اور ماڈرن یونیورسٹی قائم کر کے اپنے مدارس کی فہرست میں اضافہ کرلیں، تاکہ تمہارا محسن تمہاری فراموشی کا گلہ نہ کرسکے۔ اگر میری بات سمجھ میں نہ آئے تو مولوی غلام غوث ہزاروی کی روح کو آواز دیجئے جو مشرقی پاکستان کی علیحدگی پر برسرِ عام اعلان کرتا رہا:

''نظریۂ پاکستان کی تحریک غلط تھی، مشرقی پاکستان کی علیحدگی نے ہماری سچائی کا ثبوت فراہم کردیا''۔

(روزنامہ جنگ راولپنڈی، ۲۲/ اگست ۱۹۷۳)

جب کہ مفتی محمود ہزاروی فخریہ کہتے رہے:

''شکر ہے کہ ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شامل نہیں تھے''

اور ان کے فرزندِ دلبند بھی اسی نظریہ پر عمل پیرا ہیں۔ لہٰذا ہم مسلمانانِ پاکستان کو خبردار کرتے ہیں کہ ہوشیار رہیے کہیں یہ تجربہ کار سپوت مزید ثبوت مہیا کرنے کیلئے رہے سہے پاکستان کو ختم کرنے کی کاروائی میں تو مصروف نہیں؟

ہاں جب ہمارے اشعار سے مساجد میں اتحاد و اتفاق کا دل افروز منظر، اخلاقِ عظیمہ کی دعوت، خصائلِ کریمہ کی تبلیغ، اسوۂ حسنہ کی ترغیب، عذاب الٰہی سے ترہیب، افعال ذمیمہ سے نفرین اور ان کی تردید ذوالخویصرہ اور شیخ نجدی کے اذیاب کو ایک آنکھ نہ بھائی

تو اچانک چیخیں سنائی دینے لگیں، رفتہ رفتہ یہ چیخیں بلند ہوتی گئیں اور آہستہ آہستہ ان میں اضافہ ہوتا گیا پھر حواس باختہ چلانے لگے، ہائے جل گئے، ہائے جل گئے، پھر پاگلوں کی طرح یہ الفاظ نکالنے لگے:

''نعت خوانی چھوڑ دو، میلاد منانا شرک ہے، سلام پڑھنے سے آگ تیز ہوتی ہے۔ قیام تعظیم سے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں۔ بچایئے بچایئے، ہائے جل گئے۔ ہائے جل گئے''

مگر دور، بہت ہی دور سے ایک دلنواز صدا آرہی تھی ؎

خاک ہوجائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا
دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے

پھر پورے جوش سے فضائے بسیط میں رضا کی آواز گونجنے لگی ؎

غیظ سے جل جائیں بے دینوں کے دل
یا رسول اللہ کی کثرت کیجئے

اس مسرت انگیز، راحت افروز، اعداء سوز صدا سے کائنات کا ذرہ ذرہ جھوم اٹھا، دیکھا تو تمام قدسی اور کائناتِ ارضی کی تمام پاک اور سعید ہستیاں اسی صدا میں شریک اور ہمنوا، جھوم جھوم کر یہی ترانہ گارہی تھیں ؎

دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے

بلکہ خود خالق الارض والسماء، فالق الحب والنوا فرما رہا تھا:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلَائِکَتَهٗ ، یُصَلُّونَ عَلَی النَّبِی ○
یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِیْماً۔ (پ۲۲)

رات تاریک تھی اور وہ طریقِ مستقیم سے بھٹک چکے تھے اور روشنی کہاں سے آتی وہ تو سراجاً منیراً ﷺ سے تعلق و نسبت کو ہی شرک تصور کرتے تھے۔ مگر دور، دیوبند سے دور۔ دیوبندی نظریات و معتقدات سے کوسوں دور مسلمانانِ عالم خصوصاً برصغیر کے قابل رحم مسلمانوں کا مونس و ہمدم، غمگسار و غمخوار خوابِ غفلت میں سونے والوں کو جگانے کیلئے درد بھری آوازیں دے رہا تھا۔ جاگو! جاگو! میرے محبوب کے پیارے امتیو! جاگو! کو اب غفلت میں کب تک پڑے رہوگے۔ بیدار ہوجایئے، تمہارے ایمان کے ڈاکو گھات لگائے بیٹھے ہیں۔ اس اندھیر نگری میں شب خون مارا چاہتے ہیں۔ جاگو جاگو۔ کیونکہ ؎

سُونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

سُونا پاس ہے سُونا بن ہے سُونا زہر ہے اٹھ پیارے
تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیری مت ہی نرالی ہے

اس پرخلوص، پرسوز، پراثر آواز کے بلند ہوتے ہی بیداری کی ایک ایسی لہر اٹھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے بڑے بڑے جو خوابِ غفلت میں پڑے تھے ایسے بیدار ہوئے کہ پھر انہوں نے دوسروں کو بیدار کرنا زندگی کا معمول بنالیا۔ رضا کی صدا و ندا پر بیدار ہونے والوں میں دیکھیے تو سہی یہ ہیں مولوی قاسم نانوتی کے مرید خاص حضرت صدر الافاضل فخر الاماثل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی اشرفی قادری کے والد ماجد مولانا معین الدین نزہت قادری رضوی علیہ الرحمہ جو امام اہلسنت کی آواز پر بیدار ہوتے ہیں اور بڑی شان سے بیدار ہوتے ہیں۔

انکی بیداری کا روح پرور بیان تاج العلماء، مولانا محمد نعیمی علیہ الرحمہ سے سماعت فرمایئے:

''حضرت مولانا معین الدین نزہت پہلے بانی مدرسہ دیوبند قاسم نانوتوی کے مرید ہوئے تو انہوں نے آپ کو

میلاد شریف، صلوٰۃ سلام کے ساتھ پڑھنے کی اجازت دے رکھی تھی اور اس وقت وہابی اپنی وہابیت کو چھپاتے تھے، جب مولانا نزھت سے کہا گیا کہ تمہارا پیر وہابی ہے تو انہوں نے کہا میں کیسے تسلیم کروں؟ جبکہ مجھے فاتحہ، میلاد، قیام، صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم دے رکھا ہے اور با برکت عمل بھی بتایا ہے''۔

چنانچہ فتاویٰ ''حسام الحرمین'' دکھایا گیا تو انہوں نے فرمایا؛ جب تک ''تحذیر الناس'' سے اس عبارت کی مطابقت نہ ہوگی کیسے تسلیم کروں؟ جب تحذیر الناس ملاحظہ فرمائی اور بعینہٖ اس عبارت کو ''حسام الحرمین'' میں پایا جس پر اعلیٰ حضرت نے خوب گرفت کر رکھی تھی تو مولانا معین الدین نزھت فوراً بیعت توڑ کر اعلیٰ حضرت کے دست حق پرست پر بیعت ہوتے ہوئے گویا ہوئے ۔

پھرا ہوں میں اس گلی سے نزھت جس میں گمراہ شیخ وقاضی
رضائے احمد اسی میں سمجھوں گا مجھ سے احمد رضا ہوں راضی

ابھی یہ آواز آ ہی رہی تھی:

سونے والو جاگتے رہیو! چوروں کی رکھوالی ہے

جب اس روح پرور، ایمان افروز، کفر سوز آواز سے برِ صغیر کی مشہور سیاسی لیڈ مولانا عبدالباری لکھنوی فرنگی محلی علیہ الرحمۃ کے کان آشنا ہوتے ہیں تو ان کے بیدار ہوتے ہی ہندوستانی سیاست اور ندوہ منافقت پر صف ماتم بچھ جاتی ہے۔ نیز جب مغربی علوم وفنون کا ماہر ریاضی کا آل ورلڈ (World Fame Scholar)، ماڈرن تہذیب کا کشتہ، مسلم علیگڑھ یونیورسٹی کا وائس چانسلر ''سرضیاء الدین'' اس پرکیف آواز کو سنتا ہے تو لبیک یا سیدی امام احمد رضا پکارتا ہوا۔ آپ کے قدوم میمنت لزوم کو چومتا دکھائی دیتا ہے۔

اور جب یہی جانگداز، ولولہ انگیز، زمزمہ خیز آواز، مسجد وزیر خان لاہور کے بلند و بالا مینار سے حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں بریلوی قادری علیہ الرحمہ کی حسین وجمیل اور دلکش نورانی صورت بن کر سنائی دیتی ہے تو فرسٹ ایئر کا ایک اسٹوڈنٹ ایسے جاگتا ہے کہ آن کی آن میں محدثِ اعظم پاکستان کی عظیم المرتبت شخصیت میں جلوہ گر ہو جاتا ہے ۔

آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اور آج بھی فیصل آباد میں سنّی رضوی جامع مسجد کے فلک بوس مینار، جامعۂ رضویہ مظہر اسلام کے در و دیوار اور محدثِ اعظم پاکستان علیہ الرحمۃ کے پر انوار مزار گوہر بار سے فاضل بریلوی کی وہی صدا برابر سنائی دے رہی ہے!

سونے والوں جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے۔

ایک اہم خبر

امام احمد رضا سلور جوبلی انٹرنیشنل کانفرنس ۲۰۰۵ء

الحمدللہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا (انٹرنیشنل) کی تاسیس (۱۹۸۰ء) کو چوبیس (۲۴) سال ہو چکے ہیں۔ ۲۰۰۵ء ادارے کے قیام کی سلور جوبلی کا سال ہے۔ چنانچہ اس مناسبت سے سن ۲۰۰۵ء میں ہم نے امام احمد رضا سلور جوبلی انٹرنیشنل کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے فروغ رضویات اور ابلاغ افکارِ رضا کے حوالے سے ہماری مساعی کو اب ملکی اور بین الاقوامی سطح پر وسیع پذیرائی حاصل ہو رہی ہے اور اب تک ۲۵/ سے زیادہ جامعات میں Ph.D اور M.Phil کے مقالات لکھے جا چکے ہیں، جن میں ۱۳/ اسکالرز کو Ph.D اور ۸/ کو M.Phil کی سندات مل چکی ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر نامور قلم اور محققین نے حیاتِ اعلیٰ حضرت اور ان کی علمی خدمات کے حوالے سے بے شمار کتب تصنیف و تالیف کی ہیں۔

لہٰذا ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ان تمام اسکالرز حضرات کو جنہوں نے Ph.D اور M.Phil کی سندات حاصل کر لی ہیں اور جنہوں نے اعلیٰ حضرت پر غیر معمولی تصنیفی اور تالیفی خدمات انجام دی ہیں، اس انٹرنیشنل کانفرنس میں مدعو کیا جائے اور ان کی تصنیفی و تحقیقی خدمات کے اعتراف میں گولڈ میڈل اور سلور میڈل پیش کیا جائے گا۔

نیز ادارہ اس موقعہ پر دیگر کتابوں کے علاوہ ایک سوینئر بھی شائع کرنا چاہتا ہے جس میں اب تک امام احمد رضا پر Ph.D یا M.Phil کرنے والے اسکالرز کے کوائف کے ساتھ ساتھ ان کے مقالاجات کی تلخیص بھی شائع کرے گا لہٰذا تمام اسکالرز سے درخواست ہے کہ وہ اس اشتہار کو ہماری طرف سے دعوت سمجھیں اور اپنے تفصیلی کوائف نام مع ولدیت مکمل پتہ، تاریخ و مقام پیدائش، تعلیم (دارالعلوم یا یونیورسٹی) موجودہ مشغلہ، تصانیف کی تعداد، اہم تصانیف کے نام وغیرہ) کے ساتھ ساتھ تھیسس کی فوٹو کاپی اور دو صفحہ میں اس کا خلاصہ/ خاکہ بھی ارسال کر دیں۔ اسکالرز حضرات سے یہ بھی درخواست ہے کہ وہ اپنے تھیسس سے متعلق وہ معلومات بھی فراہم کریں کہ ان کو کب ایڈمیشن ملا اور کب تھیسس جمع کیا، کس نے ان کا Viva امتحان لیا اور کب ڈگری تفویض ہوئی۔ اس دوران اگر کوئی غیر معمولی معاملہ یا رکاوٹ پیش آئی ہو تو اس کا بھی مختصراً تذکرہ کر دیں۔

غیر ملکی اسکالرز سے درخواست ہے کہ اگر ان کے پاسپورٹ بنے ہوئے نہ ہوں تو بنوالیں اور اگر ان کی تاریخ ختم ہوگئی ہو تو اس کی تجدید کرالیں۔ ادارہ کی یہ انٹرنیشنل کانفرنس اپریل ۲۰۰۵ء میں منعقد کی جائے گی۔ لہٰذا کوائف کے ساتھ پاسپورٹ کی صاف فوٹو کاپی کا بھی ہمیں ضرور بھیجیں۔

تمام اسکالرز سے درخواست ہے کہ اپنے کوائف کے ساتھ ساتھ دیگر معلومات بھی فراہم کریں تاکہ ان سے رابطہ میں آسانی ہوں:

فون نمبر...... فیکس نمبر...... موبائل نمبر...... ای میل ایڈریس...... گھر کا ایڈریس...... وغیرہ وغیرہ۔

آخر میں مخیر حضرات سے بھی درخواست ہے کہ ہمارے اس بڑے پروجیکٹ میں مالی اعانت فرمائیں کیونکہ اس موقعہ پر ہم 10-8 کتابوں کی اشاعت کا بھی ارادہ رکھتے ہیں لہٰذا اعلیٰ حضرت سے عقیدت و محبت کا موقعہ ہے اللہ تعالیٰ ہم کو اس نیک مقصد میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

المشتہر: پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری، جنرل سیکریٹری

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی، پاکستان